

وَابْرَأَ الْفِئَامَ

بَابُ أَذْهَبِ شَاءَ تَابِحِي

١١٩
١٢٢
١٢٣

۲
(جملہ حقوق بحق مکتبہ تاج محفوظ)

۲۹۵۸۹
۱۶۲۹۹

بابا ذہین شاہ تاجی

تصنیف :-

ایک ہزار

بار اول :-

دسمبر ۱۹۶۷ء

اشاعت :-

صیاد برقی پریس کراچی

مطبوعہ :-

قیمت فی جلد
چھ روپے

ملتان

کشمیر ماہنامہ تاج - تاج منزل - بہار کالونی - کراچی

فہرست

۹۱	پیغمبر زہرا اور شہنشاہ ہفت اقلیم	۲۱	۶	کا اوندی کا اعلان
۹۲	تزیینت روحانی	۲۲	۹	تثانی
۹۳	حیات نبویؐ - فیوض روحانی	۲۳	۱۰	سلام کی سادگی
۹۵	مشکوٰۃ	۲۴	۱۸	ات
۹۷	سماع شریف	۲۵	۱۸	فات
۱۰۱	فراست مومنہ کا نقد ان	۲۶	۲۱	ہیم انقران
۱۰۵	نیت تزکیہ نفس	۲۷	۳۸	سیرمودی
۱۰۸	اسلام کے تقاضے	۲۸	۳۹	کابیان
۱۱۰	قیاس مع الفارق	۲۹	۴۱	حیار
۱۱۱	آئیڈیل سوسائٹی	۳۰	۵۳	مرعی نہ سمجھنا
۱۱۲	وحی اور ہوا	۳۱	۵۴	
۱۱۳	قرآن کا دائرہ عمل	۳۲	۵۵	پہرہ
۱۱۴	اتباع وحی	۳۳	۶۸	رہ پر تبصرہ
۱۱۵	قرآن کا غلط ترجمہ	۳۴	۷۴	دقیبوں پر اعتراضات
۱۱۶	صفائی ظاہری یا باطنی	۳۵	۷۵	حقیقی سے بعد
۱۱۸	حق و باطل	۳۶	۷۷	تہجد
۱۱۹	سجدہ	۳۷	۷۹	سجود
۱۲۲	زیارت قبور	۳۸	۸۱	ارادہ اذعیبہ
۱۲۴	طوائف قبور	۳۹	۸۶	حق و خلوق میں تعلق

۲۲۲	۴۲	۱۳۰	خارجیت
۲۲۶	۴۳	۱۳۱	مسئلہ قربانی اور مرغا
۲۲۹	۴۴	۱۳۵	قربانی کی حقیقت
۲۵۵	۴۵	۱۳۷	اسلام کے دانا دشمن
۲۵۹	۴۶	۱۵۲	تمام مسلمان مشرک اور کافر؟
۲۶۱	۴۷	۱۵۹	سخ قرآن کے نمونے
۲۶۴	۴۸	۱۷۹	حکمت کی پہلیک
۲۶۴	۴۹	۱۸۱	مرغی سے انڈیا انڈس سے سی مرغی
۲۶۴	۵۰	۱۸۴	ماورن اسلام
۲۷۷	۵۱	۱۹۱	قرآنی نظریہ حیات
۲۷۸	۵۲	۱۹۶	معاندین حدیث و قرآن
۲۸۸	۵۳	۲۰۳	نبوت اور بشریت
۲۹۰	۵۴	۲۰۷	ختم نبوت
۲۹۳	۵۵	۲۰۹	صحابہؓ کا طی کاذب؟
۲۹۸	۵۶	۲۱۵	قرآن کا بھی انکار
۳۰۰	۵۷	۲۱۷	شراب اور منکرین حدیث
۳۰۲	۵۸	۲۱۸	ایک اور نکتہ
۳۰۳	۵۹	۲۲۳	خمر
۳۰۴	۶۰	۲۳۰	صلوٰۃ
۳۰۵	۸۱	۲۳۳	بنیاز، فاتحہ، سویم، چیلیم،

۴۱ شرک اور توحید

۴۲ استعانت و توسل

۴۳ نداء

۴۴ نذر اور نیاز

۴۵ دل کی موت

۴۶ حدیث نبوی میں تاویل

۴۷ اہانتِ رسولؐ

۴۸ غیر تقلدیت

۴۹ رسول کا علم

۵۰ اولیاء اللہ اور اعداء اللہ

۵۱ فقہ جدید

۵۲ غیر الشریکیت

۵۳ مقابلہ اور انحراف

۵۴ اہل مشاہدہ

۵۵ شرک کی حقیقت

۵۶ من دون اللہ

۵۷ غیر اللہ کو ولی بنانا

۵۸ عقیدہ آخرت

۵۹ حدیث نبوی

۶۰ شرک اور بدعت

یک من و نبر ستر قتل اند پر کار ادا سے چند
 دوائے بر صید کہ یک باشد و صیاد سے چند
 جاہلہ الحدوث فرقوں نے سواد اعظم سے کٹ کر ملتِ اسلامیہ کی روح
 اجتماعی کو کس بری طرح سے مجروح کیا ہے، کون نہیں جانتا۔ خارجیت، انجلیت،
 پرویت، دہائیت، قادیانیت کی ترکتوں سے نکلے ہوئے تیرا وہ تیر چوکی دشمن اسلام
 کے سینے میں پیوست ہونے کے بجائے، ہمیتِ ملتِ اسلام کے سینے کو چھلنی کرتے
 رہتے ہیں، یہ ان کی صدائے بازگشت ہے جو تاج کے صفحات میں وقتاً فوقتاً
 بلند ہوتی رہی ہے۔

اعتراض ہمارا مسلک نہیں ہے۔ اس لئے جو کچھ کہا گیا ہے وہ رفیع اعتراض
 کی غرض سے بطور "منع" کہا گیا ہے۔ اہل سنت و جماعت کے عقائدِ حقہ کا
 اس سے اظہار مقصود ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَحِبِّتْ الصّٰلِحِیْنَ وَاَسَدِّتْ مِنْهُمْ لَعَلَّ اللّٰهُ یُرِکَ قَسْبَیْ صِلَاحِکَ
 (امام شافعی)
 میں صالحین سے محبت رکھتا ہوں۔ حالانکہ خود ان میں سے نہیں ہوں، شاید
 اللہ تعالیٰ مجھے کبھی صالح بنا دے، علم و ادب کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ہم دیکھتے
 ہیں کہ اگلا بر علماء حق کی روش بارگاہِ نبوت و رسالت میں کس قدر مود بانہ ہے۔ سلف

عنا لجنین سے آئی گو کہ کتنی بے پناہ عقیدت ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ باوجود ہزار علم و فضل صاحبین کی جناب میں مذہب عقیدت کس انداز میں پیش کرتے ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس علم و فضل کے باوجود دو سال کا بل امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں گزارے، آلتساب فیض کیا۔ امام کی صحبت بابرکت میں ان کو کیا حاصل ہو۔ اس کے تاثرات اپنی کے الفاظ میں لولا سنتان لولا لک النعمان اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو لغمان ہلاک ہو گیا تھا۔ ایک دوہنیں لافرد واقعات اس قسم کے موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ علمائے حق ہمیشہ سلف صاحبین کی محبت میں سرشار رہے۔ ان سے دلیانہ عقیدت رکھتے تھے فکر و عمل کے ہر نقطہ پر ان کی قیادت کو پدایت سمجھتے تھے۔

وہ اپنے علم پر مشرور نہیں ہوئے ان کے نفس میں زیادتی علم نے عجب و نحوث پیدا نہیں کی، ان کا دامن دن عجب دیندار کے غبار سے پاک رہا۔ علوئے نفس، کبر نفس، اور فریب نفس سے وہ محفوظ رہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ انہوں نے سلف صاحبین کو محبت اور ادب کی نظر سے دیکھا، ان کے راستہ پر چلنے کی اللہ سے توفیق طلب کرتے رہے۔ پنجگانہ نمازوں میں ہمیشہ صراط المستقیم کے لئے دعائیں مانگتے ہیں ہر مسلمان میں صراط المستقیم کی طرف اللہ سے رہنمائی طلب کرتا ہے وہ صراط المستقیم کیا عمار؟ صراط الذین انعمت علیہم ان لوگون کا راستہ جو اللہ کی طرف سے صاحب نعمت ہیں۔ انعام یافتہ ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے انعام دیا ہے نعمتیں عطا فرمائی ہیں اپنی ہر باتوں سے نواز رہے۔ ان کے ناموں کی فہرست قرآن میں شائع کر دی گئی۔

بارگاہِ خداوندی کا اعلان
 مومن یطع اللہ والرسوا فاولئک
 مع اللذین انعم اللہ علیہم

من النبيين والصدّيقين والشهداء والصالحين -

دربار الہی کے انعام یافتہ نفوسِ قدسیہ کے خطاباتِ عالیہ

(۱) انبیاء (۲) صدیقین

(۳) شہداء (۴) صالحین

انعام یافتہ جماعت کے یہ چار طبقات وہ ہیں جن کے راستہ کو صراطِ المستقیم کہا گیا ہے وہی راہِ راست، وہی سپردِ عمار استہ جس کی آپ آرزو رکھتے ہیں۔ اور نمازوں میں خدا سے دعائیں مانگتے ہیں۔ کون نہیں جانتا راستہ پر چلنے کے لئے راستے کے نشیب و فراز سے مطلع ہونے کے لئے پرخطر گھاٹیوں اور دشوار گزار وادیوں سے گزرنے کے لئے رہنما کی ضرورت ہے۔ رفیقِ راہ کی ضرورت ہے۔؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے۔ الرّفیق شمر الطریق -

پہلے رفیقِ راہ کو اختیار کر دیکھو راستہ پر چلو؟ یہاں سوال پیدا ہوتا تھا کہ رفیق کس کو بنایا جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان طبقات کو گن گن کر اعلان کر دیا جن پر اس کی خوشنودی کی ہوا میں چلیں اور بن پر اس کی نعمتوں کی بارش ہوئی۔ اور اپنی کوہا کے لئے بہترین رفیق فرمایا۔ وحسن اولیئک من فبقا۔ نجر بہ شاہد ہے کہ اس شہر میں جہاں مٹکوں پر نام لکھے ہوئے ہیں۔ مکاناتوں پر نمبر پڑے ہوئے ہیں کسی خاص مکان پر پہنچنے میں۔ قدم قدم پر ہم کو راستہ بتلانے والے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ جب اس مادی دنیا میں ہمارے علم و عقل اور حواس کا یہ حال ہے تو یہ کتنی بڑی خود فریبی ہوگی کہ ہم سلوک الی اللہ کی منازل میں اپنے علم و عقل و حواس کو اپنا رہنما بنائیں۔ یقیناً یہ حرکت بے جا ہوگی۔ کیونکہ ناقص کا علم بھی ناقص ہوتا ہے۔ ناقص کی عقل بھی ناقص ہوتی ہے اور ناقص کے حواس بھی ناقص ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ اپنی معقولات معلومات اور محسوسات کے دائرے میں رہ کر بھی اس منزل پر نہیں پہنچ سکتا جو

علم و عقل سے ماڈر اور جو اس کی دسترس سے بالاتر ہے۔ کتاب و سنت کی رہنمائی سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کا دعویٰ کرنے والے بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان سے پہلے حضور کے نقش قدم پر چلنے والے صدیقین، شہیدین، صالحین فوجِ در فوج اس راہ سے نہیں گذرے ہیں، یقیناً ہم اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک نقش قدم پر سلف صالحین کی پیشانیوں کے اتنے نشان میں کہ آپ کا ہر نقش قدم راجع سلف صالحین کے نشان ہیں سے ہی جانا پہچانا جا سکتا ہے۔

پھر یہ جو کہا جاتا ہے کہ ہزار ہا براہِ راست کتاب و سنت سے تعلق ہے یہ رہنمائی کو کافی ہے۔ اول تو کلمہ تکبر ہے جو کبر نفس سے ناشی ہے۔ اس معنی میں کہ ہم اپنے علم و عقل کی صحت پر اتنا اعتماد کرتے ہیں کہ وہ علم الہی اور عقل نبوی پر محیط ہے اور یہ کہ ہم کتاب و سنت کا وہی مطلب سمجھ لیتے ہیں جو اللہ اور رسول کی مراد ہے اور یہ صریح جہل و پندار ہے۔ دوسری مذموم جہت اس دعوے کی یہ ہے کہ "اس طرح ہم حفظِ مراتب" اور آداب کی حدود سے تجاوز کر کے محض اپنے آپ کو فریب دیتے ہیں کہ ہم کسی اور کے نقش قدم پر نہیں چل رہے ہیں کسی اور کے پیرو نہیں ہیں۔ حالانکہ قرآن کو سمجھنے میں مفسرین سے استفادہ کرتے ہیں اور احادیث پر عمل کرنے میں راویوں کے ثقافت ہونے کا سہارا ڈھونڈتے ہیں۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ احادیث جو ہم تک پہنچی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ ہم تک پہنچی ہیں بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں یقیناً راویوں کے واسطہ ہی سے پہنچی ہیں۔ پھر قطع نظر اس سے کہ واسطہ ہمیشہ ذی واسطہ کا حجاب ہوتا ہے۔ یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ ہم جو یہ کہتے ہیں کہ ہم بنی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں۔ کسی اور کے پیرو نہیں ہیں صحیح نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ ہم کسی نہ کسی فرقہ اور کسی نہ کسی محدث یا راوی حدیث کے پیرو ہیں، خواہ تمام راویوں یا بعض راویوں کی ایک

کے اور بعض امور میں کسی دوسرے کے جواپنے آپ کو غیر مقلد کہتے ہیں۔ ہماری نظر میں سب سے زیادہ وہ اپنی تقلید ہیں۔ رسول کے نام پر ان کو ضعیف سے ضعیف روایت بھی ہاتھ آجائے تو وہ راوی حدیث ضعیف کے سایہ میں چلنا زیادہ پسند کرتے ہیں، پر زور قیاس اور قوی دلائل کی روشنی میں کامزن ہونا پسند نہیں کرتے۔ یہ تقلید اور پیروی انہیں تو کیا ہے یہ اور بات ہے کہ کس کی پیروی؟

تیسری جہت مذموم یہ خود رانی اور خود سری، یہ فکر اور رائے کی مطلق العنانی کیا ہے؟ صحابہ الذین انعمت علیہم کی تعلیم سے کھلی بغاوت ہے۔ عارف شیرازی نے کیا خوب فرمایا ہے۔

فکر خود و رائے خود، شربِ رندی نیست

کفر است در این مذہب خود بینی و خود رانی

اس لئے ہر مسلمان مومن باللہ کے لئے فلاح و صلاح اس میں ہے کہ وہ اپنے نفس کی اطاعت سے نکل کر اس راستہ پر آجائے جس کو صراطِ مستقیم کہا گیا ہے اور وہ صراطِ مستقیم ہے، صدیقین کی راہ ہے۔ شہداء اور صالحین کا فریق ہے۔

یہاں اللہ کا انعام ہے خوشنومی، ہے رضا ہے۔ امید ہے یا اوس نہیں، ہدایت ہے عنایت نہیں، خوشنومی ہے غضب نہیں، بشارت اور خوشخبری ہے خوف و حزن نہیں ہے۔

ایک ایسی فریب جس میں کچھ لوگ مبتلا ہیں وہ یہ ہے جس کا **خود ستانی** اعلان یہ لوگ یا رہا کرتے رہتے ہیں ہم مسلمان صالح اور سب مسلمان بے دین "خدا گواہ ہے کہ ہم جو کچھ لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں اس میں نہ تو کوئی انتقامی جذبہ ہے اور نہ اپنے علوئے نفس کے ہم طالب ہیں، نہ کسی پر ہمارا کوئی اعتراض محض اس نیت سے ہے کہ وہ ہم پر مسترغن ہوئے ہیں۔ ہمارا مقصد بھی

اس گرد و غبار کو دین کی قبائے جھاڑنا ہے جو عقائد صحیحہ کو چھپائے ہوئے ہیں۔ دین کے اصلی خط و خال نوڈھکے ہوئے ہیں۔ اس غبار کو دین کو چونکہ فی الحال مدبر فاران مسلمانوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

یہی دین ہے یہی صالحیت کا چولا ہے جو موردی صاحب کے جسم پر بالکل فٹ آتا ہے باقی اللہ اللہ خیر سلا۔ اس کے علاوہ تمام علماء و صوفیاء اور محدثین لباس دین کے عاری ہیں۔ نہ ان کے پاس لباس دین ہے نہ جامہ صالحیت۔ یا پھر اگر کہیں ہے ہمیں تو اس لباس دین پر عجیب رنگ ہے، ہندی کشیدہ کاری ہے۔ یا مسجیت کے نقش و نگار ہیں یہودیت کی قطع و برید ہے۔ مجوسیت کی خیاطی ہے۔ فلسفہ کے تار و پود سے اس کا تانا بنا ہے، اسلام سے اس کو دور کا واسطہ بھی نہیں۔ مدبر فاران کا زعم ہے کہ اسلام سیدھا سادا مذہب ہے اس کا اصلی رنگ وہی ہے جو تودودیت کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کتنا بڑا فریب اور مقدس فریب ہے جس میں یہ لوگ مبتلا ہیں اور دوسروں کو بھی مبتلا کرنا چاہتے ہیں کتنی سادگی سے کتنی بڑی بات کہی گئی۔

کَبِئْرٍ صَفْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اِسْلَامٌ سِبْدًا سَادًا مَذْهَبٌ هُوَ "کے معنی کے دستوں پر ذرا غور کیجئے اور ان کی ہلاکت آفرینیوں کا تصور کیجئے۔ ان الفاظ کے سینے والے کاؤٹن کیان امیر کی طرف منتقل نہیں ہوتا؟

(۱) ہر عامی سے عامی جاہل سے جاہل ہر تھو خیر جس پتیر کو دین اسلام سمجھ بیٹھا ہے

دین اسلام کی سادگی

وہ دین اسلام ہے۔

(۲) اگر کوئی عالم دین اس کو دین کی صحیح تعلیم سے مطلع کرنا چاہے تو وہ یہ

کہنے کا حق رکھتا ہے کہ اسلام سیدھا سادا دین ہے۔ تمہاری عالمانہ روش گائیوں

کو میں نہیں مانتا۔

۱۳) موفی کل ذی علیہ علیہم کا انکار اللہ کے اسم رفیع الدرجات کا انحراف و اسناد
 اهل الذکر ان کتروا تعلمون کی ظان درزی انما یجشی اللہ من
 عبادہ العلباء سے بغاوت اور اہل بیستہ الذین یعلمون کے
 کے دو ٹوک خدائی فیصلہ سے رد گردانی اور گرفتہ مراتب تکئی تزییفی کا مصداق کیوں جتنا
 ان یتفقہو فی الدین خدا کا حکم نہیں ہے۔ من یوتی الحکمۃ فقد
 اوتی خیرا کثیرا قرآن کا اعلان نہیں ہے۔ دین میں سمجھ عطا کرنے کی عا
 رسول اللہ نے حضرت عباس کو نہیں دی کیا یہ دعا نہیں فرمائی تھی کہ اللہ اس کو دین
 میں سمجھ عطا فرما، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ جس کو اللہ تعالیٰ بھلائی
 عطا فرمانا چاہتا ہے اس کے دین میں سمجھ عطا کرتا ہے، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ
 نہیں فرمایا کہ مومن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کے حضور میں جبریل علیہ السلام نے وحی کلمی کی صورت میں "اسلام، ایمان اور
 احسان کے مراتب بالتفصیل تعلیم و تعلما تم تک نہیں پہنچائے؟

پھر یہ ایک لکڑی سے سب کس طرح بانٹا جا رہا ہے؟ ایمان اور انصاف سے
 کتاب و سنت کا مطالعہ کیجئے۔ مودودیت کی عینک اتار کر دیکھتے فرقی مراتب انظر من
 ہے۔ رسول اللہ کی صفات میں یعلم ہر کتاب پر وقت لازم نہیں و احکامہ
 پر وقوف لازم ہے۔ اس پر بھی ایمان لائیے۔ قرآن کے ایک جملے اور ایک آیت کا منکر
 بھی بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ پورے قرآن کا منکر یہ جرات مجرمانہ دین کے ساتھ لعب
 دل کی موت اور بعیرت و روحانیت کا فقدان ایک لمحہ کے لئے بھی "دین اسلام" ان
 انکار باطلہ عقائدہ فاسدہ اوہام ناقصہ و سادس شیطانہ کا استعمال ہو سکتا ہے؟

صحابہ کبار رضی اللہ عنہم جمعین کی روش دین کے معاملہ میں کیا تھی؟ جانتے والے
 جانتے ہیں ان سے زیادہ دین کو سمجھنے کا حق کس کو پہنچتا ہے؟ بتاؤ؟ ان کی پوری زندگی

میں سے کوئی ایک مثال بتاؤ۔ جہاں انہوں نے دین کو سیدھا سا داسمکھکرا اس کا استحقاق کیا ہو یا اس کی اہمیت و عظمت کے درجاتِ عالیہ سے اس کو متنزل کیا ہو؟ ان کی فہم صحیح اور فراستِ مومنہ پر کس کو شبہ ہو سکتا ہے؟ مگر ثابت ہے کہ بارگاہِ نبوت میں انہوں نے کبھی اپنا علم پیش نہیں کیا۔ وہ ترقی پذیر ذوقِ علمی کے دلدادہ تھے۔ ہمیشہ اعلیٰ سے اعلیٰ کو طلب کرتے تھے۔ علم کو عظیم ہی سے مستند فرماتے تھے۔ ہر مسئلہ میں عرض کرتے اللہ فرما سولہ اعلم اللہ اور اس کے رسول آپ ہی بہتر جانتے ہیں۔ یہی آیت مبارکہ بعلمہم الكتاب والحکمة سامنے رکھئے اور احادیث کا مطالعہ کیجئے۔ سورہ بقرہ جہاں عام تفسیر وہاں خاص خاص مستند طالبِ علموں کو دو دو سال کا لکڑی بقرہ کی حکمتوں کی تعلیم فرمائے جانے کا اختصاص بھی تھا یہ فرق مراتب نہ ہو تو واللہ یختص برحمته من یشاء کے پھر کیا معنی ہوتے۔

جب آیت مبارکہ والذین لم یلبسوا ایمانہم بظلم نازل ہوئی تو احادیث کا مطالعہ کیجئے معلوم کیجئے صحابہ کبار کے علم کا کیا حال تھا؟ پھر دیکھئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لقمان علیہ السلام کے قول (یا بنی کا تشکر باللہ ان الشکر لظلم عظیم) اس آیت کی تفسیر فرما کر لفظ ظلم کے معنی سمجھائے جو اللہ و رسول کی مراد تھی۔ (البخاری)

پھر کس قدر تعجب کی بات ہے کہ وہ لوگ جن کا علم مشتبہ اور تقویٰ غیر یقینی ہے خود معترف ہیں بقول "یدیر فاران"۔

ہم نہیں کہتے کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں وہی حق ہے۔ (فاران)
فراستِ مومنہ اور علم صحیح سے محروم علوم باطنی سے مجبور مشکوٰۃ نبوت سے انکی نسبت منقطع اور علوم ظاہری سے ان کا ربط مجہول ہے۔ وہ جبار دین کے علم بردار اور تہذیبِ اسلام کے اجارہ دار بنتے ہیں۔ یہ کبھی نفس نہیں تو کیا ہے؟ ضلالِ مسین نہیں تو

کیا ہے۔ **اِنْ يَتَّبِعُونَ اِلَّا الظَّنَّ** (القرآن) وہ وہم و گمان کا ارتجاع کرتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ اسلام کو دینِ فطرت کہا گیا ہے مگر ہم نہیں مانتے کہ دینِ فطرت کا مطلب یہ ہے جو اس کو سپردِ صاحبِ ساد ایتلا کر اپنی "مشوقِ طبع" کی زلفِ گرہ گیر کے پیچ و خم کا اسیر سمجھتے ہیں۔ یہ خود پرست لوگ اپنی طبیعت کو فطرت سمجھے ہوئے ہیں۔ اپنی افتادِ طبع کو فطرت کہتے ہیں۔ اپنے مزاج اور مذاق پر فطرت کا حکم لگانے والے ہیں۔ کیا ہم نہیں دیکھتے کہ دینِ فطرت کی غلط تعبیر کا نتیجہ "نیچری فرقہ" کی صورت میں مسلمانوں کے سامنے ہے؟

ہمارے نزدیک دینِ فطرت کی یہ تعبیر ہے کہ

فطرة الله التي فطر الناس عليها۔ فطرتِ انسان فطرتِ الہیہ پر واقع ہوئی ہے۔ عرش سے فرشتہ پر فیضان ہوا ہے۔ بلند ی نے بستی کو نوازا ہے، عروج نے نزول کو سرفراز فرمایا ہے۔ مولانا نے بندوں کو اپنا خلیفہ اور نامزدہ بنا کر دنیا میں بھیجا ہے۔ باقی نے فانی کو اپنے سما و صفات کا امین بنایا ہے۔ حیات۔ علم۔ قدرت۔ ارادہ۔ سمیع۔ بصیر۔ کلام۔ صفاتِ الہیہ میں یہی صفاتِ الہیہ بنیائے خلافتہ امانتہ ہم کو عطا فرمائے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم زندہ ہیں (حالانکہ اللہ کی صفت ہے "حیات" اور اس کا نام حسی ہے) ہم کہتے ہیں کہ ہم عالم ہیں یا ہمیں علم ہے (حالانکہ علم صفتِ حق ہے اور علم اللہ ہی ہے) ہم کہتے ہیں کہ فلاں صاحب قادر الکلام ہے (حالانکہ قدرت اور کلام دونوں صفاتِ حق ہیں اور وہی سمیع و بصیر ہے)۔

ان صفاتِ الہیہ کو اپنی طرف منسوب کرتے وقت ہمارا کیا خیال ہے؟ یہ دیکھنا چاہیے کہ مسلمہ طور پر ہم میں سے کچھ لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ صفات ہماری اپنی صفات ہیں۔ ہماری ذات کے ساتھ یہ صفات مستقل طور پر قائم ہیں۔ ایسے لوگ فطرت کی شاہراہ سے ہٹ گئے۔ اپنی طبیعت کے بندہ ہر میں اندر چھوڑ کر گئے۔

ان کی فطرت مسخ ہو گئی۔ یہ مسموخ الفطرت ہیں۔ عطارِ شرع میں ان کو
 مشرک کہا جاتا ہے اور ان کی خود پرستی، خود بینی، خودی و خود ستائی کو شرک فی العنا
 سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان کا وجود ان کی زندگی پوری کی پوری شرک میں۔ جبکہ وہ
 خود کو "تو" اعتقاد کرتے ہیں اسی پر ان کی تمام صفات کو قیاس کیجئے۔

اس کے برعکس وہ صحیح الفطرت جو ان تمام صفات الہیہ کو اپنے حق میں عطاء الہی
 یقین کرتے ہیں۔ خانہ زاد نہیں سمجھتے۔ امانت الہیہ اعتقاد کرتے ہیں۔ وہ ان تودد
 الامانت الیٰ احسنھا (القرآن) وہ صحیح الفطرت انسان اللہ کے اس غیر مبہم اور
 واضح حکم کی ظاہری و باطنی تعمیل میں معروف ہیں۔ وہ ایمان رکھتے ہیں کہ تمام صفات
 جو مخلوق میں پائی جاتی ہیں وہ اللہ کی امانت مقدسہ ہیں اور امانت جس کی ہو وہی اس کا
 اہل و مستحق ہے کہ اس کو ادا کی جائے یہ حیانت ہوگی کہ جو صفات خدا نے تم کو عطا کی ہیں
 ان پر تم اپنی ملکیت ثابت کرو، مالک ہونے کا دعویٰ کرو، مالکِ دیانت اور امانت یہ
 ہے کہ یہ کہو جو خدا نے اپنے رسول کی زبان سے کہا ہے۔

قُلْ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ یعنی اے محمد آپ
 کہہ دیجئے کہ میں اپنے نفس کی طرف اپنی ملکیت کی اضافت نہیں کرتا۔ نہ از روئے نفع نہ
 از روئے ضرر یہ تمام امور مشیت الہی کی طرف منافی ہیں مطلب یہ ہوا اَمْلِكُ لِنَفْسِي
 نَفْعًا وَلَا ضَرًّا مَا شَاءَ اللّٰهُ۔

ایسے نا فہم مسلمان بھی ہیں جو اس آیت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے
 اختیاری کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے ہم نے ابھی
 اوپر کہا ہے کہ جو صفات خدا نے بندوں کو امانت عطا کی ہیں ان پر ملکیت کا دعویٰ
 امانت و دیانت کے خلاف ہے اس کو ذہن میں رکھئے۔ پھر اس آیت کو سمجھئے
 انشاء اللہ رہتمانی ہوگی جس کا مطلب ترجمہ ایجابی میں یہ ہے کہ ما شاء اللہ بھو نفع و

ضرر کا اختیار ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ رسول اللہ صادق و امین ہیں۔ ہمارا
 تو ایمان ہے خود کفار عرب نے بھی آپ کے صادق و امین ہونے کا اعتراف کیا ہے پھر
 ایسے امین معصوم سے کیا کوئی شخص یہ توقع رکھ سکتا ہے کہ خدا نے اس کو جو کچھ بطور امانت
 عطا کیا ہے اس پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کرے، حاشا وکلاً، ہرگز نہیں بچھردیکھو نفس
 کے کیا معنی ہیں؟

علمائے امت یہاں سے اکثر سناخیاں ہے کہ روح اور نفس بہت سے معنوں میں
 مشترک ہیں، اگر وفات اور جان کا قبضہ یا جان نامراد یا جائے تو نفس اور روح دونوں
 مترادف الفاظ ہیں۔ اور ایسے دو نام ہیں جن کا معنی ایک ہی ہے جیسا کہ قرآن میں آتا ہے
 یا ایٹھا النفس اطعمہ اس حیٰ الخ یا حیے کل نفس ذائقۃ الموت
 اہل عرب کا محاورہ ہے جب کوئی مر جاتا ہے تو کہتے ہیں فانت نفسہ۔

نفس کا اطلاق جسم پر اسکی عبیت کے ساتھ ہوتا ہے مثلاً اصابت نفسہ
 ای عین نفس کا اطلاق ذات پر ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں وارد ہوا ہے حتیٰ تنسلمو
 علی النفسکم یا حیے ولا تقتلوا نفسکم خون کے معنی عین نفس کا استعمال
 ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے ما لا نفس لہ سائلہ اطلاق ذمہ پر بھی نفس
 کا اطلاق ہوتا ہے ان النفس الامارۃ بالسوء اساذالفا سم قشیری رحم
 فرماتے ہیں نفس شے لقت میں اس شے وجود کو کہتے ہیں۔

اس تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ لا املك لنفسی میں نفس کے معنی وجود ہی کے
 متعلق ہوتے ہیں۔ پھر آپ کا اپنے وجود میں مالکیت کی نفی فرمانا مالکیت کی نفی فرمانا اور متعلقاً
 وجود یعنی نفع و نقصان کی اضافتوں کو اپنے وجود کی طرف مضاف نہ فرمانا مالکیت ہی کے
 مندرجہ کا کتنا اعلیٰ ترین مقام ہے؟۔ فنانے نفس اور بقائے بالحوہ کا ایسا ارفع ترین مرتبہ
 ہے؟ نبی صادق و امین کے کمال دیانت و امانت کا کیسا بدین ثبوت ہے؟ آپ کا صفا

سے موصوف ہونا اخلاقِ الہیہ سے متخلق ہونا جو دحق سے موجود ہونا اس آسمانی اعلان سے
 کتنا نمایاں ہو رہا ہے۔ رسول کی عزت و وقار کو سد مہ پہنچانے والے آپ کو ایذا دینے والے
 آپ کی بے اقتداری اور بے اختیاری کے گرداب میں پڑ گئے ہیں اور آپ کے استخفاف
 و استحقار کو دین اور اسلام سمجھتے ہیں حالانکہ مسلمان تو خدا کی طرف سے اس کام پر مامور ہیں
 لعنہ من و لا یتوقسوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظمت و وقار محفوظ
 رکھیں : اگر قلب سلیم اور چشم بصیرت ہو تو اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت
 کو واضح فرمایا ہے جو قریب فراموش و قریب لوافل کی بنیاد ہے۔ صابر ایت اور بی لیسع الخ
 اور یہ کہ وہی مالک ہے الملائک اللہ کا نام ہے۔

(۲) وہی نافع ہے النافع اللہ کا نام ہے۔

(۳) وہی ضار ہے الضار اللہ کا نام ہے۔

جس دنیا میں ہم آباد ہیں کیا ہم نہیں دیکھتے کہ ہر شخص کچھ نہ کچھ تھوڑی بہت زمین
 جائداد مال و متاع اثاثات البیت سامان اسباب اپنے پاس رکھتا ہے، پاس رکھنے
 کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جیب میں لے پھرتا ہے یا سر پر اٹھائے یا پیٹھ پر لادے پھرتا
 ہے مطلب یہ ہے کہ اس کو اپنی ملکیت سمجھتا ہے خود کو مالک سمجھتا ہے۔ حالانکہ مالک
 اکبر الہی ہے۔

اس طرح ہمارے دن مشابہہ ہے کہ ہم تاثیراتِ اشیاء کے قائل ہونے
 کے علاوہ ان اشیاء کے ساتھ نفع و ہرز کی نسبت بھی کرتے رہتے ہیں خصوصاً
 طب اور ڈاکٹری "ہیں تو نفع و نقصان کی نسبت معالج اور مرہن ددلوں ہی
 دواؤں کی طرف نہ کریں تو کام ہی نہیں چل سکتا معالج یہ سمجھ کر دوا تجویز کرتا ہے۔
 کہ نافع ہوگی مرہن اس یقین کے ساتھ دوا استعمال کرتا ہے کہ نافع ہوگی۔ اگر دوا
 سے فائدہ ہو تو شفا کی نسبت بھی ندر اسیر نافعہ کی طرف ہی کی جاتی ہے۔ پھر خدا

کو اہل مالک النافع۔ الفناثر، اعتقاد کرنے والو اپنے دلوں کو ٹولو، اپنے نفسوں کی جائزہ لیا اور خدا لگتی ہو گیا اہل مالک، النافع، الفناثر کا عقیدہ و پیدائش عمل میں منتر کی حیثیت میں کبھی اور پیدائش کی ثابت کر سکتے۔ الا انسان علی نفسہ لہدیٰ کر
 قولہ لقیما معہا (یسع) تم خدا کو الکی سمجھتے ہو۔ ساتھ ہی ساتھ نہ صرف خود کو بلکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی "ملکیت" کا مالک ضرور سمجھتے ہو۔ تم خدا کو نافع سمجھتے ہو ساتھ ہی ساتھ دواؤں و عیلم کو تجارت کو نافع اور ملازمت کو نافع سمجھتے ہو تم خدا کو ضار سمجھتے ہو ساتھ ہی ساتھ درندوں کی گزندوں زہروں کو ضار سمجھتے ہو۔

بہ ضرورہ کوئی حد ہے جہاں تم نے لیکر کھینچ رکھی ہے کہ یہ خدا اللہ کی مالکیت کا ہے اور یہ دائرہ غیر اللہ کی مالکیت کا ہے۔ یہ خدا اللہ کے نافع ہونے کی ہے۔ یہ خدا اللہ کے الفناثر ہونے کی ہے اور یہ غیر اللہ کے ضار ہونے کی ہے۔ پھر یہ بتاؤ کہ تم نے جو حدیں مقرر کر رکھی ہیں کہ یہاں تک اللہ مالک یہاں سے غیر اللہ مالک یہاں تک خدا نافع و ضار یہاں سے غیر اللہ نافع و ضار یہ حدیں یاں شرک سے بچنے کے لئے کی گئی تھیں وہی تم کو منتر کی کفر تک لے آئیں۔ تم نے "معیط کل" کو محدود خیال کیا۔ صلی کل شیئی بقیدہ کو اپنی حدود میں لپی کر کے تم نے اللہ کے احاطہ اور قدرت کی نفی کی۔ اس کے لئے غیر ثابت کیا۔ اس طرح شرک فی التاثر شرک فی الاعدال شرک فی الصیفات کے تو عامل تھے ہی کفر کے بھی قائل ہو گئے۔ لہذا باللہ منہا۔ جواب دو دو نفع کرو تمہارا یہ کیا عقیدہ ہے کہ حیات، عظم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام، مالکیت، نافعیت، ضاریت، کو تم اللہ کی صفات بھی کہتے ہو اور اپنی غیر اللہ کی صفات بھی اعتقاد کرتے ہو یہ شرک نہیں تو کیا ہے؟ شرک نہیں تو کیوں نہیں؟

جواب میں زیادہ سے زیادہ جو کچھ کہا گیا ہے یا کہا جا سکتا ہے۔ وہ یہی کہ اللہ کی حیات کا مثل اور غیر اللہ کی حیات ناقص ہے۔ اللہ کا علم کامل ہے غیر اللہ کا علم

Marfat.com

ناقص ہے۔ اللہ کی قدرت کامل ہے غیر اللہ کی قدرت ناقص ہے، اللہ کا ارادہ کامل ہے غیر اللہ کا ارادہ ناقص ہے غیر منبک تمام صفات اللہ کے ساتھ کہاں صفات سے منسوب ہیں بس اس سے زیادہ تم چو نہیں کہہ سکتے۔

یہ نفس صفات کو خالق و مخلوق میں مشترک نانا۔ پھر نفس اور کمال کے اعتبار سے خلق و خالق میں صفات کی یہ تقسیم ہی شرک کا سرچشمہ ہے یہی شرک فی الصفات کا نظر ہے بس اس سے شرک فی الافعال، شرک فی التاثیر، شرک فی الحکم کی صورتیں پھوٹی ہیں۔ اور آخر کار کفر و طغیان کا انہیں سبب بنتے ہیں۔

اس عقیدے کی تباہ کاری ہے کہ اس خیال کا انسان اس وسیع کائنات میں جہاں ہا سوائے اللہ کی نفی اور اللہ کا اثبات پر مامور ہیں۔ اس کے برعکس وہ غیر اللہ کا اثبات کرتا ہے۔ فکر و نظر کی ہر منزل میں دیدہ و دانش کے ہر مقام میں علم و آگہی کے ہر مرتبہ میں وہ غیر اللہ کو چاہتا ہے۔ غیر اللہ کو پہچانتا ہے خواہ زبان سے کہتا رہے کہ میں اللہ کو ماننا ہوں مگر وہ اللہ کو مانتے والا ہے نہ اللہ کا جانتے والا ہے۔

عراق ذات

ذات کے لحاظ سے معرفت الہی متنوع ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت ہے۔ لانتفکرو بذاتہ معرفت الہی یا اعتبار صفات قابل حصول ہے۔ جیسا کہ وارد ہوا ہے **لانتفکرو** فی صفاتہ گھڑی بھر کے تفکر کو ستر سال کی عبادت سے بترانا گیا ہے۔ قرآن میں جا بجا تشکر و تہنیت کی دعوت دی گئی ہے۔

رفاق صفات

صفات الہی میں تفکر کا نتیجہ معرفت الہی ہے معرفت الہی تخلیق جن داس کی غایت ہے جیسا کہ قرآن میں ہے۔ وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون ليعبدون فی

نہی حضرت ابن عباسؓ نے یہ عرفون سے فرمائی اور ایک روایت میں یہ یوحنا دُن
 یے تفسیر ہے۔ وحدت یا اس معرفتِ الہی کا نتیجہ؟ فکر و نظر میں ایک ایسا انقلاب رونما
 ہوتا ہے کہ معرفت سے پہلے وہ اشیاء کو جانتا تھا اور اشیاء کو پہچانتا تھا،
 بنیاد کو دیکھتا تھا مگر معرفت کے بعد اس کا پچھتاہٹا پہچانتا دیکھتا خالق اشیاء کی طرف
 راہ کرتا ہے۔ اس معرفتِ الہی کی اقسام کی کوئی انتہا نہیں۔ الطرق الی اللہ
 سدا الناس الخلاق۔ ہر انسان اپنے رب سے جدا گانہ نسبت رکھتا ہے
 انسان سرور و انا منہم۔ انسان میرا بھید ہے اور میں اس کا بھید

۱۰

اے ترا با پہلے رازِ دگر ہر گیارا بدت نازِ دگر
 لیکن جو عرفات کا ٹکڑہ ہے وہ اپنے مغہبہ کے اعتبار سے دو نظر رکھتا ہے۔
 نبوت کی نظر (۲) ولایت کی نظر

نبوت کی نظر پہلے اشیاء پر پڑتی ہے پھر خالق اشیاء پر ولایت کی نظر پہلے
 تا اشیاء پر پھر اشیاء پر۔ اس کی تائید ان اقوال سے ہوتی ہے۔

قال ابو بکر ما رأیت شیئا الا فرس آیت اللہ فیہ ط

حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ میں نے کوئی شے نہ دیکھی مگر یہ کہ اس شے میں
 دیکھا۔ اس قول سے ظاہر ہے کہ پہلے شے کو دیکھا پھر شے میں خدا کا مشاہدہ کیا
 ت کی نظر اس لحاظ سے ہے کہ نبوت توجہ الی الخلق کی بہت ہے۔

دوسری نظر قال علی علیہ السلام ما رأیت شیئا الا اللہ۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں میں نے کوئی شے نہ دیکھی مگر یہ کہ اللہ کو دیکھا۔ یہ
 ت کی نظر جو صرف اشیاء میں مشاہدہ کو دیکھتی ہے۔ اور خالق اشیاء سے محجوب
 ہے۔ اس کو پہلے دیکھتا ہے نہ پہلے دیکھتی ہے۔ یہ کافرین کا مشہد

سچان کو اس وسیلہ دنیا میں ہر چیز نظر آتی ہے۔ مگر وہ نظر نہیں آتا جو ان خردوں کا پسیدہ کرنے والا ہے۔

اس تعجیل کے بعد تمہیں اپنا مشہد سمجھتے ہیں اسانی ہوگی سمجھو اور اپنی علم عرفان اور مشاہدہ کا جائزہ لو۔

اللہ تعالیٰ کے اسمائے شہداء کے مراتب لاتعداد اولیٰ کھٹے ہیں۔ اللہ پر ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ اس کے تمام اسمائے شہداء پر ایمان لایا جائے۔ امانت باللہ کہا جھو باسمائے وصفائے میں اللہ پر ایمان لاتا ہوں جیسا کہ وہ اپنے اسمائے صفات اور صفات کے ساتھ ہے۔

ایک صفت کا منکر ایک اسم کا منکر ایسا ہے جیسا کہ تمام اسمائے صفات کا منکر۔

پھر کس قدر تعجب اور حیرت کا مقام ہے کہ ناواقف قرآن آج قرآن کی تفسیر میں لکھ رہے ہیں۔ ناآشنائے حدیث دھڑا دھڑا حدیثیں پیش کر رہے ہیں۔ ناآشنائے اسلام اچار اسلام کے تدگی ہیں۔ ناآشنائے دین اقامت دین کے علمبردار ہیں۔ ہاں ایک بات اور رہ گئی کہ اصحاب قبور میں صدیقین کے متعلق مودود صاحب کیا فرماتے ہیں؟ جو مرتبہ میں شہداء سے پہلے اور نبی کے بعد ان سے متصل ہیں۔ اور جب انبیاء سے لے کر شہداء تک کی طرف ہماری توجہ بیدار ہونے سے من دون اللہ کی زد سے باہر ہیں۔ صرف ایک گروہ رہ گیا صالحین کا جن کے متعلق مولانا مودودی صاحب اہل حق سے جھگڑا سکتے ہیں تو یہ ہے اس کا قبضہ ایک جملہ میں چکا دیا جاتا ہے وہیہ کہ صالحین از روئے قرآن ایک مفہوم کلی ہے جو انبیاء کو بھی شامل ہے۔ صدیقین کو بھی شامل ہے۔ شہداء کو بھی شامل ہے۔ لہذا صالحین بمعنی عام اہل حق کے لے کر توجہ ہو سکتے ہیں۔ اس کے بعد تفہیم القرآن کا اقتباس جو مدیر دارالافتاء بطور سند پیش

نیابے۔ درج کرتے ہیں اور اس پر تحقیقی نظر ڈالتے ہیں۔

والذین
فہم القرآن! ایدعون
من دون اللہ لا یخلفون
شیئاً و کفر بخلقہ من اموات
فیس احیاء ما لیشھرون اجات
یبعثون والحق

اور وہ دوسری ہستیاں جنہیں اللہ کو
پھوڑ کر لوگ پکارتے ہیں وہ کسی چیز
کی خالق نہیں ہیں بلکہ مخلوق ہیں۔ مر وہ
ہیں نہ کہ زندہ اور ان کو کچھ معلوم نہیں
ہے کہ انہیں کب دوبارہ زندہ کر کے
اٹھایا جائے گا۔

یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ یہاں خاص طور سے جن ناوٹی مصدقوں کی تردید
لی جا رہی ہے وہ فرشتے یا جن یا شیاطین یا انگریزی پتھر کی مورتیاں نہیں ہیں بلکہ اصحاب پتھر
ہیں۔ اس لئے کہ فرشتے تو زندہ ہیں ان پر اموات غیر احیاء کے الفاظ کا اطلاق نہیں
ہو سکتا اور لکڑی پتھر کی مورتیوں کے معاملے میں بعث بعد الموت کا کوئی سوال نہیں ہے
اس لئے ما لیشھرون اجات یبعثون کے الفاظ انہیں بھی خارج از
بحث کر دیتے ہیں۔ اب لا محالہ اس آیت میں الذین ایدعون من دون اللہ
سے وہ اٹھائے جائیں اور دوسرے غیر معمولی انسان ہی مراد ہیں جن کو عالی مقدرین و اتا،
مشکل کشا، فریاد رس، غریب لو، آواز اور گنج بخش اور نہ معلوم کیا کیا قرار دے کر اپنی حاجت
رسانی کے لئے پکارنا شروع کر دیتے ہیں صفحہ (۳۰) فاران اگست

اقتباس نفیم القرآن (مودودی)

اس عبارت سے مودودی مستنبط ہوئے ہیں۔

(۱) من دون ان کہتے ہیں کہ فرشتے یا جن یا شیاطین یا انگریزی پتھر کی
مورتیاں مراد نہیں ہیں۔

(۲) وہ کہتے ہیں کہ فرشتے اور شیاطین تو زندہ ہیں ان پر اموات غیر احیاء کا اطلاق

نہیں ہو سکتا۔ اور اپنی اس عقیدت کی بنا پر کہ شیاطین تو زندہ ہیں، انبیاء اور
 صالحین کو وہ مردہ اعتقاد کرتے ہیں بعثت اموات غیر اجاوا کا مصداق کہتے ہیں
 (۳) وہ کہتے ہیں کہ لکڑی اور پتھر کی مورتیوں کے معاملہ میں بعث بعد الموت کا کوئی سوال
 نہیں ہے۔

(۴) مایشعرون ایاک یبعثون کے الفاظ مورتیوں کو خارج از بعثت
 کر دیتے ہیں۔ یہ ان کا زعم ہے۔

(۵) وہ کہتے ہیں یہ قرآن کے الفاظ صافات بتا رہے ہیں کہ یدعون من دون اللہ
 سے مراد اصحاب قبور ہیں۔

(۶) وہ کہتے ہیں لامحالہ اس آیت میں الذین یدعون من دون اللہ سے
 مراد وہ انبیاء صالحین اور دوسرے غیر معمولی انسان ہی ہیں۔

(۷) وہ کہتے ہیں کہ انبیاء صالحین غیر معمولی انسان داتا، مشککتا، فریادرس،
 غریب لہزاز، اور گنج بخش سے استعانت یدعون من دون اللہ

کا مصداق ہے۔ ۱۶۲۹۹

دیکھنا یہ ہے کہ یدعون من دون اللہ سے مودودی صاحب نے
 انبیاء و صالحین مراد لئے ہیں۔ یہ کہاں تک صحیح ہے۔ یدعون من دون اللہ
 سے کیا مراد ہے؟ ہم اس سلسلے میں تفسیر کبیر کی اہل عبارت نقل کرتے ہیں۔

ان لا یسماذکات ذالک **ترجمہ**۔ بالخصوص جبکہ
 اذکات ذالک ایضاً **یہ موجود معبود محض پتھر ہے جو فہم و ادراک**
 یقدر والہذالوجہ قال **سے بے پیرہ قدرت و اختیار سے**
 بعد تلك الاية فمن **محروم ہے اکا وجہ سے اللہ رب العزت**
 یخلق کمین لا یخلق افلاکاً **نے اس آیت کے بعد فرمایا۔**

هذ لا الاضام جادات
 محضه قلیس لها فهم
 ولا قدس ولا اختیاس
 فکیف تقدرون علی
 عبادتها وکیف تجزون
 الاشتغال بخدمتها
 وطاعتها اللهم ارجل یشون
 بها یعنی الهمه التي قد
 شها حالهم مخطئه عن
 حال من لهم ارجل واند
 واذ ان وقتلوب لا نسهم وهو لا
 احیاء وهم اموات فکیف
 یصحهم منهم عبادتها
 (تفسیر: امام خردالدین رازی ج ۵ ص ۲۲۶)

ترجمہ

بالخصوص جب کہ یہ موجود مسموم و مسموم
 پتھر ہے۔ جو نہم و ادراک سے بے بہرہ
 قدرت و اختیار سے محروم ہے۔ اسی
 وجہ سے اللہ رب العزت نے اس
 آیت کے بعد فرمایا :-

ان من یخلق لہا یخلق اولاد
 تن کرون کیا پیدا کرنے والا اور کچھ
 بھی نہ پیدا کرنے والا کیساں ہو سکتا
 ہے کیا تم اس بات کو نہیں سمجھتے کہ
 یہ لکڑی پتھر کی مورتیاں یہ تم سے اور
 یہ بتائیں انہما محض جادات ہیں
 نہ تم نہیں فہم و شعور ہے نہ انہیں قدرت
 اختیار ہے تعجب ہے کہ تم کس طرح انکی
 پرستش اور عبادت کی طرف قدم
 بڑھاتے ہو، حیرت ہے کس طرح انکی
 طاعت و خدمت میں مشغول رہنے
 کو جائز سمجھتے ہو۔ کیا ان کے چلنے کو
 پاؤں ہیں؟ یعنی یہ مورتیاں جن کی تم عبادت
 کرتے ہو اور جسکو سمجھ کر انہیں پکارتے ہو
 اتنے گئے گذر رہے ہوئے ہیں کہ تمہارے
 مقابلے پر یا بھی گئے ہوئے ہیں ربت پرستوں
 کے تو ہاتھ ہیں پاؤں ہیں کان ہیں نگہیں ہیں
 دل ہے کہ چونکہ وہ زندہ ہیں۔ اور یہ لکڑی پتھر
 کی مورتیاں محض بے جان بے روح ہیں
 ہیں انکی پرستش نادانی ہے۔

(تمام ہوا ترجمہ تفسیر کبیر)

اب دیکھتے تفسیر ابن کثیر میں یہ دعوت من دون اللہ کے کیا معنی بتائے گئے ہیں۔ بقول مودودی صاحب اصحاب قبور "انبیاء اور اولیاء مراد ہیں یا نہیں ملاحظہ ہو۔"

(۲) ثم اخبر ان اصنام الہی قد دعوتہا من دون اللہ لا یخلقون شیئا وھم یخلقون۔

پھر یہ واضح کر دیا گیا کہ اصنام، مورتیاں جنہیں خدا کے سوا لئے تم پکارتے ہو وہ کسی چیز کے خالق نہیں۔ وہ تو مخلوق ہیں۔

آپ نے دیکھا یہ دعوت من دون اللہ کے معنی ابن کثیر نے بھی "مورتیاں" اصنام بیان کئے ہیں۔ اب دیکھئے اہمات عن صاحب بقول مودودی صاحب نبی ولی صالحین مراد ہیں یا کیا؟ ابن اثیر فرماتے ہیں۔

وقولہ اصوات غیر احیاء ای اور اصوات غیر اجیاد یعنی مردے ہیں نہ کہ زندہ، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مورتیاں جمادات محض ہیں۔ ان میں جان نہیں ہے اس لئے کہ تو سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں اور نہ ان میں یہ شعور ہے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔ یعنی قیامت کب آئے گی؟

داہن امیر اٹل

(۳) علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی جلالین میں ملاحظہ کیجئے۔

یا وہ جو خالق اللہ تعالیٰ ہے ان جیسا ہے جو کسی چیز کا خالق نہیں اور وہ مورتیاں ہیں۔

ان من یخلق وھو اللہ من لا یخلق وھو الا صنم (جلالین ص ۵۵)

(۴) تفسیر بحر المحیط کے اقتباس ملاحظہ کیجئے۔

ذکر اللہ تعالیٰ تباين بين من اللہ تعالیٰ نے وہ فرق بیان کر دیا۔
يخلق وهو الباري تعالیٰ و جلالہ تعالیٰ اور مودتوں میں ہے
بين من يخلق وهي الاصنام یعنی یخلق سے مراد باری تعالیٰ
ہے اور لا یخلق سے مراد صنم ہیں۔

مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ اس آیت میں یہ دعوت من دون اللہ
سے جن عبلا، شیاطین اور مورتیاں خرافات ہیں، کڑی پتھر کی مورتیوں کے معاملہ
میں بحث بعد الموت کا کوئی اثر نہیں ہے۔ اسی لئے تو لیسٹرون ایان
یہ دعوتوں کے انکار نہیں خراج از بحث کر دیتے ہیں۔ مگر حضرت ابن
عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

ان اللہ تعالیٰ یبعث اوصیاء اللہ تعالیٰ مورتیوں کو جاندار بنا کر
لہا اسطرح منہا شیاطینہا مشورہ کریگا۔ ان بتوں کے ساتھ انکے
فیومر لکلہم ی استاس شیاطین بھی ہوں گے پھر ان سب
کو جہنم میں جھونک دیئے جائے اور
حکمہ دیا جائے گا۔

جن شیاطین اور مورتیوں کو مودودی صاحب جہنم سے بچانے کا کوشش فرما رہے
تھے۔ عشر اصنام کے منکر ہو کر ان کے بجائے انبیاء و رسل اور صحابہ قبور کو اناہ
مشاورہ تیار فرما رہے تھے۔ حضرت ابن عباس کے قول سے ان کی تحقیق کی نہ صرف
قلبی کھل گئی بلکہ ان کے اس فاسد عقیدہ کا ابطال ہو گیا کہ مورتیوں کے بعت بطلوت
کا کوئی سوار نہیں اور یہ کہ شیاطین تو زندہ ہیں ہمیشہ زندہ ہی رہیں گے۔ اور

ملاحظہ ہو۔

ایمان بیعتوں الظاهر ان ہذا کلمہا مما حدث بہ
 عن الاصنام وکیون بعثتمز عاداتہا بعد فنانہا الا
 نزل الی قولہ تعالیٰ انکم وما تعبدون من دون اللہ
 حسب جہنم (بحرالمحیط جلد ۵)

ترجمہ :- ایمان بیعتوں سے صاف ظاہر ہے کہ یہ تمام مذکورہ
 کیفیات سے واضح ہے کہ کلمہ من دون اللہ سے اصنام مراد میں اور ان کے بعث
 مشرک کا مفہوم یہ ہے کہ بعد فنان کا عاودہ ہوگا۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ کا اعلان صاف بتا رہا ہے۔ انکم وما تعبدون
 من دون اللہ حسب جہنم یعنی اے بت پرستو! تم اور تمہارے اصنام
 جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو دوزخ کا ابتدئین ہیں۔

مرد و دی عاصب نے جنات اور شیاطین کو زندہ بتا دیا ہے اور نبیوں
 و پیوں، صالحین، داتا گنج بخش اور خواجہ غریب نواز کو مردہ فرمایا ہے، مگر قرآن
 میں کافروں کو مردہ کہا گیا ہے اور مومنین کو زندہ کہا گیا ہے، کفار، شیاطین اگرچہ
 بظاہر زندہ ہیں مگر مردہ دل ہیں، گمراہ ہیں۔ کلام حق کو نہیں سنتے اس لئے ان کو مردہ
 کہا گیا۔

(۱) انک لا تسمع الموتی (القرآن)
 کفار مردہ ہیں۔ آپ مردے کو نہیں سنا
 (۲) لیندسرا من کان احیا
 تاکہ آپ ہر ایسے شخص کو دے میں جو زندہ
 ہے۔
 (القرآن)

یہاں زندہ سے مراد مومنین ہیں۔ یعنی اموات سے مراد کفار ہو سکتے ہیں۔
 صاحب بحرالمحیط فرماتے ہیں۔

ان کیوں قولہ اموات جنکا لفظ۔ بدعون میں ضمیر

براد به الكفار الذین
 ضمیر بہم فی دعون
 بینہم بالاموات غیر
 الاحیاء من حیث
 ہم ضلال غیر ممتلین
 (بحر المحیط ج ۵ النحل)

ہے کفار کو جتایا گیا ہے کہ وہ مردہ
 ہیں ذکہ زندہ اس لحاظ سے کہ وہ گمراہ
 ہیں۔
 ہدایت یافتہ نہیں ہیں۔

النحل کے شروع ہی میں یہ آیت ہے (ببقی الروح علی من
 ویشاء من عبادہ) اس آیت میں ربیع بن انس نے کہا کہ روح سے
 (روح القرآن) مراد ہے جس اور فتادہ کہتے ہیں کہ (الروح رحمتہ) روح
 سے رحمت مراد ہے۔ وقال لزجاج ما معنا الروح الہل ایئہ
 لانہما لکلیا بہما القلوب کما تخیا الابدان باسرافح۔
 زجاج کہتے ہیں روح کے جو معنی ہیں وہ ہدایت کے ہیں کیونکہ اس ہدایت
 سے قلوب زندہ ہوتے ہیں جیسے ارواح سے بے جان زندہ ہوتے ہیں۔
 فخری کہتے ہیں۔ الروح ما تخیاہ القلوب المینۃ بالجہل من وجیبہ
 او بما یقوم فی الذین مقام الروح فی الجسد۔ روح سے مراد وہ وحی ہے جو
 ان کفار کو زندگی عطا کرے۔ جو جہل کی وجہ سے مردہ دل ہیں؛ وحی کے قائم مقام۔
 ہر وہ چیز مردہ دل جاسکتی ہے یا ہر وہ چیز جو دین کے جسم میں روح کو مقام حاصل ہے وہی
 مقام دین میں اس کو حاصل ہو۔
 تفسیر روح المعانی میں ہے۔

ایان یبعثون ای ما یسعر
 اولک الایۃ متی یبعث
 ایان یبعثون سے مراد یہ ہے
 کہ اصنام کو معلوم نہیں ہے کہ ان کے

عبداللہم

بجاری کب محشور کئے جائیں گے؟
دیکھو تفسیر روح المعانی صفحہ ۱۹۰

تفسیر فتح البیان ملاحظہ کیجئے۔ یہ دعویٰ من دون اللہ کے معنی مراد لئے ہیں

کیا انبیاء و پیامبر مراد ہیں بقول موزووی صاحب۔ یا کچھ اور؟

ات هذه الاصنام جسادها جسد
دميتها لا حياء لهما اصلا فزاد
قول بغير احياء لبيان انها ليس
كبقص الا جساد التي يميتون
بعد ثبوت الحيات لهما بل لا حياء
لهذه الا صنما اصلا فكيف فكيف
تعبدهم وادعواهم افضل منهم لا تقم
احياء وما يشعرون اى الالهة
ايان يبعثون اى الكفاس الذين
ينصبون من الاصنام والمعنى
ما تشعرون هذه الاحداث من
الاصنام آيات ببعث عبدلتهم
ويؤيد ذلك ما روينا ان الله
يبعث الاصنام ويخلق لها ارحام
معها شياطينها نيسو مر بكم الى
الناس.

یعنی یہ اصنام پتھر کی صورتیں ہیں
قطعاً ہیں ان میں حیات بالکل نہیں
پھر پتھر احياء فرمایا یہ بیان کرنے
کے لئے کہ یہ صورتیں بعض ایسے جساد
کی طرح ہیں جو زندہ رہتے ہوں پھر
مر گئے ہوں بلکہ ان صورتوں کو مرے
سے ہی زندگی نہیں ملی ان سے تو ان
کے بجاری افضل ہیں کہ زندہ ہیں۔
ان صورتوں کو یہ بھی پتھر نہیں کہ ان کے
بجاری کب محشور ہوں گے کیونکہ یہ تو
پتھر کی صورتیں ہیں ان میں شعور کہاں آسکی
تاہم میں روایت ہے کہ اللہ اصنام کو
محشور کرے گا ان میں جان دے گا۔
ان کے شیاطین کے ساتھ ہوں گے۔

وقيل قد تم الكلام عند

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پہلی آیت وہم یخلفون

قوله وهم يخلقون ثم ابتل
انوصف المشركين بانهم
اصوات غير حياء وما
ليشعرون ايات يبغثون
(فتح البيان ص ۲۲۱)

پر ختم ہو گئی پھر آغاز کلام ہوا اور
مشرکین کی صفت یہ بیان کی گئی
ہے کہ وہ مردے ہیں نہ کہ زندہ اور
ان مشرکین کو خبر نہیں کہ وہ کب
مختور ہوں۔

(۱۱) تفسیر کبیر (۲) تفسیر ابن اثیر (۳) تفسیر جلالین (۴) تفسیر بحر المحیط۔
(۵) تفسیر روح المعانی (۶) تفسیر فتح البیان کی عبارتوں سے ہم نے امور
ذیل ثابت کئے ہیں۔

(۱۲) کہ تمام مفسرین کے نزدیک يدعون من دون الله سے مورتیاں
مراد ہیں۔ مودودی صاحب نے اصنام یعنی مورتیوں کو اس آیت میں خارج از بحث
مستثنیٰ قرار دیا۔

(۱۳) مودودی صاحب نے يدعون من دون الله سے اصحاب
قبور اور لیٹا انبیاء اور اولیاء مراد لیا ان کا اپنا ذاتی وجود ہے جو عقل و نقل سے
باطل قرار دیا گیا ہے۔

(۱۴) مودودی صاحب نے یا تو علمائے حق کے اقوال کو دانستہ چھپایا یا ان کو
اور مستند تفسیروں پر ان کو عبور ہی نہ تھا۔ دونوں صورتیں مذکور ہیں۔ پہلی صورت
دیانت علمی کے خلاف ہے (العالم موہبتین) دوسری صورت میں ان کا صنف علمی ثابت
ہوتا ہے۔ اگر انہوں نے علم ہوتے ہوئے ان اقوال کو چھپایا ہے تو یہ صریحاً دیانت
علمی کے خلاف ہے۔ اور اگر ان کو علمائے سلف اور مسلم الثبوت مفسرین کے اقوال
پر عبور ہی نہیں ہے تو اس صنف علمی کے باوجود تفسیر قرآن کی حرمت، حرمت تہذیبیہ
کے علاوہ اور کیا ہی جاسکتی ہے؟

موردی صاحب نے جنات، شبہا لیلین اور مورخوں کے حشر و بعث سے
صریح انکار کیا ہے مگر کتاب و سنت سے ہم نے ثابت کیا ہے کہ شیاطین اور
اصنام سب مشرکوں ہوں گے اور ہمیں ان کے ایسے بنائے جائیں گے۔

روایت ابن عباس الخ اور آیت مبارکہ انکم وما تعدون من
دون اللہ حسب جہنم۔

کتاب و سنت سے اس مقام پر موردی صاحب کا ناواقف ہونا ثابت
ہوا یا پھر انہوں نے واقف ہوتے ہوئے مسلمہ طور پر حضرت ابن عباس کی روایت
اور قرآن کی آیت کا کھان کیا پھیا یا جو اس آیت کی تفسیر میں شاید عادل ہیں۔ حضرت
ابن عباس نے فرمایا ہے کہ قرب قیامت میں اہل ہوا ان آیات کو جو کفار و مشرکین کے
بارے میں آئی ہیں مسلمان کے حق میں بیان کریں گے۔

(۵) ہمیشہ جو کفار و مشرکین کے حق میں نازل ہوئی ہیں ان آیات کو انہوں نے
مسلمانوں کے حق میں نازل ہونے کا حکم قطعی لگایا اور اپنی اس رائے کو انہوں
نے قرآن سے مستند بنا کر اس کے لئے اپنی تفسیر کی ابتداء ان الفاظ سے کی
ہے۔

قرآن کے یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ لکھنے کے بعد انہوں نے اپنے ذاتی
خیالات، ذاتی اعتقادات، ذاتی رائے لکھ ڈالیں۔

مثلاً اصحاب قبور مراد ہونا۔ جنات و شبہا لیلین کا زندہ ہونا۔ انبیاء اور
اولیاء کا مردہ ہونا۔ بعث و حشر کا انکار۔ داتا گنج بخش، خواجہ غریب نواز
وغیرہ کو عبارتاً یہ دعوت من دون اللہ سے مشخص کرنا اور اپنے ان
خیالات یا سببہ پر قرآن کے یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ قرآنی خلاف پر لیا
صاف الفاظ میں قرآن کو ان خیالات کا ذمہ دار کیا تاکہ اس کو خواہاں طبقہ اس فقرے

میں اگر ان خیالات ہی کو قرآن مجملے جیسا کہ غریب تدبیر فاران، سمجھ بیٹھے یہ کتنی
 بڑی غریب کاری، تلبیس اور افتراء ہے۔ خاک بدہن گستاخ یلبسون الحق بالبا^{طل}
 کا کتنا بڑا مظاہر ہے۔ مسخ قرآن کی کتنی بڑی ناپاک حرکت ہے۔ پھر صوت الکر
 عن معاصم کلمات کتاب کو ان کے اصل مقام سے ہٹانا، اس کا نام تو تحریف
 ہے۔

مودودی صاحب کو یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں: عبارت النفس
 کی تعریف یہ ہے کہ جو معنی مطلوب ہیں ان میں سوق کلام ہو۔ سوق کلام جب ہوتا ہے
 کہ ان کے دعوے کے مطلق صاف الفاظ میں قرآن یہ بتاتا کہ والذین یدعون
 اصحاب القبور والذین یدعون الانبیاء اولیاء والفقہین
 عبارت موجود ہوتے ہوئے اس قسم کے کلمات مطلقاً نہیں ہیں، مسلمہ طور پر
 نہیں ہیں تو ثابت ہوا کہ ان معنوں میں جو مودودی صاحب نے بیان کئے ہیں قرآن
 میں سوق کلام نہیں ہے۔ اس لئے عبارت موجود نہیں ہے تو یہ کہنا کہ آیت کے
 الفاظ صاف بتا رہے ہیں قرآن پر کتنی بڑی اہمیت ہے اور عبارت النفس کے مفہوم سے
 کتنی بڑی ناواقفیت ہے۔ اور جہاں عبارت نہیں ہے وہاں دلالت بھی نہیں ہے
 اس لئے کوئی دلالت النفس کی نہیں ہے۔ چونکہ اقتضاء فرع دلالت ہے اس لئے اور
 یہاں جس کی اصل نہیں ہے تو فرع کہاں سے آئے گی۔ اس لئے اقتضاء النفس بھی نہیں
 ہے اور جہاں عبارت دلالت اور اقتضاء موجود نہیں وہاں کوئی اشارۃ النفس بھی
 موجود نہیں اس طرح آیت زیر بحث میں "مودودی صاحب" کی مراد عبارت النفس ہے
 نہ دلالت النفس ہے نہ اقتضاء النفس ہے نہ اشارت النفس ہے۔ پھر ان کا یہ دعویٰ کہ
 قرآن کے یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ خاص طور سے اصحاب قبور انبیاء اولیاء
 وما لھیند اتانج بخش خواجہ غریب نواز یدعون من دون اللہ سے

مراد میں ایک ایسا دعویٰ ہے جس کے جھوٹے ہوتے پر قرآن ہی کے کلمات گواہی دے
 سکتے ہیں کہ انھوں نے اللہ پر اقرار کیا۔ اللہ پر جھوٹ باندھا۔ اپنی بات کو اللہ کی بات
 اپنی مراد کو اللہ کی مراد اپنے الفاظ کو اللہ کے الفاظ کہتے ہوئے وہ نہ سنا نہ جھکے۔ خوف
 خدا دل میں نہ آیا فہم اظلم من کذب علی اللہ اس سے بڑا ظالم کون ہوگا
 جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی انقلاب کے داعی قرآن کے معنی کو صحیح
 محمل سے ہٹا کر اپنی مراد اور اپنی خواہش کے مطابق دوسرے جدید معنوں میں
 استعمال کرنا تحریک انقلاب اسلامی سمجھتے ہیں۔ چونکہ اسلامی انقلاب کی تحریک
 کا یہی مقصد ہے کہ مسلمانوں کے افکار و عقائد میں انقلاب پیدا کیا جائے غالباً
 اسی ضرورت کے تحت قرآن کے معنوں میں انقلاب لانے کی ہم تفہیم القرآن کے
 نام سے جاری کی گئی ہے کیونکہ جب تک قرآن نہ بدلا جائے مسلمانوں کے اعتقادات
 نہیں بدلے جاسکتے۔ اب قرآن کس طرح بدلا جائے، خدا کے فضل سے لاکھوں
 حافظ قرآن لاتعداد کروڑوں قرآن کو دیکھ کر پڑھنے والے موجود ہیں اس لئے قرآن کی
 ظاہری عبارت کو بدلنے کا کوئی امکان نہیں، صرف یہی صورت ممکن ہے کہ قرآن
 کی آیتوں، اصلی حالت میں رکھی جائیں اور ترجمہ و تفسیر کے نام سے خارجی
 عقائد کو اس میں چھپایا یا چھپایا جائے۔ غریب مسلمانوں کی اکثریت جو اردو خواندہ یا
 نیم جاہل افراد پر مشتمل ہے وہ اس فریب اور تلبیس کا شکار ہو جائے گی۔ یقین کریں
 کہ تفہیم القرآن میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ عین قرآن ہی ہے، ایسا یقین کرنا بالکل
 فطری بات ہے۔ ایمانی تقاضا ہے۔ عام مسلمان علماء کا احترام کرتے ہیں۔ انکی
 دینی بصیرت اور علمی تحقیق کے قائل ہوتے ہیں۔ وہ ایک لمحے کے لئے سوچ بھی
 نہیں سکتے کہ کوئی مسلمان قرآن کو ہاتھ میں لے کر جھوٹے بھی بول سکتا ہے۔ پھر

وہ اس بات کا تو بھی تصور بھی نہیں کر سکتے کہ کوئی مسلمان قرآن کو ہاتھ میں لے کر چھوٹ
 بھی بول سکتا ہے، عین اس وقت جبکہ قرآن اس کے ہاتھ میں ہے قرآن کی
 آیات لکھ رہا ہے کلام حق کے ساتھ اپنی مراد باطل کی آمیزش بھی کرتا جا رہا ہو۔ اسی
 حین عقیدت کی وجہی سے عوام اور کم علم مسلمان گمراہی اور فریب کا شکار ہو جاتے
 ہیں۔ لوگ اپنے عقائد و افکار کو تفسیروں کے نام سے قرآن کے سرمنڈھتے جا
 رہے ہیں اور ان کی نشرو اشاعت تبلیغ قرآن کی نیت سے نہیں بلکہ اپنے افکار
 عقائد کی زور و مہموبیت کے لئے پروپیگنڈے کے طور پر بڑے اہتمام سے
 جاری ہے۔ اس پروپیگنڈے کے نتائج بھی خاطر خواہ ظاہر ہوتے جا رہے ہیں۔
 خصوصاً وہاں جہاں پروپیگنڈے کی تنظیم ہے وہاں مسلمانوں کے افکار و اعتقادات
 میں اس قسم کے لٹریچر سے انقلاب بھی رونما ہوتا جا رہا ہے۔ عہد حاضر نے سیت
 کے نام سے جس و جل، فریب، اور ریاکاری کو عام کیا ہے وہ کون نہیں جانتا
 ان کے نوٹ پر ملک میں تحریکیں چلائی جاتی ہیں تاکہ وہ سیاسی مقاصد کے حصول
 میں کارآمد ہوں۔ پاکستان کا بھی یہی حال ہے کہ اس میں لازمی ریاست پر
 فی الحال نظام حکومت چل رہا ہے۔ اس لئے اس حکومت کے کامیاب
 حریف صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو دینی حکومت کا لہرہ لگائیں۔ اسلامی جمہوریت
 اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اس کی علت نہائی صرف حکومت پر قبضہ کرنا ہے۔ اسلام
 کے نام پر اجارہ دین کی امانت کے عنوان میں مسلمانوں کا تعاون حاصل کرنا یہاں
 تک بھی خیریت تھی۔ اب تو لوث یہاں تک پہنچی ہے کہ سلف صالحین ائمہ مجتہدین
 اخیار و عظام اور اویائے کرام بزرگان دین کی عزت و احترام کے خیالات جو
 مسلمانوں کے دل و دماغ میں جا نگزیں، یہاں ان کو اس لئے جسے خبیث لٹریچر کے
 ذریعہ زائل کیا جائے اور صرف مودودی صاحب کا سگہ ان کے دلوں پر بٹھایا جائے۔

گرمیں مکتب و ہمیں ملنا کار لفظوں تمام خواہد شد

اس زمانہ میں عقائد باطلہ کی پیغمبر مودودیت ہے۔ اس مودودیت کا اثر و
 بلاغ ایک منظم پروگرام کے تحت جاری ہے۔ تمام علمائے امت، اولیو بندی،
 پیلوی اور اہل حدیث بالاتفاق مودودیت کو گمراہی، بے دینی اور خارجیت بتا
 رہے ہیں۔ مگر مودودیت نہ صرف اپنے عقائد و رجحانات پر نظر ثانی کرنے پر آمادہ
 ہوئی بلکہ تمام علمائے امت کو غلط اور اپنے موقف کو صحیح سمجھتی ہوئی بدستور
 سرگرم عمل ہے۔ امت مسلمہ کی اکثریت ان بھولے بھولے مسلمانوں کی ہے جو اسلام
 اور قرآن کے نعروں پر اپنے جان و مال قربان کرنے میں دریغ نہیں کرتے۔ اس
 دام فریب میں مبتلا ہو جاتے ہیں، لاکھوں روپیہ کھالوں اور ہاتھوں کی صورت
 میں ان مسلمانوں سے بٹورا جا رہا ہے اور مسلمانوں کے بزرگان دین، ائمہ کبار
 اور علمائے دین کے خلاف ذہرافتہائوں میں خراج کیا جا رہا ہے۔ قرآن کی سن
 گھڑٹ غلط تفسیریں لکھی جا رہی ہیں، عقائد باطلہ کی نشر و اشاعت بڑے
 پیمانے پر اس روپے سے کی جا رہی ہے، جو مسلمانان دین اسلام کے نام پر،
 اسلامی خدمات کے لئے اسلامی جماعت سمکھان کو پیش کرتے ہیں۔ وہ اسلامی
 جماعت جس کی فہرست میں حق شناس باعمل اور سچے مسلمانوں کے نام درج ہیں
 اور جن کی تعداد ہزار پانچ سو افراد سے زیادہ نہیں ہے۔ ان افراد کے علاوہ
 ان کے نزدیک کوئی مسلمان مسلمان نہیں، صالح نہیں، باعمل نہیں۔ اگر وہ اپنی
 جماعت کے افراد کی طرف دوسرے مسلمانوں کو مسلمان سمجھنے لگیں تو یہ اس
 جماعت اسلامی کا وجود ہی غیر ضروری اور محبت ہو جاتا ہے۔
 مسلمان کان کھول کر سن لیں کہ تمام علمائے امت کے نزدیک بالاتفاق
 جماعت اسلامی کا وجود بجا ہے تو ایک بدعت ہے، احداث فی الدین ہے

جس طرح خوارج نے سوادِ عظیم سے کٹ کر اپنی ایک جماعت بنائی تھی۔ ان المحکم
 الا للہ ان کالفرہ تقار بالکل اسی طرح جماعت اسلامی "سوادِ عظیم سے کٹ کر
 ان المحکم الا للہ کالفرہ لگا رہی ہے، خوارج کا عقیدہ تھا کہ اللہ کی حاکمیت
 کا مطلب حضرت علیؑ۔ امیر معاویہؓ اور دوسرے صحابہ کبار نے جو کچھ سمجھا ہے وہ
 غلط ہے صرف خوارج ہی صحیح معنوں میں خدا کی حاکمیت کے علمبردار ہیں۔ یہی
 حال اس مودودی جماعت کا ہے، صحابہ کبار سے جھوٹا منسوب کرتے ہیں۔
 امام اعظم ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام حنبل میں سے کوئی بھی ان کی زبان
 سے نہیں بچا نہ قلم سے۔ مجتہدین محدثین، متفقہین، صوفیائے کرام، علماء کبار
 کسی کو بھی انہوں نے "ہدف" بنائے بغیر نہ چھوڑا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
 اور شاہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراضات کئے ہیں کہ انہوں نے تصوف
 کی طرف امت کو متوجہ کیا۔ غرضیکہ دین اسلام پر جن ہستیوں کو فخر و ناز ہو سکتا
 ہے ان کی توہین و تحقیر مودودیت کا لہجہ العین معلوم ہوتا ہے۔ اس کے باوجود
 اجیادین، شیعہ بید اسلام، کا دعویٰ کرتے ہیں۔ کتاب و سنت کا بار بار نام لیکر
 اپنے ذاتی خیالات کو، فاسد عقائد کو خوارج کی ترجمانی کو کتاب و سنت کے سر مندرجے
 ہیں۔ خوارج نے (ان المحکم الا للہ) قرآنی آیت کا مطلب یہ نکالا تھا کہ حکم
 صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔ اس لئے حضرت علیؑ کو حاکم سمجھنا یا حضرت علیؑ کا تالیقی قول
 کہ ان الذوں کو حاکم بنانا کفر ہے۔

قرآن کی اس غلط تفسیر نے خوارج کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ اس کا اندازہ
 اس سے کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے جن جن کراں صحابیوں کو موت کے گھاٹ
 اتارا تھا جو مفسرین تھے، فقہا تھے، علماء تھے، صالحین تھے۔ نہ صرف ان کو
 بلکہ ان کے معصوم بچوں اور بے گناہ عورتوں کو اپنی خونی تلوار سے قتل کر دینا

فریضہ سمجھتے تھے۔ اور انہی نے خود حضرت علی علیہ السلام کو ان کی خون آشام تلوار سے
 نہ بچ سکے۔ اور ابن لبہم خارجی کے ہاتھوں مسجد کوفہ میں شہید کر دیئے گئے۔ ان کا
 اسلام کی مایہ ناز ہستیوں کو صرف اس تصور میں شہید کیا گیا کہ وہ خارجیوں کی تفسیر
 قرآنی کو غلط اور باطل کہتے تھے۔ فرماتے تھے کہ کلمات حق سے خوارج باطل مراد پیتے
 ہیں۔ معاذ اللہ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ وہ صحابہ پر کیا جہور سے انوش بنوت میں ترمیم
 پائی وہ ان احکام اللہ کے معنی بھی نہ جانتے ہوں۔ وہ یقیناً جانتے تھے کہ اس آیت
 مبارکہ میں جو حکم کا حکم اللہ کے لئے آیا ہے اس کے معنی جو خوارج مراد لیتے ہیں وہ
 تسلیم کئے جائیں تو قرآن میں تعارض و تضاد لازم آئے گا۔ ایسے اللہ با حکم الحاکمین
 میں اللہ تعالیٰ نے خود کو حاکموں کا حاکم فرمایا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
 حق میں قرآنی اعلان ہے فلا وربک لا یومنون حتی یحکمواک فیما
 نزلت بینہم یعنی آپ کے رب کی قسم یہ لوگ صاحب ایمان ہو ہی نہیں سکتے
 جب تک کہ وہ آپ کو اپنے آپ کے جھگڑوں میں حاکم نہ بنائیں۔

یا اذنا جعلناک خلیفۃ فاحکم بین الناس

یعنی اے اذنا علیہ السلام ہم نے تمہیں اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ آپ لوگوں پر حکمرانی
 فرمائیں۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو حکم اور بنوت عطا فرمانے کا اعلان قرآن
 میں موجود ہے پھر خوارج کا یہ اعتقاد کہ ان احکام اللہ حکم اللہ ہی کے لئے
 ہے اور اس آیت کی یہ تفسیر کہ

(۱) حکومت الہیہ قائم کرو۔

(۲) انسانوں کو انسانوں پر حکومت کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

(۳) حضرت علی اور امیر معاویہ دونوں نے قرآن کو چھوڑ کر لوگوں کو حاکم

سمجھ لیا اس لئے وہ کافر ہیں۔ واجب القتل ہیں۔

ہر مسلمان سمجھ سکتا ہے کہ قرآن کی کتنی فلفلہ تفسیر و تعبیر تھی، جس میں خلافت راشدہ کو حکومت الہیہ کا حریف بنا کر حضرت علیؑ کے مقابلہ میں اللہ میاں کو دو ٹونگ اور تختہ کے لئے لا کر کھڑا کیا گیا۔ بالکل یہی حال مودودیت کا ہے۔ وہ اللہ کی "حاکمیت" کا خارجیوں کی طرح فلفلہ تصور پیش کر رہے ہیں اور خوارج کے قدم بقدم چل رہے ہیں۔ خوارج کے لغزوں میں بہ ظاہر عوام کے لئے بڑی جاذبیت تھی۔ ان کے لغزے عام فہم اور عام پسند تھے۔ مثلاً یہ کہ قرآنی دستور بناؤ۔ انسانوں پر انسانوں کو حکومت کا کوئی حق نہیں، دنیا طلب حاکموں اور قرآن پر عمل نہ کرنے والے خلفاء کو قتل کر دو۔ بیت المال سب پر برابر تقسیم کر دو۔ ظاہر ہے کہ یہ لغزے عوام کو متوجہ کر لینے کے لئے ایک گام گرہ اور مؤثر ذریعہ ہو سکتے ہیں۔ مگر ان لغزوں کے پس پرچہ جو مرد باطل ہے وہ خارجی تصورات کا نفوذ و اجراء ہے۔ اس کو عوام بیچارے کیا سمجھیں؟ خود میں کے سمجھنے کی بات ہے۔

محمد اللہ پر مکتب خیال کا عالم فتنہ مودیت کی گمراہیوں سے باخبر ہو چکا ہے اور ہر سرف سے ملتانوں کو ہر وقت خبردار کیا جا رہا ہے اور کیا جا چکا ہے۔

گزشتہ اشاعت میں ہم نے تحریف القرآن بنام تفہیم القرآن کے عنوان سے جو مضمون لکھا ہے وہ ہر مسلمان کو جس کے دل میں ذرہ برابر بھی نور ایمان ہو یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کر دینا کہ مودودی صاحب نہ علم دین رکھتے ہیں نہ فہم دین رکھتی دینی فہم رکھنے والا عالم کبھی ایسی محنت اور خطرناک غلطیاں نہیں کر سکتا۔ جو انہوں نے تفہیم القرآن میں کی ہیں۔ محض نشا پر داری اور حماقت کے بل بوتے پر کلام اللہ کی تفسیر کا ہاتھ انہوں نے اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ یہ عوام کی بے علمی اور سادگی پر اعتماد کا نتیجہ ہے۔ مگر بر علم کی تنقید و تعریفیں سے بچنے کے لئے انہوں نے محض اپنی صحافتی قابلیت پر بے جا اعتماد کیا ہے۔ وہ نہ وہ تفسیر لکھنے کی جرأت کبھی نہ کرتے۔ اس سے بڑا ظلم

علمین پر مسلمانوں پر کتاب اللہ پر سنت رسول اللہ پر اور کوئی نہیں ہو سکتا جو
 مودودی صاحب نے ڈھایا ہے مہین کے نام پر بے دینی تقسیم کے نام سے
 تھیل۔ تعبیر کے نام پر تخریب۔ یہ ہم جذبات کی رو میں نہیں کہہ رہے ہیں۔ ٹھنڈے
 دل سے کافی غور و غوض کے بعد نرم سے نرم الفاظ میں "تفہیم القرآن" پر ہمارے
 خیالات علم و بصیرت کی بنیادوں پر یہی ہیں۔ اور انشاء اللہ اس مضمون کو پڑھنے
 کے بعد آپ ہم سے اتفاق رائے پر مجبور ہوں گے بشرطیکہ آپ غیر جانبدار
 ہو کر دلائل و شواہد کی روشنی میں مودودی صاحب کے ادعا کو اور ہمارے اقرافات
 کو دیکھیں۔ اب ہم مودودی صاحب کی تفہیم القرآن کا اقتباس پیش کرتے ہیں۔ پہلے
 انھوں نے آیت "مذہب ذیل لکھی ہے، پھر اس کا ترجمہ لکھا ہے، پھر تفسیر لکھی ہے
 جو بحسبہ بالترتیب نقل کی جاتی ہے۔

والذین یدعون من دون اللہ
 لا یخلقون شیاً وھم یخلقون
 اموات غیر حیا و ما یشعرون
 ایاں یدبھتون ہ

اور وہ دوسری ہستیاں جنہیں اللہ کو
 چھوڑ کر لوگ پکارتے ہیں وہ کسی چیز
 کی خالق نہیں ہیں بلکہ مخلوق ہیں، مردہ
 ہیں نہ کہ زندہ اور ان کو کچھ نہیں معلوم
 ہے کہ انہیں کب دوبارہ زندہ کر کے
 اٹھایا جائے گا۔

یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ یہاں خاص طور سے جن بناؤں
 معبودوں کی تردید کی جا رہی ہے۔ وہ فرشتے یا جن

تفسیر مودودی

یا شیاطین یا لکڑی پتھر کی مورتیاں نہیں ہیں بلکہ اصحاب قبور ہیں۔ اس لئے کہ شیاطین
 اور فرشتے تو زندہ ہیں ان پر اصوات غیروا حیا کا اطلاق نہیں ہو سکتا
 اور لکڑی پتھر کی مورتیوں کے معاملہ میں بعث بعد الموت کا کوئی سوال نہیں

ہے۔ اس لئے صابشعرون ایان یہ عشوت کے الفاظ انہیں خارج از
 بحث کر دیتے ہیں۔ اب لا محالہ اس آیت میں الذین یدعون من دون اللہ
 سے وہ انبیاء صالحین اور دوسرے غیر معمولی انسان ہی ہیں جن کو عالی مقصدین
 دارا مشہد کلکشا، فریادس، غریب نواز، گنج بخش اور نہ معلوم کیا کیا قرار دیکر اپنی حاجت
 روانی کے لئے پکارنا شروع کر دیتے ہیں : (فاران اگست ۱۹۵۶ء)

(اقتباس نفہیم القرآن)

مورود کی صاحب کے قول پر
 اعتراضات وارد ہوتے ہیں

اعتراض اول :- قرآن کی
 آیت میں کہیں اصحاب قبور کا ذکر
 نہیں ہے اس لئے۔ یدعون

من دون اللہ از خود مراد لینا اور یہ ظاہر کرنا کہ قرآن کے یہ الفاظ صاف
 بتا رہے ہیں کہ یدعون من حادث اللہ سے مراد اصحاب قبور ہیں
 صرف قرآن پر افتراء ہے۔ تبلیغ اور فریب کاری ہے۔ عوام کو دھوکہ دینا ہے۔
 قرآن کے الفاظ صاف طور پر اصحاب قبور سے متعلق ہوتے والذین یدعون
 اصحاب القبور یا اس کے مماثلہ دوسرے الفاظ وارد ہوئے ہوتے۔
 والذین یدعون الا انبیاء والاولیاء وغیرہ میں کوئی صراحت
 لفظی اصحاب قبور مراد لینے کے لئے نہیں ہے نہ کوئی صراحت انبیاء و صدیقین
 ہونے کی موجود ہے تو اصحاب قبور مراد لینا اور پھر اصحاب قبور سے انبیاء و صدیقین
 کو خاص طور سے نامزد کرنا کہ یہ قرآنی صراحت ہے کتنا بڑا افتراء اور جھوٹ ہے۔
 توبہ - توبہ ..

اعتراض دوم :- اگر اصحاب قبور یدعون من دون اللہ کا مصداق
 ہوں اور بقول مورودی صاحب لکڑی پتھر کی مورتیاں اس سے مراد نہ ہوں تو پھر

بت پرستی اس آیت مبارکہ سے مستثنیٰ ہو جاتی ہے (نعوذ باللہ)

اعتراف میں سوگم :- یہ کہنا کہ شیاطین اور فرشتے تو زندہ ہیں اس لئے اموات غیر
احیاء کے الفاظ ان کو بھی مینہ دعوت من دون اللہ سے مستثنیٰ قرار دینے
ہیں۔ یہ صحیح ہے تو شیطان پرستی، ملائک پرستی بھی مینہ دعوت من دون اللہ
کے حکم سے خارج ہو جائے گی۔ (نعوذ باللہ نعوذ باللہ)

اعتراف میں چہارم: جمہور مفسرین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ مینہ دعوت من دون اللہ
سے اصنام لکڑی، پتھر کی مورتیاں مراد ہیں۔ جلالین، روح المعانی، بحر المحیط،
فتح البیان مشہور و معروف مستند تفسیروں کی عبارتیں گذشتہ اشاعت میں درج کی
جا چکی ہیں، یہ مفسرین اہل زبان تھے، محاورات عرب سے واقف تھے، کتاب و
سنت کا علم صحیح رکھتے تھے۔ جمہور امت کے نزدیک معروف و مسلم حقیقت رکھتے
تھے۔ ان سب کی تفسیروں کے صریح خلاف اصنام کو مودودی صاحب مستثنیٰ فرماتے
ہیں اور ان اصحاب قبور کو اصنام کے بجائے تجویز کرتے ہیں۔ اور اصحاب قبور میں
سے بھی انبیاء صدیقین، شہیدین اور صالحین کو چھانٹ چوانٹ کر مینہ دعوت
من دون اللہ کا صریح قرآنی مفہوم بتاتے ہیں۔ یہ انبیاء اور صالحین سے
بغض و عناد کی دلیل ہے ورنہ آیت میں لفظی صراحت تو درکنار کوئی اشارہ اور کنایہ
بھی اس معنی میں نہیں ہے جو مودودی صاحب نے بیان کئے ہیں۔

اعتراف میں پنجم: - اموات غیر حیات کا مصداق اصحاب قبور کو بتانے میں خطرناک
غلطی کی گئی ہے کیونکہ اصحاب قبور سے انبیاء و صالحین مودودی صاحب نے مستثنیٰ
کئے۔ اور واقعہ اس طور پر ہے کہ بنی علیہ السلام نے ہم کو خبر دی ہے کہ انبیاء
علیہ السلام زندہ ہیں، اسی طرح صالحیت کے متعلق قرآن نے ہمیں بتلایا ہے
کہ مومن صالح مرد ہو یا عورت وہ حیات طیبہ سے موصوف ہوتا ہے۔ اسی طرح

اصحاب قبور میں شہداء بھی شامل ہیں جن کو قرآن میں زندہ کہا گیا ہے اور ان کو مردہ کہنے کی ممانعت وارد ہے۔ پھر اموات غیر حیات کا قرآن کا صریح انکار نہیں تو کیا ہے؟ تمام اصحاب قبور کو بلا استثناء کفوں سے اموات غیور حیات کا مصداق بنا کر حیات شہداء کے قرآنی اعلان اور حیات انبیاء کی معروف و مسلم حقیقت کی خلاف نری اور صالحین کی حیات طیبہ کے نزدیک کار تکاب کیا ہے۔ اور مستمک طور پر قرآن کی ایک آیت کا منکر پورے قرآن ہی کا منکر ہے۔

اعتراف ششم :- اموات غیر حیات کے معنی مرد و دی نہیں سمجھے۔ عربی نہ جانتے کی وجہ سے اموات غیور حیات کا ترجمہ کیا ہے کہ مردے ہیں نہ کہ زندہ۔ اس ترجمہ سے جو انھوں نے کسی اردو ترجمہ سے دیکھ کر لکھا ہوگا۔ ان کا ذہن اموات سے مردوں کی طرف اور مردوں سے اصحاب قبور کی طرف منتقل ہو گیا۔ اس طرح وہ غلطی اور گمراہی میں مبتلا ہو گئے اور سمجھ بیٹھے کہ اس سے اصحاب قبور مراد ہیں۔ حالانکہ۔

اموات غیور حیات کے معنی ہی جمادات محض ہیں جو صفت حیات کے کبھی موصوف نہیں ہوئے۔ محض بے جان ہیں۔

اموات غیر حیات | اموات سے مردے اور مردوں سے اصحاب قبور مراد ہوں تو کلام الہی میں اموات کے آگے غیر حیات جو اور فرمایا گیا پھر عشور و اند فرار پاتا ہے۔ کیونکہ اموات میں تمام ہی مردے شامل ہیں اور موصوفی صاحب کی مراد "اموات" کے قرینے سے اصحاب قبور ہے۔ وہ "اموات" پر ختم ہو جاتی ہے۔ اموات کے "غیر حیات" جو فرمایا ہے اس پر مرد و دی صاحب نے غور اور تدبیر نہیں کیا۔ اموات اور اموات غیر حیات میں ان کے نزدیک کوئی فرق ہی نہیں ہے۔ انھوں نے صرف اموات کے معنی مردہ سمجھ لئے اور مردوں ہی پر اصحاب قبور مراد ہونے کا حکم لگایا۔ اموات کے آگے جو غیر حیات فرمایا گیا ہے

اس کو پرانے بیت بھرتی کے الفاظ سمجھ کر ان کی طرف اعتنا نہیں کیا۔ ان کو معلوم ہوا چاہئے کہ قرآن بلیغ ترین کلام ہے۔ ایسا بلیغ کہ طاقتِ بشری سے اس کی بلاغت خارج ہے۔ اس میں کوئی کلمہ غیر ضروری، بیکار، برائے بیت شہود زوائد اور ضرورتِ شعری کوئی نہیں ہو سکتا۔ یہ غیر احیاء فرما کر اللہ تعالیٰ نے ان مردوں کو جو کبھی صفتِ حیات سے موصوف تھے۔ اس آیت کے مفہوم سے مستثنیٰ فرماتے ہیں یعنی وہ جو اصحابِ قبور مراد لیتے ہیں۔ اور ان اصحابِ قبور کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مستثنیٰ فرمایا ہے کیونکہ وہ ہکات ہوں بھی تو غیر احیاء نہیں ہیں ان پر احیاء کا اطلاق بد چکا ہے۔ حیات ان کے حق میں ثابت ہو چکی ہے۔ وہ احیاء کا مصداق رہ چکے ہیں اس لئے اموات کے حکم میں صرف وہی چیزیں آ سکتی ہیں جو کبھی صفتِ حیات سے موصوف نہیں ہوئیں احیاء کی صفت میں کبھی اس کا کوئی مقام ہی تجویز نہیں ہوا۔ حیات سے ان کو کوئی تعلق ہی نہیں رہا۔ زندگی سے اس کو دور کا واسطہ کبھی نہیں پڑا۔ حیات سے مطلقاً قالی اور زندگی سے بالکل بے بہرہ ظاہر ہے کہ کوئی ایسی چیز میں ہیں جنہیں حیات سر سے ملی ہی نہیں۔ وہ اصنام اور مورتیاں ہی ہیں جو جنس بے جان اور بے روح عبادات میں۔ یہی معنی ہیں اموات غیر احیاء کے جو اموات کے معنی سے ممتاز ہیں۔ ہمارے قول کی تائید تفسیر فتح البیان سے ہوتی ہے جہاں اس آیت کی تفسیر میں وہ فرماتے ہیں۔

ان ہذا الاصنام اجسادھا ان مورتیوں کے جسم بیجان پتھر کے
جماد میتہ لا حیاة لہا اصلاً جسم ہیں۔ انہیں بالکل کوئی زندگی
خزانہ قولہ غیر احیاء لیبیان نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اموات
انہا لا اجساد التی یمیتون کے آگے غیر احیاء کا جو اضافہ فرمایا
بعد ثبوت الحیات لہا بل ہے وہ اسی حقیقت کو بیان کرنے

لا حیات لم یزل
لا ھنا ما صلا .
کے لئے ہے کہ یہ مورتیاں ان بعض
اجسام کی طرح نہیں ہیں جو ثبوت حیات
کے بعد مردہ ہو جاتے ہیں ۔ بلکہ مورتیاں
سہرے سے کوئی حیات کھتی ہی نہیں
ہیں ۔

اموات غیر احیاء ہو قرآن میں وارد ہوا ہے اعجاز بلاغت ہے ۔ دریا کوزہ میں
بند کر دیا گیا ہے ۔ تدبیر فی القرآن سے مراد حق تک اہل ایمان کی رہنمائی ہوتی ہے ، ہم
عرض کرتے ہیں کہ اموات غیر احیاء سے اموات کی دو قسمیں متعین ہوئیں ۔

(۱) اموات غیر احیاء

(۲) اموات عین احیاء

اس طرح ان دونوں اقسام کے متقابل دو قسمیں متعین ہوئیں ۔

(۱) احیاء غیبیہ اموات

(۲) احیاء عین اموات

قرآن نے کفار و مشرکین کو جو بظاہر زندہ ہیں مردہ کہا ہے ۔ وجہ ظاہر ہے وہ
صورت میں زندہ ہیں سیرت میں مردہ ہیں ۔ لفظوں میں زندہ ہیں معنوں میں مردہ ہیں
ظاہر میں زندہ ہیں باطن میں مردہ ہیں ۔ اسم جمع رکم میں زندہ ہیں حقیقت میں مردہ ۔
قاعدہ کلیہ ہے الجس ان الجس یبیل کند ، جس باہم جس پر داز ،
کفار و مشرکین خود مردے ہیں اس لئے وہ جن معبود دین کو پوجتے ہیں ۔ ان کے وہ
معبود دین مردے ہی ہیں "اموات غیبیہ احیاء" احیاء عین اموات " جیسے دیو
ویسے پجاری ۔

اس کے برعکس مومن مہینا ت الہی میں فنا ہو کر خدا کے ساتھ باقی ہیں ۔ انکو

موت۔ سر کوئی تعلق نہیں۔ اختیاری موت سے مراد موت بتین احیاء کا مصداق ہوتے ہیں اور مرتبہ شہادت من شہد بالمحق "غیب الغیب" کے مشابہہ میں قائم و دائم ہو کر احیائے غیر اموات کا مصداق ہوتے ہیں۔
زندہ آنت کہ با دست لقاے دارو

اعراض مفہم | قرآن سے قرآن کی تفسیر کے اصول سے بھی محدودی صاحب ناواقف نہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی قرآنی آیت کی تفسیر لکھتے وقت اس مضمون کی دوسری آیتوں پر ان کو اطلاع نہیں ہوتی اس کی وجہ قرآنی آیات کے وہی معنی جو محدودی صاحب نے بیان کئے ہیں مراد لئے جائیں تو لو جہد و افسیدہ اختلاف کا کثیر آہ کا مصداق ہو جاتا ہے۔ آیات قرآنی میں تضاد اور اختلاف لازم آتا ہے۔ مثال کے طور پر اس آیت میں **یدعون من دون اللہ** سے انہوں نے مراد اور غیر مبہم الفاظ میں اصحاب قبور مراد لئے ہیں۔ اگر دوسرے مقامات پر جہاں قرآن مجید نے **یدعون من دون اللہ** کا مراد فرمائی ہے۔ وہ مقامات انکی نظر سے یا تو پوشیدہ رہ گئے یا پھر انہوں نے دیدہ و دانستہ انکی نہیں بند کر کے جو جی میں ایسا تفسیر کے نام سے لکھ دیا۔ ہم ان مقامات کی طرف نشاندہی کرتے ہیں جہاں **یدعون من دون اللہ** کے معنی خود اللہ تعالیٰ نے متعین فرمائے ہیں اور محدودی صاحب کے علم و فہم کو مراد حق سمجھنے کی سعادت سے محروم رکھا گیا۔ **قل انی لوہیت ان اعبد اللذین قد دعون من دون اللہ** ۱۰ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کہو کہ تم لوگ اللہ کے سوائے جن دوسروں کو پکارتے ہو۔ ان کی بندگی کرتے ہو مجھے منع کیا گیا ہے۔ (ترجمہ تفہیم القرآن ص ۵۲۵)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ (من دون) غیر اللہ کو پکارنے کے یہ معنی

ہیں کہ غیر اللہ کی بندگی عبادت اور پرستش نہیں کی جائے۔

دوسری بات یہ ثابت ہوتی کہ کفار و مشرکین غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ وہ لا
اصنام تھے اور اصنام کو وہ (الہ اور آلہتہ) معبود اور معبودین کے نام سے
پکارتے تھے تاہم ساری بات یہ ثابت ہوتی کہ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان
معبودین "باطلہ" کی بندگی سے منع فرمایا۔ جن کی اس حکم کے مخاطب کفار و مشرکین
بندگی کرتے تھے۔

چوتھی بات یہ معلوم ہوتی کہ الوہیت کے اعتقاد سے غیر اللہ کی عبادت کرنا
ہی یعدعون من دون اللہ کا مصداق ہے۔ اس کو مختلف پیرایہ بیان میں
اللہ نے منع فرمایا ہے جیسے

والف کانت مع اللہ آلہا آخر اللہ کے ساتھ دوسرے اللہ
کو مت پکارو۔ اس سے اگر محض غیر اللہ کا اللہ کے ساتھ پکارنا ممنوع سمجھا جائے اور بقول
مودودی صاحب من دون اللہ سے انبیاء مراد ہوں تو لا الہ الا اللہ کے ساتھ
محمدؐ رسول اللہ پکارنا اذان و اقامت میں شرک ہوگا لہذا بالذات اللہ اور بالابتداء
مع اللہ الہا آخر کی ہر تمام مسلمانوں کی طرف رجوع کرگئی کیونکہ الہ حقیقی کے سوائے
جو معبودین باطلہ اور بتاؤنی معبود ہیں وہ بقول مودودی صاحب اصحاب قبور ہیں جن
میں خاص طور پر انبیاء و صالحین کا نام انہوں نے بتویز کیا۔ پھر انبیاء کو بتاؤنی معبودوں
میں شامل کر کے کلمہ توحید لا الہ الا اللہ میں کلمہ رسالت کو آدم صغریٰ اللہ سے لے کر محمدؐ
تک آدم سے تا اپنوم اعلان شرک قرار دیتا ہے۔ (تفسیر لیکار شیطان)

(ب) دوسری آیت مبارکہ میں جس سے مودودی صاحب کے اوہام فاسدہ اور
عقائد باطلہ کی بڑی صفات کٹ جاتی ہیں اور میں عدوت من دون اللہ سے جو مراد
حق ہے روزِ رزق کی طرح واضح ہو جاتی ہے ملاحظہ کیجئے۔

ان یصدعون من دونہ الا انا شاجذ ان یتدعون من دونہ
 الا شیطانا صریحاً (النساء رکوع ۱۴)

اس آیت مبارکہ کا ترجمہ خود خودی صاحب کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے۔
 وہ اللہ کو چھوڑ کر دیولوں کو معبود بناتے ہیں،
 وہ اس باغی شیطان کو معبود بناتے ہیں۔

اپنے دیکھا وہی میدعون من دون اللہ سے اصحاب قبور مراد لینے والے مجہد
 اور مجتہدین جو مورتیوں اور شیاطین کو مستثنیٰ قرار دینے والے بناؤں کو معبودوں میں انبیاء
 اور صالحین کو خاص طور سے مشخص کرنے والے یہاں میدعون من دون اللہ
 کے کیا معنی بیان کر رہے ہیں وہاں من دون اللہ سے مورتیاں اور شیاطین مراد نہیں
 یہاں مورتیاں اور شیاطین مراد ہیں۔ اس تعارض اور تضاد کا کیا ٹھکانہ ہے اس
 سے بڑی ہٹ دھرمی اور انبیاء و صالحین سے عدوت کوئی ہو سکتی ہے کہ
 میدعون من دون اللہ کی جو صراحت قرآن مجید نے خود کی ہے۔ وہ خود خودی
 صاحب کے اپنے الفاظ میں یہ ہے کہ دیولوں کو معبود بنانا اور باغی شیطان کو معبود
 بنانا یہاں (ناث) اور شیطان کے لئے کھلم کھلا قرآنی اعلان موجود ہے کہ کفار و
 مشرکین ان کو اپنا معبود بناتے ہوئے ہیں۔ وہ بناؤں کو معبود، مورتیاں اور شیاطین
 ہی ہیں جیسا کہ خود خودی صاحب کو اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہونا پڑا کہ
 یہاں راہ فراسد و تھی۔ فاسد قیاس اس آئی اور بر خود غلط اجتہاد کے دروازے
 قرآنی اعلان سے بند ہو چکے تھے پھر بھی آیت مبارکہ میں جو حصر کا مفہوم تھا
 اس کو یا تو کم علمی کی وجہ سے سمجھ ہی نہ سکے یا جانتے ہوئے ترجمہ میں خیانت
 کی، آیت مبارکہ کا صحیح ترجمہ جب ہی ہو گا کہ مشرکین کے حق میں بت پرستی
 اور شیطان پرستی کا حصر، جو قرآنی نصاب سے ثابت کیا جائے۔ وہ اس طرح ہو

سکتا ہے کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر صرف بتوں ہی کی عبادت کرتے ہیں اور اللہ کو چھوڑ کر
وہ صرف شیطان ہی کی عبادت کرتے ہیں۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ شرک دو امور
میں منحصر ہے۔

(۱) اعتقاد الوہیت میں خدا کے ساتھ غیر خدا کو شریک کرنا۔

(۲) اعتقاد الوہیت کے ساتھ غیر خدا کی عبادت کرنا۔ اس طرح مشرکین کی تشریح

بھی واضح ہو گئی۔

(۱) وہ بتوں اور شیاطین کو اعتقاد الوہیت میں ان کو الٰہ حقیقی کے ساتھ شریک

سمجھنے لگے۔

(۲) وہ بتوں کو اور شیاطین کی اعتقاد الوہیت کے ساتھ عبادت کرتے تھے۔

اس طرح یہ دعوت من ددن اللہ سے جو مراد حق ہے وہ بھی غیر مبہم الفاظ میں

واضح ہو گئی۔

(۱) یہ دعوت من ددن اللہ سے صرف مورتیاں مراد ہیں۔

(۲) یہ دعوت من ددن اللہ سے صرف شیاطین مراد ہیں۔ جو ان مورتیوں

کے ساتھ اس دنیا میں ہیں اور قیامت کے دن ان مورتیوں کے ساتھ دوزخ

میں جھونکے جائیں گے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں وارد ہوا ہے۔

انکم وما تعبدون من ددن اللہ حصیٰ جہنم اے مشرکین

تم اور تمہارے وہ معبود جن کو تم سوائے خدا کے پوجتے ہو۔ سب کے سب

دوزخ میں جھونکے جائیں گے یا جیسا کہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ

تعالیٰ مورتیوں کو جاندار بنا کر مٹھو فرمائے گا۔ ان بتوں کے ساتھ ان کے شیاطین بھی

ہوں گے پھر ان سب کو جہنم میں جھونک دینے جانے کا حکم دیا جائے گا۔

ان وعصاوتوں کی روشنی میں کوئی مسلمان جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان

ایسی ناپاک جرأت کر سکتا ہے کہ شیاطین اور بتوں کے پجائے خدا اور رسول کی مراد کے خلاف میدعون من دون اللہ سے انبیاء اور صالحین مراد ہوتا بیان کرے۔ خدا کی پناہ ہر بار پناہ۔ تمام بناؤٹی معبود جہنم میں جھونکے جائیں گے۔ تو بناؤٹی معبودوں میں نبیوں کو صدیقین کو شہیدوں کو اولیاء اللہ کو نام لے لے کر گناہ اور اس ناپاک خیال کو قرآن کا مفہوم بتانا سب کو جہنمی قرار دینا ہے۔ تو یہ تو یہ۔

تمام بناؤٹی معبودوں کا جہنم میں جانا قرآنی فیصلہ ہے۔ مودودی صاحب کے علم سے آخر یہ اعلانات قرآنی کس طرح باہر تسلیم کئے جائیں۔ پھر ان بناؤٹی معبودوں میں انبیاء اولیاء شہداء و صالحین کو آخر وہ کس دل سے شامل کرتے ہیں۔ کوئی ان سے پوچھنے والا ہے؟

قرآن میں دوسری جگہ داروہ ہے۔ لَوْ كَانَهُمْ يَفْقَهُونَ مَا فِيهَا مَعْنَىٰ تَعْبُدُوا مَعَنَا وَلَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۚ تَعْبُدُوا اللَّهَ حَقَّ تَعْبَادِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا عَلِيمًا ۚ (سورہ بقرہ ۱۷۸) یعنی اگر بناؤٹی معبود مورتیاں واقعی معبود ہوتے تو جہنم میں نہ جاتے۔

انبیاء صدیقین شہداء اور صالحین بالاتفاق القمت علیہم کامصدق اللہ کی طرف سے صاحبانِ نعمت ہیں۔ اہلِ نعیم ہیں۔ صراطِ مستقیم کے قائد امام رہنا ہیں۔ اگر وہ بقول مودودی صاحب میدعون من دون اللہ کا خاص طور سے مصداق ہوں گے۔ اور وہ جو میدعون من دون اللہ کامصدق ہیں جہنم میں جائیں گے جیسا کہ قرآنی اعلان ہے۔ تو پھر انبیاء صدیقین، شہیدین و صالحین جہنم میں جائیں گے۔ نعوذ باللہ۔ نعوذ باللہ۔ نعوذ باللہ۔

لیکن اس تجویز کے وقت مودودی صاحب نے یہ نہ سوچا کہ یہ نفوس قدسیہ اگر جہنم میں داروہ ہوئے تو جہنم جنت بن جائے گا۔ آگ گلزار ہو جائے گی۔ دوزخ تو مومن ہی سے پناہ مانگتی ہے کہ یا اللہ مجھ کو بندہ مومن سے محفوظ رکھا۔ مومن کا وہاں گذر ہوگا تو دوزخ عرض کرے گی۔ حیریا مومن ان لئذک یطفی نارہا۔

اے مومن چدری سے گزر جا۔ تیرا لوز تو میری نار کو سجھائے دے رہا ہے
سے منلا ناروم رحم اللہ فرماتے ہیں۔

در حدیث ۱ رو کہ مومن در دعا چوں اماں جوید زود رخ از خدا

دوزخ ازوے ہم اماں جوید یکا کہ خدا یاد در دارم از فلاں

یعنی حدیث میں آیا ہے کہ مومن جب خدا سے یہ عرض کرتا ہے کہ

وقنا ربنا عذاب الناس یا اللہ مجھے دوزخ سے بچاتا تو دوزخ بھی

اللہ سے بے التجا کرتی ہے کہ یا اللہ مجھ کو اپنے اس بندہ مومن سے بچانا مفسر مجتہد

اور مجتہد ہونے سے پہلے اگر وہ طالب علم ہوتے یا قرآن کی سے پڑھا ہوتا سمجھا سیکھا

ہوتا کسی عالم کے سامنے زانوئے ادب اہتہ کیا ہوتا کسی مستند رسگاہ سے

تخصیل علم کی ہوتی جو شخص علوم ظاہری کی تخصیل میں کسی استاد کی ضرورت نہ سمجھے اور

علوم باطنی کی تخصیل میں کسی شیخ کی ضرورت نہ سمجھے ایسا بے استاد بے پیر خود رانی

اور خود بینی میں مبتلا ہو کر جو کچھ بھی نہ کر گزرے کم ہے حضرت علی علیہ السلام

نے کیا خوب فرمایا ہے۔ من لا شیخہ فشیخہ الشیطان جس کا کوئی

استاد نہیں اس کا استاد شیطان ہے۔

مولانا روم فرماتے ہیں کہ

ہر کہ او بے مرشدے در کار شد اور غولان ہر وہ دو چار شد

جو شخص بے مرشد کے راستہ اختیار کرتا ہے وہ غول بیابانی اور شیاہیں

سکات سفر ہوتا ہے

بے عنایات حق و خامان حق گر ملک باشد سیر ہستش درق

اللہ اور اللہ کی عنایتوں کے بغیر انسان تو انسان فرشتہ بھی ہوتا تو ان

عنایتوں سے محروم ہونے کی وجہ سے اس کا نامہ اعمال سیاہ ہے

اعتراف ہشتم | مودعی صاحب اصول دین سے بھی واقف نہیں۔ یہ دعویٰ
من دون اللہ غیر اللہ کو پکارنے کا کیا مطلب ہے۔

وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ یہ دعویٰ من دون اللہ سے یہ دعویٰ من

دون اللہ مراد ہے۔ جو لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں ورنہ پھر ظاہر ہے کہ

جو شخص غیر اللہ کو معبود نہیں جانتا اس کی پرستش کرتا ہے، وہ غیر اللہ کو پکارتا

ہے۔ اور دیتا ہے۔ یہ غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ غیر اللہ کا پجاری ہے۔ پھر جو

شخص کہ صفات الوہیت اور اللہ کی معبودیت میں غیر اللہ کو شریک کرتا ہے، تو

اس میں اصحاب قبور کی کیا خصوصیت ہے۔ اگر زندہ انسانوں کو کوئی معبود سمجھتا ہے

یا جن، شیاطین فرشتوں، جانوروں، درندوں، مادہ یا ڈوں وغیرہ جہاں تپ

تباتات، حیوانات میں سے کسی کو بھی پوجتا ہے۔ ہر معبود باطل یہ دعویٰ من دون اللہ

کا مصداق ہوگا۔ اس میں کوئی تخصیص کوئی استثنا درست نہ ہوگا۔ رہا یہ شیعہ کہ ابوات

غیر حیات کا جملہ مردہ پرستی کے لئے مشکل ہے یہ وہیم باطل ہے۔ اور اس طرح

رفع ہوگا کہ یہ جملہ اموات غیبا حیا معبودین باطلہ کی صفت نہیں ہے بلکہ پجاریوں

کی صفت ہے، یعنی کفار و مشرکین کو مردہ کہا گیا ہے کہ وہ مردہ نہیں ہیں، مردہ دل ہیں،

اس مدعا پر ہم قرآن سے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ کفار کو قرآن نے مردہ کہا ہے حالانکہ

دیکھتے ہیں وہ زندہ نظر آتے ہیں۔

اعتراف نہدہم | من دون اللہ سے تمام مفسرین نے اقسام مراد لئے

ہے۔ اس کی وجوہات مودعی صاحب کے علم سے باہر

ہیں۔ مثلاً

الف - وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ آیات کفار و مشرکین کے حق میں نازل ہوئی ہیں

پھر ان آیات کو مسلمانوں کے حق میں نافذ کرنا جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل ہیں۔ آیات قرآنی کو اپنے مقام سے ہٹانا ہے اور یہ اہل ہوس کا شعار ہے۔

جب انزل آیات کے وقت عہد بنوی میں خود مسلمانوں کا ارباب پر من دون اللہ کا پرستار ہونا عقل و نقل سے ثابت نہیں ہے۔ حالانکہ ہود دی صاحب کی تفسیر سے یہ لازم آتا ہے کہ عہد بنوی میں مسلمان پرستاران غیر اللہ موجود ہوں اور ان کے حق میں یہ آیات نازل ہوئی ہوں۔ اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے ان آیات مبارکہ کا جو مطلب آج بیان کر رہے ہیں وہ اس مطلب سے قطعی مخالفت اور متضاد ہے۔ جو مطلب کہ خدا و رسول کی مراد ہے اور جو عہد بنوی میں سمجھا سمجھایا گیا نامل لازم ہے۔

دعای عہد بنوی میں زیارت قبور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مضمون تھا ، بکثرت ایسی احادیث موجود ہیں۔ جن میں آپ نے زیارت قبور اور مافی القبور کی خبر دی ہے۔ مثلاً مردوں پر عذاب و ثواب ہونا۔ قبر کا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہونا یا جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہونا۔ آپ کی دعا سے عذاب قبر رفع ہوتا پھر آداب زیارت قبور میں آپ کا یہ تعلیم فرمانا کہ ، صاحب قبر کو سلام کیا جائے۔ سماع موتے پر دلالت کرتا ہے لیکن فرح تعالہ (النجاری) صاحب قبر پر آئے جانے والوں کے پاؤں کی چاچا بھی سنتا ہے ، اے عمر پر مردے تجھ سے زیادہ سنتے ہیں یہی حال موتے کے دیکھنے کا ہے وہ قبر سے باہر کپڑوں کو بھی دیکھتا ہے ذرا ترین کو پہناتا ہے۔ شکر نکیر کو دیکھتا ہے۔ ان کے سوالات سنتا ہے۔ جو آیات و کتابہ اور ما تفتون فی ہذا الرجل اس شخص کے متعلق تم کیا کہتے ہو۔ حدیث مبارکہ کا یہ جملہ نہ صرف سماع موتے پر دلالت کرتا ہے۔ بلکہ

اللہ تعالیٰ کی سب سے صفات، امہات علم، ہیات ارادہ، قدرت، سمیع، بصر
 کلام اس منہرِ اکم ممیت سے متعلق ہونا ظاہر کر دیا ہے، اگر مقبوران صفات
 سے موصوف نہ ہو تو پھر قبر میں سوال و جواب و عذاب و ثواب کے کچھ معنی نہ ہوں
 ان حقائق سے بے خبری..... ہی مقبور کو مٹی کا ڈھیر کہتے پر ادا وہ کر سکتی ہے۔
 اور مایشعروں ایان تبعثون کا مصداق قرار دے سکتی ہے ورنہ کوئی
 صاحب ایمان ثواب الدار الاخرۃ لہی الحیوان لوکا لوزا یعلمون
 بے شک منزلِ آخرت ہی حقیقی زندگی کی منزل ہے۔ کاش تمہیں معلوم ہوتا کہ انکر نہیں
 ہو سکتا۔ اور نہ کوئی مسلمان اس سے منحرف ہو سکتا ہے۔ کہ آخرت کی منزلوں میں
 سے پہلی منزل قبر ہے۔

جہاں ظاہر پرستوں کی سطحی نگاہیں زندگی کے ختم ہونے کا یقین حاصل کرتی
 ہیں ٹھیک اسی نقطہ سے صحیح معنوں میں اصلی زندگی شروع ہوتی ہے جہاں
 مادہ پرست نگاہیں انقطاع حیات کا حکم لگاتی ہیں۔ عین اسی مقام پر ایمان
 کی آنکھیں دکھتی ہیں کہ حیات حقیقی کا آغاز ہوا ہے؟

مایشعروں ایان یبعثون کے معنوں
 میں مودودی صاحب نے سوت غلطی کی فاحش اور

اعترافِ وہم

خطرناک بھی۔ خصوصاً لکڑی پتھر کی مورٹیوں کو صحت و دن اللہ سے خارج
 کرنے میں جہاں انہوں نے حکم لگایا کہ مایشعروں ایان یبعثون
 سے الفاظ ان مورٹیوں کو خارج از بحث کر دیتے ہیں اور یہ کہ ان مورٹیوں کے محذور
 ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ حالانکہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ
 اللہ تعالیٰ قیامت دن بتوں کو بیچت فرمائے گا۔ اس مقام پر مودودی
 صاحب کا احادیث سے بیخبر ہونا ثابت ہوا۔ یا انہوں نے اپنی رائے کو حدیث

کے مقابلہ میں زیادہ وسیع سمجھا۔

غاطی و جبرگی | محاورہ شرعی نہ سمجھنے کی غلطی سرزد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ شرع شریف کلمات میں، دعوت، ارشاد اور جمل جو کتاب و سنت میں وارد ہوئے ہیں۔ ان سے مدعولہ کی الوہیت کا اعتقاد کے ساتھ اقرار کرنا ہے۔ نہ کہ صرف پکارنا، یا محض ارادہ زویا۔ مثلاً کلام الہی میں ہے۔

۱) **ومن یقل منہم اٰتی فرشتوں میں سے جو کوئی یہ**
اللہ من دونہ فزالک الجزیہ اعتقاد کرے کہ میں خدا کے سوا
جہنم معبود ہوں تو اس کو جہنم میں اس کا
 بدلہ دوں گا۔

۲) **لا تھولوا قلثہ ولا تتخذوا الہمین اثنتین** تین خداؤں کا اعتقاد نہ رکھو اور
واحد دو خداؤں کا عقیدہ اختیار نہ کرو
 کوئی خالق نہیں مگر خدا نے واحد

اسی طرح **ومن یدع مع اللہ الہا کفر** میں دعوت سے مراد و کفر خدا کا اعتقاد ہے نہ کہ صرف پکارنا یا ارادہ زویا۔ یہ معنی جو محاورہ شرعی میں اگر مودودی صاحب کو معلوم ہوتے تو وہ ہرگز یہ نہ کہتے کہ انبیاء اولیاء من دون اللہ ہیں شامل ہیں انہذا استغانت کو شرک سمجھا اور انبیاء کو انعام میں شامل کرنا باطل مبنیٰ برہیل ہے اس کے چند وجوہ اور بھی ہیں۔

وجہ اول | بقرہ میں محال انبیاء اور اولیاء من دون اللہ میں شامل ہوں اور بھی (دراپہ) اور منشا شرک، ان آیات میں اقرار اور اعتقاد الوہیت کے ساتھ مدعولہ کی دعوت یعنی پکارنا مراد ہے۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ اپنے بتوں کو الہ اور معبود کہتے تھے۔

وجہ شکر | ان نبیوں کے حق میں اقرار الہومیت اور ان کی عبادت کرنا ہی وجہ شکر تھا یا کوئی اور چیز۔ پھر وہ کون سا مسلمان ہے جو انبیاء اور اولیاء کے حق میں اقرار الہومیت کرتا ہے؟ تاکہ لا تَدْخُلَ مَعَ اللَّهِ اَنْهَآ اَخْسَرُ كِي هٰی اس کی طرف رجوع کرے۔

وجہ دوم | اللہ تعالیٰ معبودانِ کفار کے حق میں لا ینفع ولا یضر ذہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان فرماتا ہے ان ایتوں کا مصداق انبیاء اور اولیاء کو قرار دیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء و اولیاء نفع نقصان پہنچانے والے نہیں ہیں۔ حالانکہ انبیاء رحمۃ اللعالمین و شفیع المذنبین ہادی مضلین، سراپا خیر و برکت اور دافع حرج و مفرت ہیں۔ انبیاء کو بتوں کی طرح لا ینفع ولا یضر سمجھنا کس قدر ایمان فروش ہے؟

وجہ سوم | پیغمبر کی عاجزی اور عبوری کا گمان انکارِ نبوت کو مستلزم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دونوں عالم کا نظم انبیاء کے سپرد فرمایا ہے، اگر نبیوں کو قدرت تام اور تصرف عام خدائے تعالیٰ نہ فرماتا تو ذریعہ نبوت کا سراپا بنام ہونا ممکن ہوتا سداہ اگر قہر کا ارادہ کریں تو عالم ایک آن میں برباد ہو جائے۔ ان کے مہر سے دیران ملک ایک آن میں آباد ہو جائیں جیسا کہ قصص و معجزات اور واقعات قہری قوم لوط و عاتق و موسیٰ اور فرعون سے کلام اللہ بھرا ہوا ہے۔

وجہ چہارم | انبیاء اور اولیاء اللہ سے استغانت کا انکار اس سبب سے کہا جاتا ہے کہ منکرینِ ارجح کا بلین ارجح ناقصین میں کوئی امتیاز اور فرق نہیں کرنے اور کہتے ہیں کہ خداوند عالم نے خیر و شر

اور نفع دھڑر کی قدرت اپنے اختیار میں رکھیں ہے کسی جن کسی اور کسی فرشتہ کسی
 بنی کسی ولی کو کسی حکام کی کوئی قدرت اور کسی بات کا کوئی اختیار نہیں دیا ہے۔
 اختیار سے مراد اگر انبیاء کی ذاتی حول و قوت مراد ہے جو خدا کی طرف
 سے نہ ہو تو اس معنی میں کوئی مسلمان قائل نہیں اور اگر اختیار سے خدا کی بخشی ہوئی
 حول و قوت مراد ہے جو خدا کی طرف سے نہ ہو تو اس معنی میں کوئی مسلمان قائل
 نہیں۔ اور اگر اختیار سے خدا کی بخشی ہوئی حول و قوت مراد ہے تو اس اختیار کا انکار
 خلاف عقل و نقل ہے۔ شیطا طین اور جن و ملائک کے نفرت و قدرت کا انکار
 نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح قرآن شریف ناظر ہے کہ حضرت آدمؑ و زینبؑ
 سلیمان نے جو کہ ولی تھے تخت بلقیس کو پلک چھپکتے ہیں لاکر رکھ دیا۔ حضرت مریم
 ولیہ تھیں۔ یہ ان کی کرامت تھی مسجد بیت المقدس میں کی محراب میں گرمیوں کے
 بیوے سردی میں اور سردیوں کے بیوے گرمی میں موجود ہوتے تھے چنانچہ
 قرآن میں ہے۔

کَلِمَاتٍ دَخَلَ ذِكْرُهَا الْمِحْرَابِ حضرت ذکر اہلیہ السلام مسجد کی محراب میں
 وَ رَجَدَ عِنْدَهَا سُرْقًا جب بھی داخل ہوئے تو حضرت
 مَرِيَمَ كَيْفَ يَأْتِيهَا خُورْدَانِي تَرْدًا زَاهٍ مریم کے پاس اشیاء خوردنی تازہ
 مِيُوَّةَ يَأْتِيهَا میوے پاتے۔

ماہنامہ فاران جون ۱۹۵۶ء میں زیر عنوان ہماری
 نظر میں محترم مدیر رسالہ ماہر القادری صاحب ماہنامہ
 تبصرے پر تبصرہ

تک پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ
 (خلاصہ) سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دنیا کے سامنے ایک
 اعلیٰ مرتبہ سیاسی اور مثالی حکمران کی حیثیت سے اب تک پیش کیا جاتا رہا

لیکن ماہنامہ تاج نے اپنی اشاعت بھر یہ ماہ اپریل میں صاحب کشف و کرامت کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔

ماہر صاحب کے یہ خیالات قابل قدر ہیں مگر ماہنامہ تاج پر تبصرہ کے سلسلے میں ان کو پیش کرتا جس سے اس رسالہ کی اہمیت میں فرق اُسے حیرت انگیز بات ہے مدبر فاران کو سمجھنا چاہئے کہ اگر کسی اعلیٰ شخصیت کی زندگی کے مختلف پہلو ہوں اور ہر پہلو اپنی جگہ مثالی ہو تو کسی فن میں اس پہلو کو زیر غور لایا جائے گا جو موضوع کتاب کے مناسب ہو بلاشبہ سب اسلامی سیاست کا ذکر ایک گام
 نو آگاہ سیدنا فاروق کے کشف و

کرامات کیا۔ ہم حضور سیدنا صلی اللہ علیہ وسلم و آلہ وسلم کے معجزات سے بھی بحث نہیں کریں گے۔ جناب ماہر صاحب کو سمجھنا چاہئے تھا کہ ماہنامہ تاج نشوونما کا ترجمان ہے یہاں تجلیات روحانی ہی سے بحث کی جائے گی اور کشف و کرامات انھیں تجلیات کی شعاعیں ہیں۔

۲۔ کلمۃ الحق کی عبارت نقل کرنے کے بعد ماہر القادری صاحب اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔

کہ حضرت مولانا شاہ صوفی عبدالرحمن لکھنوی کے بیان کے مطابق صوفیاء کی ایک محدود جماعت کے سوا سلف سے لے کر خلف تک تمام عوام و خواص مسلمان جن میں محدثین و مفسرین وغیرہم بھی داخل ہوں کلمہ طیبہ کے محسوف اور مرتکب شرک قرار پاتے ہیں حالانکہ جنسیت اور غیریت کا نظریہ یونانی عجمی اور اریائی ہے اس کو اسلامی تصورات سے دور کا بھی تعلق نہیں۔

یہ باتیں بڑی دقیق ہیں جن کو ماہر صاحب کا علم و ذہن برداشت نہیں کر سکتا پھر بھی ان کے جذبات کا ہم احترام کرتے ہیں اور ان کی حق گوئی کی داد دیتے

ہیں کہ ایک سچے مسلمان کی طرح ایمان اور عقائد کے متعلق اپنے نظریات بر ملا پیش کر دیئے ذیل کی چند سطروں میں ہم ماہر صاحب کے علمی معیار کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کریں گے۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ مخلوق ظلمت امکان وجود و ثبوت میں اس طرح تہ بہ تہ لپٹی ہوئی ہے کہ توحید کی تجلیات کا مشاہدہ اور حقیقت الحقائق کی معرفت اس کے بس سے باہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی معرفت کی نصبت عناکرت کے لئے اللہ رب العزت نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خلق فرمایا جو خالق و مخلوق کے درمیان برزخ کبریٰ میں بھی اسی لئے کلمہ توحید میں اقرار الوہیت کے ساتھ اقرار رسالت محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام توحید کا جزو قرار پا پاور نہ توحید میں شریک کسی؟ ایک کے اقرار کے لئے دوئی کا اعلان ہو رہا ہے۔

ماہر صاحب ذرا قرآن پڑھئے سیدنا یعقوب علیہ السلام اپنے مرض وفاق میں تمام اولاد کو ملائے ہیں اور وصیت کرتے ہیں جن میں ایک وصیت یہ ہے کہ میرے بعد تم لوگ کس کی عبادت کرو گے۔ تمام مکرم و محترم بیٹوں نے بک دیاں ہو کر جواب دیا کہ ابراہیم و اسمعیل و اسحاق اللہ و اٰحٰل کیا آج کل کے تیس مار قانون کی طرح بنی اسرائیل کا قبائلی خدا دینا والوں کے خداؤں سے علیحدہ تھا۔ جو ان بزرگوں نے اپنے ابا و کرام کی نسبت سے ایک خدا کی پرستش کا اعلان کیا۔ نہیں ہرگز نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ خدا کی معرفت انبیاء علیہم السلام کی وساطت و وسیلہ کے بغیر ناممکن ہے اللہ کی حقیقی معرفت تو انبیاء ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ رہے عوام تو ان کی معرفت کا سارا تعلق بنی کی تصدیق پر موقوف ہے جس طرح مقتدی کی نماز امام کی نماز کے تابع ہے۔ جو شخص بنی کی ذات سے جتنا قریب ہوتا جائے گا ان سے فیضان

کے نتیجے میں اللہ رب العزت کی معرفت سے بقدر مراتب پہرہ ور ہوگا۔ اگرچہ بنات کے لئے نفس تصدیق رسالت کافی ہے لیکن تصدیق رسالت سے حقیقت الہی کی معرفت ضروری نہیں۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ وہ آخری مقتدی جو امام سے بہت پیچھے صفت کے دور آخری حصے میں ہے۔ نماز اس کی بھی ہو جاتی ہے لیکن امام سے متصل جو ذوی الاہلام ہیں پر حال ان کی نماز زیادہ فضیلت در رفت کا تقاضا رکھتی ہے بلکہ اصل نماز امام کی ہے۔ اسی لئے قرأت فاتحہ و ضم سورہ امام پر جو ہے، اور مقتدی کی نماز میں متابعت امام میں مستحق ہوتی ہیں لہذا ان کے ذمے قرأت، فاتحہ، و ضم سورہ عائد نہیں ہوتے۔

کاش ماہر القادری صاحب اگر مضمون کلام کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ تو کم از کم مولانا عبدالرحمن کی پوری تحریر ہی پڑھ لیتے تو اس مسئلہ زبردستی میں دلائل سے ثابت کرتے ہوئے مولانا کے مکرم رحمۃ اللہ علیہ صاف لفظوں میں بیان کر دیا کہ تمام علماء و عوام جو کلمہ توحید کے جزو ثانی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ صاحب ایمان ہیں۔ یہ اور اس طرح جزو اول لا الہ الا اللہ کے بھی تبعاً و تہمتاً مستحق ہیں۔

شاید ماہر صاحب اس وضاحت کو بھی نہ سمجھ سکیں تو ہم ایک اور مسئلہ قتال کے ذریعہ ان کی تسکین خاطر کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ ہمارے آپ کے اجداد سلف سے خلف تک تمام ملت اسلامیہ کے عقیدہ کی بنیاد ہے کہ حضور سید عالم ہر گناہ سے معصوم اور پاک ہیں اور کوئی الزام اعلان بتوت سے پہلے یا بعد کے دور زندگی میں اگر متصور ہو تو ما تقدم من ذنبك وتأخر کاستد کی روح سے مغفور و بخشید ہے۔ ساتھ ہی ساتھ قرآن مجید پر ایمان رکھنے والا یہ بھی جانتا ہے کہ لا اخرة خیر لك من الاولى حضور

اکرم علیہ السلام کی زندگی کا ہر لمحہ لاشعور سے سابق سے بہتر ہوتا رہتا ہے۔ ان تمام تعریجات کے باوجود حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہمیشہ استغفار کی ہدایت ملتی رہی گناہ کو آپ ہر حال میں پاک فرمایا اور ان کی آگے چلے اور آپ کے مقام بلند کرنا دیا پھر بقول تیزنا عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ماہر صاحب انتساب کرتے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم دن رات میں ستر ہزار بار استغفار کرتے تھے نور طلب مسئلہ ہے کہ اللہ کا حکم اور حضور کی تعبیل کا مفہوم کیا تھا۔ اہل حق جانتے ہیں ہر استغفار سے شیون و تجلیات کا تہجد و تجدید وابتدائہ تھا اور انکھرت لمحہ بہ لمحہ معرفت کی منزل اعلیٰ سے مقام اعلیٰ کی طرف ترقی کرتے رہے اور ہر مقام کی معرفت سابقہ عرفان کی غیر تھی اس لئے کہ شیون الہیہ اور تجلیات حق میں تجدید ہے تکرار نہیں۔ مبداء فیاض تجیل نہیں ہے اور نہ اس کی صفات کے گرد و دو قائم ہیں نہ تکرار و سکون کا گذر ہے یہی حال کلمہ توحید کی معرفت کا ہے لفظی و عامی مفہوم کلمہ بھی حق ہے جس کی تشریح علمائے مفسرین و محدثین کا کام ہے اور اس پاک کلمہ کے وہ منہومات جو اہل شہود کو دوسرے مقامات میں حاصل ہوتے ہیں وہ بھی حق میں دونوں مقامات کی غیریت نجات اخروی سے مانع نہیں۔ غلطی دراصل یہ ہے کہ ایک مقام کے پیمانہ معرفت کو بلند تر مقام کے لئے بھی معیاری تسلیم کیا جائے۔

ماہر القادری صاحب جب معرفت کے ابتدائی مفہوم کو نہیں سمجھ سکتے تو انہیں معلوم حضرت عبد القادر جیلانی کے اس قول کو سن کر کتنے پریشان ہوں گے کہ جب عارف مقام توحید میں پہنچتا ہے تو نہ خود رہتا ہے نہ خدا نہ جنت نہ دوزخ نہ کفر نہ ایمان نہ عذاب نہ ثواب وغیرہ اور یہ کہ من اس ادا العبادۃ بعد الوصل فقد کفر۔

ماہر صاحب اپنی بے علمی کا انوار قرار نہیں کرتے اور فہم قرآن کے مدعی ہو جاتے

میں کہتے ہیں کہ لا الہ کا مفہوم جو سیدنا قطب عالم لکھنوی نے بیان فرمایا وہ قرآن
کی روشنی میں قابل رد ہے۔ کاش اتنا بڑا رد عا اور ایسے الزام سے پہلے تو اعدا عربی
اور لغت زبان کی پابندی کے ساتھ ان کلمات قرآنہ کی تلاوت کر لیتے۔ ہو کا دل
والا آخر فالظاہر والباطن و هو بکل شیئی عظیم بنیر اس حقیقت مطلقہ کا اردو
کہہ لیتے کہ جان اللہ ولم یکن معہ شیئی اور اس کے ساتھ ذرا اس پر
بھی غور کیجئے کہ ہم خلقنا کم من غیر شیئی تو بقدر ضرورت حضرت صوفی
عبدالرحمن صاحب کی تخریر سمجھیں آجاتی۔

مذکورہ بالا سطور کی مدد سے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ
کی کتاب فتوحات کے عبارت محولہ کو بھی سمجھ سکتے ہیں۔ ماہر القادری صاحب کو
یاد رکھنا چاہئے کہ افعال عباد مخلوقہ اللہ ہیں اور ہر مخلوق اپنے وجود و ظہور میں
اللہ تبارک و تعالیٰ کی مشیت و ارادہ کے تابع ہے لہذا جو فعل بھی کسی بندے
سے صادر ہوتا ہے اس کی ابتداء انتہا اللہ جل و علا کی مشیت و ارادہ ہے
چونکہ یہ مسئلہ خود اپنی جگہ بہت دقیق ہے کہ معتزلہ اور اہل السنۃ اشاعرہ کے
مستقبل گروہ بن گئے اور رصوں و فروغ میں دونوں ایک دوسرے سے الگ ہیں
لہذا ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ماہر صاحب اگر چاہیں تو مدیر تاج کی طرف
زیاتی رجوع کر سکتے ہیں۔

ماہر صاحب بابا تاج الدین کو شہنشاہ ہفت اقلیم کے کہنے کے متعلق جو
مخالفت ہے وہ مطلق ہے نہ کہ مقید بہ ہفت اقلیم۔ اللہ کی شاہنشاہی کو اگر مقید
کہ دیں گے تو جرم ہوگا۔ مثلاً اللہ تبارک و تعالیٰ رب السموات والارض ہے تقاضا
ادب یہی ہے کہ ہم بھی ان دونوں مضاف الیہ کے ساتھ یا مطلق یا اسم رب اللہ
کو لپکاریں کسی ایک مضاف الیہ پر اضافت رب کی قناعت گستاخی سے پہلے

ہفت اقلیم کی قید کے بعد از روئے حدیث الزام کی گنجائش نہیں رہی ۔
 دوئم :- حدیث قدسی ہے کہ بندہ لوظفل کے ذریعے وہ مقام تقرب حاصل
 کر لیتا ہے کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سر
 وہ گرفت کرتا ہے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، آنکھ بن جاتا ہوں جس
 سے دیکھتا ہے کان بن جاتا ہوں جس سے سنتا ہے ۔

خیر اس حیثیت کو آپ کیا سمجھیں گے کہ جب تک پیشتر کوئی بے ہودی وحدت
 نہ ہو جو عودہ اتصال عقلاً ممکن نہیں۔ مگر یہ تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ تقرب حق کے
 بعد ارادہ قدرت بندہ مقرب کے ذریعے سے بھی کائنات میں نافذ العمل ہوتا
 ہے اور بقول مولانا لکے رحم ۔

گفتہ اوگفتہ اللہ بود گرچہ از طلقوم عبد اللہ بود

لہذا بندہ مقرب کے اختیارات دراصل اللہ بزرگ برتر کے اپنے اقتدار
 کا اظہار ہے۔ خداوند قدوس اپنے مقام اطلاق میں شہنشاہ کل ہے مگر بندہ
 مقرب کی وسالت سے اظہار قدرت میں بندہ مختار مقید ہوتا ہے تاکہ قدم وحدت
 کا امتیاز باقی رکھا جائے۔ لہذا شہنشاہ کل ہے یا شہنشاہ ہفت اقلیم حقیقی
 شہنشاہی تو اللہ ہی کی بالواسطہ بلا واسطہ دونوں صورتوں میں ہے۔ فرق نفس
 اطلاق و تقید اور قدم وحدت کا ہے جو بہ پاس ادب ملحوظ رکھنا ضروری
 ہے اور ہفت اقلیم کی قید لگا کر اس میں امتیاز ظاہر کر دیا گیا ۔

ماہر صاحب عینیت وغیریت کے مسئلے کو یونانی، عجمی اور ویدانتا کہہ کر
 خارج از اسلام قرار دے رہے ہیں کسی نظریے کو رد کرنے کے لئے ماہر صاحب
 کا انداز بیان بالکل ناکافی ہے اس کی تردید و ابطال کی کوئی دلیل پیش کرنی چاہئے۔
 ہم آپ سے بھی اقرار کرتے ہیں کہ وجود بحث کی معرفت اور اللہ بزرگ برتر کا عرفان

ایک ایسا مسئلہ ہے جو افکار انسانی کے لئے انسان اول سے شروع ہوا۔
 ہر دور میں بنی آئے اور اللہ کی طرف بلایا۔ اور ہر زمانے میں انسان نے
 حقیقت الحقائق کی معرفت کی کوششیں شروع کیں۔ لہذا سابقہ تعلیمات کے
 اثرات اگر دنیا کی قدیم اور غیر قوموں کے عقائد و نظریات میں نظر آئیں تو آپ
 ان کو غلط کیونکر ٹھیرا سکتے ہیں۔ یا اپنے فہم و فکر اور عقل و شعور کی مدد سے
 انسانوں نے وجود الوجود کے ادراک کی سعی کی تو آپ اسے بالکل کلیہ باطل
 کس دلیل سے قرار دیں گے۔ ہاں اگر قرآن و حدیث عینیت و غیریت کی نزدیک
 کریں۔ تو آپ کا اعتراض صحیح تھا مگر حقیقت آپ کی موافقت نہیں کرتی۔ اور
 قرآن و حدیث آپ کی تائید سے دستکش ہیں اب آپ خود اپنا موقف
 مستحکم جائیں۔

ماہر صاحب نے بڑی نفیس بات کہی کہ شریعت تو ہر مسلمان کو مبارک
 ہے مگر شریعت محمدی جو منسوب ہے سیدنا رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام
 کی طرف اور وہ شریعت جو مخاطب کی طرف مضاف ہے اپنا حکم الگ الگ
 رکھتی ہے۔ تمام مسلمان آنحضرت کی شریعت کے پابند ہیں نہ کہ ہر فرد کی اپنی
 اپنی شریعت لوگوں پر لازم قرار دی جائے۔

ماہر صاحب آخر میں جناب سبہ کی طرف سے فرستادگی پر اظہار پریشانی
 کر رہے ہیں اور فٹ نوٹ میں قادیانیوں کو خردہ سنار ہے ہیں کہ ان کے
 لئے تادمہ سالہ مل گیا ہے۔

جی رہے کہ فاران کے تدبیر، نبوت و رسالت کے مفہوم سے بھی غافل ہیں اور
 اتنا بھی نہیں جانتے کہ قادیانیوں کے اور مسلمانوں کے درمیان مفہوم نبوت میں کیا
 اختلاف ہے۔

اچھا تو سن لیجئے کہ اصطلاح شرع میں نبوت و رسالت اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف بعثت کا نام ہے اور نزول ملک اس نبوت کی تعریف میں داخل ہے۔ تمام مسلمان سلف و خلف بالاتفاق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم آخری مبعوث من اللہ صاحب نبوت و رسالت اور مہیبط ملک ہیں آپ کے بعد کوئی اور نبی مبعوث من اللہ نہیں ہوگا۔

جبکہ قادیانی اپنے سرگرمیوں کو مہیبط ملک اور مبعوث من اللہ تسلیم کرتے ہیں۔ دونوں فریق کا موقف ظاہر ہے جن میں ایک مومن اور دوسرا کافر ہے حضور سید عالم کو نبی آخر زمانے والے مسلمان کہلاتے ہیں اور عقیدہ اہل لام اسلام کی رو سے آنحضرت کے بعد کسی کو وحی صاحب وحی و مہیبط ملک قرار دینے والا درہ اسلام سے خارج ہے۔ یا باتاج الدین ناگپوری کو پیغمبر فاطمی کہنے سے قادیانیوں کو فرود سناتے ہیں تو یہ آپ کی نادانگہی ہے۔ رہا یہ سوال کہ نبی عمری شرعی کے علاوہ کس اور کھازہ سے نعت یا بہ اطلاق خاص بنی در رسول کہہ سکتے ہیں یا نہیں تو یہ الگ بات ہے۔

سنئے زبان صوفیاء میں ولایت ظل نبوت ہے اور ہر ولی کسی نہ کسی کے برزخ میں مقام رکھتا ہے اور کسی ولی کے لئے برزخ بنی کا حصول دراصل اس کے ایک منزل کی تکمیل ہے۔ یہاں پہنچ کر وہ مختلف برزخ ایسا سے گذرتا ہے۔ جب بیضا بن الہی سے برزخ محمدی میں پہنچتا ہے تو پھر مقامات محمدیہ کی تفصیلی سیر شروع ہوتی ہے اور یہی غیر بنی کی معراج کمال ہے۔ جبکہ انبیاء علیہ السلام صفات الہیہ کی سیر سے سرفراز ہوتے ہیں اور ان کے کمالات ہیں۔ لیکن جب تک ایک غیر بنی ترقی کر کے کسی بنی کے برزخ میں پہنچتا ہے۔

مقتد میں صاحبان ولایت اس کا نہیں کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہاتھی نشور

نمل کے ذریعے قوس ولایت میں داخل ہو۔

بابا صاحب اگپوری اگر اپنی تربیت کا ذکر فرمائیں اور برزخ نبی تک رسائی سے پہلے سیدہ پاک کے ظل ولایت کی تربیت میں رہیں تو سمجھدار اور واقف کار کے لئے مقام اعتراف نہیں ہے اور اس ظل فاطمی کا ذکر یہ لفظ پیر کیا جرم ہوگا۔

جیکہ رسول کا لفظ از روئے لغت عرف اصطلاحی مفہوم کے علاوہ بھی مستعمل ہوتا ہے حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب سیدنا معاذ کو مین کا دالی بنا کر روانہ کر رہے تھے تو کچھ سوال و جواب کے بعد فرمایا کہ ساری حمد اس اللہ کے لئے ہے جس نے اپنے رسول کے رسول کو توفیق خیر عطا فرمائی یہاں سیدنا معاذ کو بلفظ رسول یاد فرمایا۔

ماہر صاحب کو جانتا چاہئے کہ علماء کے نزدیک یہی مسئلہ قابل غور ہے کہ عجمی الفاظ اسلام کے اصولی اصطلاحات کی پوری نیابت کر سکتے ہیں یا نہیں اور اصل عربی اصطلاح کا حکم عجمی کلمہ اصطلاحی کی طرف منتقل ہو سکتا ہے یا نہیں لہذا جیت تک پیغمبر اور نبی کو لہمہ وجوہ شرعاً مساوی نہ قرار دیا جائے ماہر صاحب کو خود ساختہ اجتہاد کا ثواب نہیں مل سکتا۔

تیری شریعت تجھے مبارک یہ ماہر صاحب نے طبع آزمائی فرمائی ہے جیسے وہ نہیں جانتے ہوں کہ قرآن مجید میں بہت سے واقعات موجود ہیں جن میں صاحب الہام ولی یا نبی کو ظاہر احکام شرعی سے تجاوز کرنا پڑا ہے یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی ہے تو وہ موسیٰ اور خضر علیہ السلام کا فقرہ قرآن میں پڑھیں۔

بیٹے کو ذبح کرنا شریعت ابراہیمی میں کہاں جائز تھا۔ مگر سیدنا ابراہیم

نے خواب میں مشاہدہ کیا کہ وہ اپنے صاحبزادے کو ذبح کر رہے ہیں۔ تمام دنیا جانتی
 ہے کہ شرع و عقل سے تجاوز کر کے اپنے کثرت پرستیدنا ابراہیم علیہ السلام
 نے عمل فرمایا۔

ام موسیٰ پر الہام ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو تابوت میں بند کر کے
 دریا میں ڈال دو۔ کوئی ماں اپنے بچے کو اپنے ہاتھوں وریا میں ڈالتا پسذکر تی
 ہے۔ نہ عقل و شرع اس کی اجازت دیتے ہیں، مگر صاحب الہام اس حکم
 کی تعمیل پر مجبور ہے۔ چنانچہ ام موسیٰ نے حکم الہی کی تعمیل کی۔
 ماہر صاحب لہ

چو بشتوی سخن اہل دل گو کہ خطاست سخن شناس نہ دبر اخطا میں جا

آخر میں پیمبر زہرا پید اعراض ہے

ماہر صاحب اگر قرآن مجید سے واقف ہوتے تو یہ لغو اعتراض کرتے
 شہر صبا کی ملکہ اپنے قاصد سلیمان علیہ السلام کے پاس تحفہ تحائف کے
 ساتھ بھیجتی ہے۔ قرآن شریف میں قاصد بھیجنے والے مرسل اور
 قاصدوں کو مرسلین کہا گیا ہے۔ **وَإِن مَّرِيسَةٌ إِلَيْهِمْ
 بِهَدِيَّةٍ مَّنْظُورَةٌ لِّهَا يَرْجِعُ الْمُرْسَلُونَ**
 (پکس کو ع ۱۷) اور میں ان کی طرف کچھ تحفے بھیجتی ہوں، قاصد
 کیا ہوا بدلے کر پھرتے ہیں؟

اسی طرح سورۃ یوسف رکوع ۱۶ میں **فَلَمَّا جَاءَ عُرَاةَ الرَّسُولِ**

قال اسرجع الی سابق (پکس پاس سب قاصد ہا تو فرمایا اپنے
 لڑکے کے پاس واپس آیا۔)

ہم نے رسول کا ترجمہ قاصد کیا ہے اور سب کا ترجمہ آقا کیا ہے۔

قال يا قوم اتبعوا المرسلين (پس سرکوع ۲)

یہاں مسلمانوں سے رسول مراد نہیں کیونکہ صیغہ جمع ہے۔ یمن یا یمن سے زیادہ اندر دیا جاتا ہے۔ اور تین رسول بیک وقت کسی قوم پر بیفوت نہیں ہو سکتے۔ اسی لئے تمام مفسرین مشتق ہیں کہ یہاں مسلمانوں سے عیسیٰ علیہ السلام کے حواری نہیں مراد ہیں جو رسول ہی نہیں تھے رسول کے رسول تھے۔ جیسا کہ حضرت معاذ نے خود کو رسول اللہ کا رسول کہا ہے۔ اگر ماہر صاحب تفسیر قرآن اور تفسیر نہ ہوں تو کوئی امتیاز نہیں کرتے تو بے بصیرتی کا انتہا ہے اپنی فہم کا ماتم کیجئے۔ ہم نے قرآن و حدیث سے لفظ رسول کا اطلاق لغوی معنی میں ثابت کر دیا اور اس مجمع الی ربک میں مجازاً آقا کو رب کہنے کی نظیر قرآن کریم سے پیش کی ہے۔

دوسری آیت وارحمہم کما ربا بیاتی صدغیراً یاد آئی
ماہر صاحب قرآن مجید کی ان آیات کا مطالعہ کریں ترجمہ پر نہیں تفسیر معلوم کریں اگر معتز من یہ کہے کہ جس قرآن مجید میں اللہ نے اپنے آپ کو رب فرمایا ہے۔ اسی قرآن مجید نے آدمی کو آدمی کا رب کہا گیا ہے تو کیا جواب ہے؟ وہی جواب جناب سیدہ کی تربیت فرماتے پر آپ کا اعتراض ہے۔ اس کا جواب ہو گا۔

ہم آخر میں ماہر صاحب کو یہ بتا دیتا ضروری سمجھتے ہیں کہ مذہب کے معنی راستہ کے ہیں پھر راستہ وہی اچھا ہے جس پر چلنے والوں کے متعلق ہمیں یہ رسید ملے کہ وہ خیر نیت سے مشن تفسیر پر پہنچ گئے۔ یاد رہتا ہے اچھا ہے جس پر چلنے والوں کی کوئی رسید نہ آئی۔ نہ جانے کہ وہ کس گڑھے میں گر کر ہلاک ہو گئے۔

مسلمہ طور پر ادویا رتد کو تمام امت خدا سپرد تسلیم کرتی ہے، علماء اعلیٰ ہیں
ان کی مقبولیت کا اعلان ہو چکا ہے اور اہل ایمان کے قلوب میں ان کی محبت و
مقبولیت و دلچسپی کی گواہی ہے۔ اس راستہ کو اختیار کیجئے صراط اللہین
الغمت علیہم ہے، اس راہ راست سے گنٹا کر دوسرا راستہ صرف
مختصوبین اور ضالین کا ہے قداہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔

یہاں ارشاد "ہم معجزات دکرا مات کے منکر نہیں مگر زمانہ کے تقاضوں
کا لحاظ بھی ضروری ہے" (فاران) جو ابنا عرض ہے کہ من احب شیئاً
فکثر ذکرہ میں معجزات دکرا مات کا ذکر اس لئے محبوب ہے کہ یہ محبوبین حق
سے منسوب ہیں۔ لوگوں کو زمانہ کے تقاضے اس لئے ملحوظ ہیں کہ ان کا روئے
توجہ انہی کے زمانہ کی طرف ہے امر مع من احب (الحديث) ہر شخص اپنے
محبوب کے ساتھ مشغول ہوگا۔ اگر تاج میں کشف و کرا مات کا ذکر خلاف مزاج
زمانہ ہے تو پھر قرآن شریف میں معجزات دکرا مات کا ذکر جو کثرت موجود ہے اسکی
اشروا شاعت بھی محل اعتراض ہوگی؟ استغفر اللہ

ماہر صاحب خوب جانتے ہیں کہ اس دور میں جو مؤخر اور کارگر رہ و شناق اسلام
کے ہاتھ میں ہے۔ وہی ہی زمانہ کے تقاضوں کا بہانہ ہے چنانچہ خود ماہر صاحب
نے انتہائی غیض و غضب میں ان لوگوں کو بے دین، ملحد، مجوسی، کپیونسٹ کہا
ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اسلامی نظریے اس زمانہ کے تقاضوں کا ساتھ نہیں
دیتے۔ فاران "صفحہ ۵" پھر کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ اسی فاران میں
صفحہ ۳۶ پر وہ خود زمانہ کے تقاضوں کے قابل ہو گئے۔

ماہر صاحب! معادات ادویا اللہ سے کیجئے۔

آہستہ کہ رہ بر سر تیغ است قدم را

پندرہویں پرتیبصرہ

ستینزہ کا رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

فاران نے پندرہویں پرتیبصرہ کے عنوان سے اپنی اشاعت اگست ۱۹۵۶ء میں
ایک مضمون لکھا ہے، علم و ادب کی حدود سے گذر کر جو چاہے لکھا جاسکتا
جو چاہے کہا جاسکتا ہے خصوصاً اس دور میں جبکہ لسانی، لفظی اور زبان
درازی کو علم سمجھا جاتا ہے۔ ہوائے نفس کو دین خیال کیا جاتا ہے۔ اپنی رائے
اور خواہش کا نام لوگوں نے شریعت رکھ لیا ہے مسلمانوں پر نکتہ چینی، ان کی عیب
جوئی اور بدگوئی صالحیت کہلاتی ہے، اور علمائے دین، سلفِ صالحین اور ائمہ
مجتہدین کو برائی سے یاد کرنا اجتہاد کہلاتا ہے۔ انبیاء و عظام اور اولیائے کرام
سے بغض و عناد اور ان کے اقوال کی مخالفت کا نام اقامتِ دین رکھا گیا ہے
اسلام کی مصونیت کا انکار کرنا اسلام کی روحانیت کا مذاق اڑانا جیسے دین
کہلاتا ہے۔

مضمون زیر نظر میں ان باتوں کے علاوہ وجودِ باری کی وحدت کا تمسخر طریقاً
کیا ہے۔ موحدین کو ہدفِ ملامت بنایا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے
اختیار دکھلایا گیا ہے۔ اولیاء اللہ کے تفرقات سے انکار کیا گیا ہے۔ سرکارِ دو عالم اور
ادراپ کے اہلبیت اور آپ کے صحابہ کی حیاتِ طیبہ سے انکار کرتے ہوئے فیضانِ
روحی کا امتناع تجویز کیا گیا ہے۔ اختیار ذاتی و عطائی کی تفریق کو بدعت قرار دیا
گیا ہے۔

اور یہ سب باتیں۔ لطف یہ ہے کہ قرآن کے سرمنڈائی گئی ہیں آیات
سے سند پیش کی گئی ہے میں دعوت من دعوت اللہ کے معنی میں سو ددی
عنا سب کی تفسیر تفہیم القرآن بڑے فخر و شہرہ سے بطور سند پیش کی گئی ہے۔

تفسیر یا تحریف اس کے حقیقت آگے چل کر روز روشن کی طرح واضح ہو جائیگی
 ان ہم نے جمہور مفسرین کے اقوال کو جید دعوت من دون اللہ کے معنی میں نقل
 کیے تفسیر کبیر ابن اثیر، تفسیر طالین، تفسیر بحر المحیط، تفسیر روح المعانی، تفسیر
 البیان میں جملہ مفسرین نے لکھا ہے کہ بید دعوت من دون اللہ سے
 نام اور جہاد مراد ہیں مگر ان سب کے خلاف مودود کا صاحب نے
 صاحب قبول مراد لیتے ہیں۔ انبیاء اور پیامبر اور صالحین کو من دون اللہ
 معنی میں سمجھا گیا ہے۔ اسی پر کتفا نہیں کیا۔ بلکہ داتا گنج بخشؒ شریف نوازؒ
 نکلتا، فریادیں (دعوت) کے نام لکھ کر معادوات اور پیامبر کا مظاہرہ کیا ہے۔
 یالین کو انہوں نے زندہ کہا ہے اور نبیوں کو مردہ تسلیم کیا ہے۔ انہوں نے
 شر و شرانام کا صریح انکار کیا ہے، جہاں انہوں نے کہا ہے کہ لکڑی پتھر کی
 رتیوں کے معاملہ میں بعث لعل املیٰ کا کوئی سوال نہیں ہے، حالانکہ ان کا
 قول کتاب و سنت اور جمہور مفسرین کے خلاف ہے اور ان کفار کے اقوال
 سے بالکل موافق ہے جو مشرک جاد کے منکر ہیں جن کی تفصیلات آئندہ ادراک
 میں ناظرین ملاحظہ فرمائیں گے۔ یہاں صرف یہ ظاہر کر دینا کافی ہے کہ مدیہ فاران
 نے اپنے عقائد کا سرچشمہ مودود کی صاحب کی تفسیر القرآن کو قرار دیا ہے اور
 اس کی اس لئے مزور ثمان کی تفسیر کو دیکھا اور بطور منع اس کا رد کیا اور نہ
 ہی اعتبار سے اس قسم کی تفسیر بالرائے کا مطالعہ کرنا نہ صرف تبصیح وقت بلکہ
 ناہ ہے۔

مدیہ فاران کہتے ہیں۔ فاران نے جس بانگ کو سن سمجھا اسکی
 حمایت میں کسی مصلحت خوف اور طمع کی پردہ نہیں کی۔ اس نے

ان کے کی چوٹ اعلان حق کیا ہے، (فاران)

فاران کے صفحات شاہد ہیں کہ اس نے جس بات کو حق سمجھا ہے وہ مرد
مردودی صاحب کی بات ہے۔ اس کی حمایت اور حقانیت کا اعلان بے شک
وہ دن کے کی چوٹ کرتے رہے ہیں جیسا کہ فاران "جولائی صفحہ ۷ پر ان کے یہ کلمات جو
رہنما "اعلان حق" موجود ہیں۔

ایسے مخلص حق شناس اور باہمت لوگ میدان میں اچکے ہیں جو
اللہ کے دین کو غالب کرنے کا سودا اپنے سروں میں رکھتے ہیں
جو اسلامی انقلاب کی تحریک کے داغی ہیں جنہوں نے انتہائی
نامساعد حالات میں بھی اقامت دین کی جدوجہد کو جاری رکھا ہے
کوئی رکاوٹ انہیں اپنے مقصد اور مشن سے دل برداشتہ نہیں بناتی
خدا کے ان نیک اور مخلص بندوں کے پاس صرف جوش اور ولولہ
ہی نہیں دین کی صحیح فہم بھی ہے اور ساتھ ہی زمانہ کے تقاضوں
سے بھی وہ پوری طرح باخبر ہیں۔ اس تحریک سے اسی جماعت
سے اور اسی اندازہ فکر و عمل سے اقامت دین کی توقعات وابستہ
ہیں۔ آپ کو اسلام کی سر بلندی مطلوب ہے تو اس تحریک کا
ساتھ دیکھئے۔ (فاران)

اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ مدیر فاران کی اصطلاح میں حق اور
حمایت حق "صرف مردودیت کے ہم معنی ہیں، مردودی جماعت کے افراد
مخلص، حق شناس، باہمت، دین کی صحیح فہم رکھنے والے، زمانہ کے تقاضوں
سے باخبر، اسلام کی سر بلندی کے علمبردار، اقامت دین کی امید بگاہ۔ پاتی ہے
دوسرے غریب مسلمان، اگر ان کو بھی مخلص، حق شناس، وغیرہ کے لقب پر
خطابات حاصل کر لیں ہیں تو مدیر فاران کے مشورہ پر عمل کریں۔ وہ یہ کہ ان

ہم جماعت ہو جائیں، ان کی تحریک کا ساتھ دیں۔ اسی تحریک سے، اسی جماعت سے اسی جماعت سے اسی انداز فکر و عمل سے اقامتِ دین کی توقعات وابستہ ہیں! مصلحتِ دین من الہیٰ است کہ بار بار یہ یاد رکھیں۔ بگنارند و سرِ طرہٴ یاسے گیرند منزلِ حق کی طرف رہنمائی کے بعد، راہِ و رسمِ منزل سے سالکِ فاران ہو گا فرماتے ہیں۔

اسلام کی سر بلندی مطلوب ہے تو اس تحریک "مودودیت" کا نکتہ دیکھئے اور پھر خود ہی اس کے مسلمہ نتائج کا ان الفاظ میں اعتراف فرماتے ہیں: "سب سے پہلے تو بعض تنگ نظر مولویوں اور صاحبانِ دلتی و سجادہ کی کفر ساز مشینوں کی چاند ماری سے آپ کا سابقہ طریقہ آپ پر گمراہی اور بے دینی کی تہمتیں جوڑی جائیں گی۔ لہٰذا کی جائے گی کہ آپ محمدی اسلام کو چھوڑ کر مودودی اسلام کی جانب جا رہے ہیں اس راہ میں قدم رکھتے ہی کتنی لمبی داڑھیاں، کتنی نیچی قبائیں اور کتنے سجادے آپ کے پیچھے پڑ جائیں گے۔ کوئی کہے گا آپ خارجی ہو گئے ہیں، کہیں سے آواز آئے گی کہ آپ منکرِ حدیث ہیں، نگر آپ کو سب سے جاری رکھنا ہے تو زہر کے ان جرعوں کو بھی گوارا کرنا ہو گا۔" (فارانِ دین میں صحیح فہم رکھنے والے، اقامتِ دین کے ساعی "اسلامی انقلاب کے داعی، حق شناس، نخلص اور باہمت افراد کے طریقہٴ فکر طرزِ تحریر اور ان کے ادبِ صالح کی داد دیکھئے اور غور کیجئے کہ دینی بصیرت رکھنے والے فرد کی زبان سے قلم سے اس قسم کے سو قیانہ کلمات کبھی ادا ہو سکتے ہیں، داڑھی اور قبائیل عربی کی سنت سے، اس کا مذاق اڑانا، پھینکنا، ہنسنا، تمسخر کرنا دینی فہم بد دینی خود اندازہ کیجئے۔ مولویوں اور سجادوں نے صرف کے خالوادوں پر دشنام طرازی

کیا یہی وہ اندازِ فکر و عمل ہے جس پر اقامتِ دین کا سنگِ بنیاد رکھا گیا ہے
 دینی رہنماؤں کی توہین و تذلیل۔ کیا یہی وہ اسلامی انقلاب ہے جس کی طرف
 مسلمانوں کو دعوتِ عام دی گئی ہے؟ جو شخص فعلِ رسول اور سنتِ رسول کا
 نسخہ کر سکتا ہے۔ اس سے رہنمایانِ قوم، بزرگانِ دین اور لیڈر کبار اور
 علمائے کرام کی جناب میں گستاخوں کا سرزد ہونا کوئی تعجب فیضی بات
 نہیں۔ فاران کے صفحات گواہی دیتے ہیں کہ وہ ماہر القادری جو کبھی ظہورِ قیام
 ایسی عین اور ایمان افروز لفت لکھ سکتا تھا اور بارگاہِ نبوی میں حاضر می کے
 ادب اس انداز میں تعلیم کرتا تھا۔

گوئے بنی میں اس طرح جاننا چاہئے ہر قدم پر سجدہ شکرانہ چاہئے
 وہی قدم قدم پر سجدہ شکرانہ ادا کر کے حاضر ہونے والا ماہرِ موعظہ اسلامی انقلاب
 کی تحریک سے متاثر ہونے کے بعد آج بڑے غرور و تکبر سے یہ اعلان کر رہا ہے جو
 ابی و اسٹیو کا آزاد ترجمہ ہو سکتا ہے۔

ہماری گردن اپنے بنی کے استائے پر نہیں جھکی تو پھر کس کے استائے پر جھکی
 گی۔؟ (فاران)

یہ میں تفاوتِ رہ از کجاست تا کجا؟ لطف یہ کہ گردن کشی اور سرکشی کا
 جذبہ دین کی فہم صحیح اور اسلام کی سچی روح سے ہمدوش سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ
 اسلام کے معنی ہی گردن بہادری ہیں نہ کہ گردن کشیدن۔ کاش مدعیانِ اسلام
 یہ سمجھتے۔

معدطفے برسوں خوش ماگوں ہمدوست اگر باور سیدی تمام لوہا پس است
 مزارات کی زیارت مسنون ہے، خود سرکارِ دو عالم کا معمول یہ رہا ہے جو صحابہؓ
 تابعین تبع تابعین اور تمام امتِ مسلمہ کا عمل متواتر ہے۔ مدیرِ فاران اسکو

بدعت اور قبر پرستی کہتے وقت یہ نہیں سوچتے کہ بات کہاں پہنچی ہے، پھر جو کچھ وہ کہتے ہیں اس کے بالکل برعکس وہ خود قبر پرستوں اور بدعتیوں کے دوست بدویش ہی نہیں بلکہ ان سے چار قدم آگے نظر آتے ہیں اور مزار پاک کے انوار پر پروانہ دار نثار ہو جاتے کا فتویٰ دیتے ہیں، ان ہی کے شعر کے آئینہ ہیں ان کے جذبات اور خیالات کی تصویر ملاحظہ کیجئے۔

جالی سے چھنی رہا ہے وہ نور مزارِ یاکن

ایسے میں صرف جرأتِ پروانہ چاہئے (فاران جنوری ۱۹۵۶ء)

خدا ہی جانے کہ یہ شعر مسلمانوں کو خوش کرنے کے لئے ہے یا اگر مہی محفل

کیلئے ہونے کی کیا گیا ہے۔ بہر لوٹ ما کا لیفعلون کا مصداق ہے یا

قلبی کیفیت کا آئینہ بردار ہے یا پھر نثر میں مودودی صاحب کی ابتداء اور نظم میں جانگی کی پسروی کا کوئی جواز مگر فاران نے تلاش کر رکھا ہے۔

اب ہم ان کے اعتراضات کا ایک ایک کر کے جواب دینا چاہتے

ہیں زہرا اعتراض کا جواب تفصیل چاہتا ہے، کوشش کی جائیگی کہ مضمون طویل

نہ ہو۔

تمام اعتراضات کا جواب صرف اس قدر ہے کہ ماہر

صاحب کا عقیدہ توحید ناقص ہے۔ صفاتِ الہیہ

کا مسئلہ ان کے ذہن میں الجھا ہوا ہے اور وجود

باری تعالیٰ کی وحدت کے وہ قائل نہیں ہیں۔ وحدت

کی مثال دے کر انہوں نے اپنی نارسانی ہنس کا اظہار

اس طرح کیا ہے کہ کسی شخص کو الٹو کا بیٹھا فرض کرنے کی ایسی

مختصر اور جامع جواب، جو ان آیت قرآنی سے دابہ کا ہم مشترک مزاج پیش کر کے

کا استہزا کیا ہے۔ دوسرے خالق اور مخلوق میں خلق کا تعلق تجویز فرمایا ہے تیسرے صفات الہیہ کو انہوں نے مخلوق بیان کیا ہے۔ جہاں انہوں نے اللہ تعالیٰ کو اسما حقہ الاذل و الاخر، الظاہر و الباطن کا خالق اور رب بتایا ہے، چوتھے انا کا تصور ان کے ذہن میں کئی نہیں ہے۔ درنہ حق کے ساتھ انا کی نسبت کو وہ کفر نہ کہتے۔ پانچویں وجود کئی کا تصور بھی ان کے اور اک کی آنکھوں سے اوجھل ہے۔ موجودات ممکنہ جو نفس الامریہ میں خلقت کی جہت سے محدودات ہیں اور حق کی تہمت سے موجودات ہیں، اس کے بالکل برعکس وہ موجودات کو قائم بنفسہ اعتقاد کرتے ہیں اور فعل و اثر جو وجود کی شرع ہے۔ موجود ظاہری سے حقیقتاً منسوب کرتے ہیں۔ نتیجہ میں عقیدہ توحید ناقص اور نظریہ شرک کامل، یہی نظریہ تمام اعتراضات کا سرچشمہ ہے۔ اس اجمالی جواب کا رد مثنیٰ میں ہمارے تفصیلی جوابات کو دیکھئے اور فیصلہ کیجئے کہ عارا خیال کہاں تک درست ہے؟

صوفیوں پر اعتراضات اپنی اور مودودی جماعت کی حدود و ثنائی کے بعد

مدیر فاران فرماتے ہیں کہ "صوفی گانا سنتے نہیں اور فص و غما کے اس طوفان بے تمیزی کو سماع شریف کا لقب دیا گیا ہے۔ ہندوؤں کو بیعت کرتے ہیں، قبروں کا طواف اور سجدے کرتے ہیں، مراد میں مانگتے ہیں، سدا سہاگ بن کر ناپتے ہیں، مدک، بھنگ، چرس، اسلفہ اور شراب پیتے ہیں۔ نماز نہیں پڑھتے ہیں۔ لایعقل مجاذیب کو لوگ بزرگ سمجھتے ہیں، گیارہویں کے تبرک کا ادب کرتے ہیں۔ بعض عقیدت مند اپنے بزرگوں کی تصویروں کو بار پہناتے ہیں۔ یہ سب کچھ اسی نعوت کے نام پر ہو رہا ہے۔

د فاران اگست ۱۹۵۶ء

تقریباً دو صفحات میں صوفیوں کے عیوب گنائے گئے ہیں۔ ہم نے اصل

بارت میں سے مشتے نمونہ از خردار کے اخذ کیا ہے۔ صوفیا میں یہ تمام عجیوب
 دوران کے علاوہ بہت سارے عجیوب اور بھی ہوں نورس کی ذمہ داری کیا
 صوف پر ہے؟

صوفیوں کے بجائے مسلمانوں کے نام مدیر فاران کی عبارت میں لکھ دیتے
 بائیں اور اس امکان کو تسلیم کر لیا جائے کہ وہ تمام عجیوب جو مسلمان صوفیوں سے
 منسوب کئے جاتے ہیں۔ وہ آخر کار مسلمانوں ہی سے منسوب ہو سکتے ہیں تو پھر
 داری اسلام پر ہے؟ مدیر فاران مسائل تصوف پر علمی اور تحقیقی
 انداز میں کچھ لکھنے کے بجائے بڑے صوفیوں کے بڑے حالات سے بحث کرنے
 میں بحث سے ہٹ گئے یہ نہ سمجھا:۔ گری نوری طعنہ مزین مستانہ گریست دہد تو بہ کیم یہاں را
 چہ نخر یاہیں کنی کہ تو نے نوری صد کار کنی کہ علام است آں را

مدیر فاران پر واللہ خلقکم و ما کنتم
 قائل حقیقی سے بعد

کی حقیقت علمی اور اعتقادی طور پر بھی منکنت
 نہیں ہے۔ وہ غالباً تعدد الہ کے قائل ہیں یا اللہ واحد کے اثبات سے متردد ہیں
 حالانکہ الحق ایک ہی ہے اور دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کی مشیت سے ہو رہا
 ہے۔ خدا شرع شریف سے فیر کثیر کا حکم دیتا ہے۔ اور عمل کے وقت
 وہی نمایاں کرتا ہے جو بندے کی طبیعت اور فطرت کے مطابق ہو مشیت
 شرع میں تقریر و تعین فیر کثیر ہے، نہ کہ عمل بالمشیت۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے
 کہ لوگ گناہ کرتے ہیں امر الہی کے خلاف کرتے ہیں۔ مگر حق یہ ہے کہ اس امر الہی
 کا خلاف واقع ہوتا ہے جو امر الہی انبیاء کے توسط سے دیا جاتا ہے۔ امر تکوینی
 یعنی حکم کن کا خلاف ہرگز نہیں ہوتا۔ مخالفت سے تو امر تشریح سے ہے نہ کہ
 امر تکوینی سے اور نہ کہ خود اللہ سے یا اس کی مشیت سے کوئی مخالفت ہوتی

ہے یا ہو سکتی ہے اور زیادہ غائر نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ مشیت کا
 بندے کے فعل کو نسبتاً سے نہ کہ بندے کے خویش سے فعل ظاہر ہوتا ہے جو
 حق تعالیٰ کسی فعل کو کن کا حکم دیتا ہے تو محال ہے کہ وہ فعل نہ ہو۔ اصل یہ ہے کہ
 حکم انبیاء کے توسط سے بندوں کو پہنچایا جاتا ہے۔ بعض بندوں کی طبیعت
 کا اقتضاء اطاعت اور تعمیل حکم ہوتا ہے تو وہاں اس کے فعل کو امر کن دیا جا
 ہے اور وہ فعل موجود ہو جاتا ہے جس کی طبیعت تعمیل حکم سے انکار کرتی ہے
 وہاں فعل کو کن کا حکم نہیں دیا جاتا ہے۔ اور وہ فعل پیدا نہیں ہوتا یہ
 کہ ایسے بد طبیعت کو پھر امر تشریحی دیا ہی کیوں جاتا ہے جبکہ معلوم ہے کہ اطاعت
 اس کی طبیعت کے اقتضاء کے موافق نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ
 فطرت تمام اشیا میں کو معلوم کرانے کے لئے امر تشریحی دیا جاتا ہے لہذا بن
 عاصی کا فعل ایک لحاظ سے امر الہی کے مخالف ہے اور ایک لحاظ سے
 موافق و اطاعت امر الہی بھی ہے۔ حسب حالت مدح بھی ہوتی ہے
 لہذا مال خلق کا اس کی سعادت پر اور اس کے کمالات کے ظہور
 پر ہے۔ زیادہ جو دیکھ سعادت کے اقسام مختلف ہیں اور ان کے
 کمالات کا ظہور جدا جدا ہے۔ ہر شے کے اظہار کماں کو اللہ تعالیٰ نے اس
 طرح فرمایا ہے وسعت رحمتی کل شیء میری رحمت میں ہر ایک
 کی سمائی ہے اور سبقت رحمتی علیٰ غضبی۔ میری رحمت میرے غضب
 سے سابق ہے اور سابق تو پہلے ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھو تو یہ
 رحمت کا اثر ہوا تھا جس سے وہ عاصی مخلوق ہوا اور بوجہ عصیان غضب
 الہی ہوا تو سابق نے پھر اپنا عمل کیا یعنی اس عاصی کو رحمت نے گھیر
 لیا کیونکہ غضب سے پہلے رحمت ہی متقدم و سابق تھی یہی سبقت ہے

علیٰ غنیؑ کے ہیں تانہ رحمت اپنا کام کرے۔ اور اس پر جو اس حد تک پہنچتا ہے رحمت سب کے آخر میں غایت و انجام میں قدم جمائے کھڑی ہے۔ ہر ایک اپنی غایت کی طرف سالک اور رواں ہے۔ لہذا وہاں پہنچنا بھی ہے۔ جس کے ساتھ رحمت کا پہنچنا اور غضب کا ختم ہونا بھی ہے۔ لہذا ہر رحمت تک پہنچنے والے کو حسب استعداد حسب حیثیت رحمت کا پہنچنا بھی ہے، پھر یہ کہ اور نصوص عشق و محبت کی دنیا میں، ماہر صاحب کا فتویٰ صادر کرنا، دیوان گان عشق کو اپنے عقل کے پیانے سے ناپنا نادانی ہے۔

بقول مولانا رومؒ

درودن کعبہ رسم قبلہ نیت
چہ غم از غم اس را پا چہ پاب نیت
توز سرستاں قلاؤ ذی جو
جامہ پاکاں را چہ فرما کی رفو
در خطا گوید و راحت طی گوی
گر شود پرخوں شہید اور مشور
خوں شہیداں را نہ ابے الی ترا
این خطا از صد صواب الی ترا

پھر قرآن نے لا تزکوا انفسکم سے اپنی پار سائی بگھارنے کی نصیحت فرمائی لا یریدون علوا ولا فسادا سے اپنی برتری کے زعم سے اور دوسروں کو لپٹ سمجھنے کے فساد سے روکا عسلیٰ ان بیکون خیرا صدہ فرما کر یہ امکان تجویز کیا کہ شاید وہ لوگ جن کو تم برا سمجھتے ہو اللہ کے نزدیک تم سے اچھے ہوں۔ اگر اللہ اپنی رحمت سے ان کو بخشے تو کون منع کرنے والا ہے، اور جھوٹے مدعیان تقویٰ کو اس خود غالی ریا کبر نفس جیسے اخلاق ذمیرہ کی سزا میں مسلمانوں کو برا سمجھنے کے قصور میں جہنم داخل کرے تو کیا تعجب ہے۔

التوحید | اذا ذکر الله وجد في اشمازت قلوبهم -
جب خدا کا ذکر کیا گیا تو ان کے دلوں میں گھبراہٹ ہو گئی۔

لگتے ہیں، بدیر فاران کو نہ جانے توحید سے کیا دشمنی ہے کہ وہ اہل توحید پر
بے جا طعن و تشنیع سے نہیں چوکتے کبھی عجمیت کے بہانے سے کبھی مسیحیت
کے نام سے کبھی ہندویت کے نام سے اعتراض کرتے رہتے ہیں۔ حال
ہی میں انہوں نے مولانا جامی علیہ الرحمۃ کی لوائی پر تبصرہ موزوں فرمایا
ہے "وجود صرف" اور "ہویت صرف" صوفیاء کی اصطلاح ہے اس کے بجائے
وجود محض تجویز کر کے شکر علمی "کاشعوت دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔
مولانا جامی قدس سرہ پر **وحد لا الوجود کا غلبہ ہے لہذا** "لوائی" لوائی
کے بعض مقامات محل غور ہیں۔

آئرا کہ فاشیوہ فقر ایمن است

رفت او زمینا ہیں خدا ماند خدا

کی مصوبیت سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔ یہ نری شاعرانہ شوخی فکر ہے۔

(فاران) جو شخص تصوف سے نا آشنا ہے محض ہر طرف اسی کی زبان سے یہ
جملے نکل سکتے ہیں۔ یہ ہم نہیں کہتے کہ ان کی تحریر اعلان کر رہی ہے کہ

اگر وہ فنائے فقر کے معنی جانتے ہوتے اور لا الہ الا اللہ کا مفہوم ان کے

ذہن میں ہوتا تو جامی پر اعتراض نہ کرتے کیونکہ ما سوا اللہ کے وجود کی نفی

وجود حق کی وحدت کا اثبات اس ربانی کا مفاد ہے جو لا الہ الا اللہ کا مدلول

حقیقی ہے۔ کوئی مومن باللہ اس سے اختلاف کر سکتا ہے؟ یہ شرف ماہر

صاحب ہی کو حاصل ہے۔ وہ تو خیر ہوئی جو جامی علیہ الرحمۃ سے اتفاق نہ کرنے

پر ہی بات ختم ہوئی ورنہ یہی مضمون میرے اس شعر کے ہے۔

اے ذہین ابن فراتی من نیم اصلا نیم

ظلمم عبد الکرم و باطم رب الکرام

یا جیے خواجہ صاحب (فرید الدین عطار فرماتے ہیں) اسے
 شو بیاطن ربو بیت پر ہزار کن بظاہر عبودیت اقرار
 یا مثلاً مولانا روم فرماتے ہیں
 چو خلیل آمد خیال یار من ظاہر شبت معنی آں بت شکن
 مدیر فغان کے الفاظ ہیں

عبارت سے صاف طور پر نہیں کھلتا کہ کہنے والے نے خود اپنے کو بیاطن
 رب الکریم کہا ہے یا اپنے مرشد کو بہر حال جس کے لئے بھی کہا ہے غلط کہا ہے
 اور غلط تو ہلکے سے ہلکا لفظ ہم نے استعمال کیا ہے پھر مرید کی لغوی بیانی پر ضرور
 مبارک کہکھاس بے ہودہ گوئی پر ہر تصدیق ثبت فرما دیتے ہیں (فارغان)
 ملاحظہ کیا ادب صالح کا شاہکار اور متانتِ خربہ کا نمونہ۔ ہر دنی الطبع
 کو دشنام طرازی آتی ہے ہر سفلہ لعن و لعن یک سکتا ہے۔ ایک عالم کا یہ
 شعار نہیں۔ سخنِ احق دکا سرم الا اخلاق جناب مولا علی علیہ السلام
 کا وہ مقولہ ہے جو خوارج کے لعن طعن کا جواب نہ دینے کے جواب میں اپنے
 فرمایا تھا۔ ہم اس کا اعادہ جواب میں کافی سمجھ کر کہتے ہیں کہ فاضل مدیر ظاہر
 مترف ہیں کہ عبارت سے صاف طور پر نہیں کھلتا جب وہ عبارت
 میں متوقف تھے تو محکمہ میں متوقف ہونا تھا ریات سمجھ میں نہیں آئی تھی تو اس
 پر تبصرہ کیا ضرور تھا؟ پھر یہ کہنا کہ رب الکریم جس کے لئے بھی کہا گیا ہو غلط
 ہے کس قدر غلط ہے۔ جب کہ رب الکریم ہی کے لئے رب الکریم سمجھتے ہیں
 تو آپ کا سو اعتقاد ہے شتر اپنے مقام پر ہے لا الہ الا اللہ کی منکوم تصدیق
 ہے۔

کلمۃ الحق | جیے مشرکین عرب کو استجاب اور شکبار للاحق ہوا اور
 انہوں نے کہا کہ جعل الالہتہ المروا حدان هذا

الشیء عجیب کیا (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے معبودین کثیر کو اللہ واحد بنا دیا یہ تو تعجب انگیز چیز ہے لا الہ الا اللہ سے جو معنی مینا در فی الذہن ہوتے ہیں وہ کثرت کو وحدت بنا دینے کے معنی تھے اہل عرب اہل زبان تھے وہ ظہر توحید کی مراد سمجھ گئے مگر ان کو حیرت استعجاب اس چیز میں لاحق ہوا کہ کثرت عین وحدت کس طرح ہو سکتی ہے؟ انھذا الشیء عجیب کہہ کر اس تعجب کا انہوں نے اظہار کیا جیسا کہ قرآن میں ہے کہ اگر تم ان سے پوچھو گے کہ زمین آسمان کا خالق کون ہے؟ تو کہیں گے اللہ وہ اس بات کے بھی قائل تھے کہ خدا ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتا ہے، بتوں کو وحدت انہیں کہتے تھے تقرب خدا کا وسیلہ کہتے تھے۔

مدیر فاران توحید اور جمع سے کوسوں دور، تفرقہ اور غیریت سے دست و گریباں، کلمہ توحید سے انہیں استکیار کیوں نہ ہو؟ اہل توحید سے مکابہ کیوں نہ کریں؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ کلمۃ الحق لا الہ الا اللہ کی بلا تاویل تفسیر میں ایک ایسی کتاب ہے جو علوم مرقدہ اور اصول متفقہ کی روشنی میں لکھی گئی ہے علماء نے مستحکم طور پر کلمہ طیبہ میں تاویل کی جس سے کلمہ کی عبارت لا الہ موجود مستحق الجواز لا الہ ہو گئی۔ بغیر اس اضافہ کے علماء کے نزدیک کلمہ طیبہ کے معنی متقدّر نہیں اس اضافہ کو تقدّر کہہ کر اختیار کیا یہی تاویل ہے۔ ظاہر ہے کہ تاویل کی صورت میں کلام محکم نہیں رہتا متشابہ ہو جاتا ہے۔ کلمۃ الحق "اس تاویل کی رو میں ایک عالمائے تصنیف ہے نہ کہ "صوفیانہ" اس کتاب میں قرآن مجید، حدیث، تفسیر، منطق، فقہ، نحو، بلاغت وغیرہ علوم متداولہ سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے کیونکہ خطابتہم پر علماء ہی سے ہے۔ اس لئے اس کتاب کو سمجھنے کے

لئے ان علوم میں بصیرت کامل مطلوب ہے۔ مدیر فاران یا ان کے ہم جماعت اگر ان علوم سے موسوم ہوں تو وہ علمی روشنی میں شوق سے لکھیں۔ ہم ہر وقت خیر مقدم کے لئے تیار ہیں۔

فارانی توحید اسلامی ادب اور مسلمہ نظریات کو جب تک نہ ٹھکرا دیا جائے۔ اسے تثنائت دین کی تجدید اور اسلامی انقلاب

صورت پذیر نہیں ہو سکتا۔ غالباً اس ضرورت تجدید نے مدیر فاران کو توحید کی نئی تعبیر موضوع فرمائے پر مجبور کیا جو کتاب و سنت اقوال صحابہؓ اور ارشادات اولیاء کے بالکل منافی ہے۔ دین کی پرانی اصطلاح میں اس تجدید کا نام کفر ہی تجویز کیا جاسکتا ہے۔ اچانک دین کی اصطلاحات جدیدہ سے ہم ناواقف ہیں، ممکن ہے سادہ اور خالص دین کے خوش آمد نام اس کو ویسے جائیں، مدیر فاران فرماتے ہیں۔

”کھرا اول، الآخر، الظاہر، الباطن، کا سادہ مطلب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی اول و آخر اور ظاہر و باطن کا خالق و رب ہے۔ لیکن اس کا ٹیٹ لفظی ترجمہ یہی اول ہے وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے وہی کی صورت پر کوئی اصرار کرے تو پورا اس کا جواب یہ ہے کہ متشابہات ہیں اور حکمت کو چھوڑ کر متشابہات کے پیچھے وہی لوگ لگتے ہیں جن کے دلوں میں کبھی ہوتی ہے۔ یہ ہمہ اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے ہیں۔ قرآن اس بات پر شاہد ہے“ (فاران)

دین کے صحیح فہم کے مدعیوں کا قرآن کے ساتھ یہ تمسخر کہ آیت قرآن کے جو معنی سادہ مفہوم کے نام سے وہ بتائیں ان کو مان لیا جائے تو آیت حکم ہے ہرگز متشابہ نہیں اور اگر اس آیت کا ٹیٹ لفظی ترجمہ بغیر کسی تاویل کے کلام نام

کی صورت میں کوئی مانے تو اس کے دل میں کبھی ہے اور پھر وہ آیت ہی متشابہ ہو جائے گی۔ کوئی پوچھے آیت متشابہ ہے تو اپنی قیاس آرائی کو سادہ مفہوم کے نام سے اس آیت کے معنی میں کیوں شامل کر رہے ہیں۔ کیا یہ دل کی کبھی نہیں ہے؟ جس پر قرآن کا شاہد ہونا آپ ہی نے لکھا ہے اور اگر یہ آیت محکم ہے تو خود آپ ہی کے الفاظ میں آپ کا بیان کیا ہوا، سادہ مفہوم بھیت طلقی ترجمہ کے خلاف ہوتے ہوئے بھی سادہ مفہوم کس طرح ہوا؟

مدیر فاران یہ نہیں جانتے کہ جو الفاظ وہ استعمال کر رہے ہیں ان کے معنی کیا ہیں؟ ورنہ ان کو ایسی خطرناک جرأت کبھی نہ ہوتی کہ وہ خدا کے لئے ایک اور خدا اور رب کے لئے ایک اور رب تجویز کریں اور اس کو قرآن کا سادہ مفہوم بتانے کا کذب مول لیں، — اس آیت مبرا کہ میں جو موضوع ہے۔ الا ذل الاخر الظاهر الباطن چاروں محمول ہیں اور حمل اولیٰ ہے جس میں محمول اس موضوع پر ہوا کرتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ اسما رہو کا عین واقع ہوئے ہیں۔ مدیر فاران کی مزید تشریحی کس لئے اس آیت کریمہ کے سلسلے میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا تفسیری بیان درج کیا جاتا ہے، حضور ارشاد فرماتے ہیں اللهم انت الاول قبلک شیئی وانت الاخر قبلک شیئی وانت الظاهر قبلک شیئی وانت الباطن قبلک شیئی۔

مدیر فاران کے خیال سے اس کا ترجمہ بھی درج کر دیتے ہیں۔ اے اللہ تو ہی اول ہے تجھ سے پہلے کوئی شے نہیں اور تو ہی آخر ہے لہذا تیرے بعد کوئی شے نہیں اور تو ہی ظاہر ہے لہذا تیرے ظہور پر کوئی فائق نہیں اور تو ہی باطن ہے لہذا تیرے سوا کچھ بھی نہیں۔

کائنات کی تمام اشیاء محسوس ہوں یا معقول کلی ہوں یا جزوی۔ کل ہوں یا
 جزوی۔ سب انہیں صفات چہارگانہ میں منحصر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی حقے کو بانی
 نہ پھوڑا جو ان اسماء مبارکہ کے تحت نہ آگئی ہو اسم اولیٰ مرتبہ ذات بحت
 کان اللہ ولم یکن معہ شیئی غیرہ ثابت کیا اسم آخری نے موجودات ممکنات
 کے حدود فنا و زوال کو متحقق کیا الظاہر نے اس تکوینی دنیا کو اپنی تلویہی
 جلیوں سے آباد فرمایا۔ اسم باطن نے عالم مثال و ارواح اور عالم امر کا یقین
 عطا فرمایا۔ اور غیر اللہ کے وجود کی کلیتہً نشی فرمائی۔ ایسا تو لوگوں قسم
 وجہ اللہ کا مفہوم بتایا۔

معترضین، کو، معلوم ہونا چاہئے کہ یہ چاروں اسمائے الہی تمام اسمائے
 الہی کو جامع ہیں امہات و اصول ہیں۔ ان سب کو اسم اللہ اور اسم الرحمن جامع
 ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلْ اَدْعُوا اللہَ ۱۱ وَاَدْعُوا الرَّحْمٰنَ
 اَیْمًا تَدْعُو اَقْلہ الْاِسْمَاءِ الْحُسْنٰی ۱۱ اے محمد کہہ دیجئے کہ اللہ کو
 پکارو یا الرحمن کو جس کسی اسم الہی سے تم پکارو وہ اسی کے اسماء حسنیٰ ہیں اور
 وہ ان ہی دونوں اسماء کے احاطہ میں داخل ہیں اور ہر اسم کا منظر ازلی و
 ابدی ہے۔ اذلیت اسم الاول سے ثابت ہے ابدیت اسم الآخر
 سے ثابت ہے الظاہر کے اسم سے علم ظاہر ثابت ہے اور ربطوں اسم باطن
 سے ثابت ہے۔

جب اسماء الہی ابد و ابداع سے متعلق ہیں وہ سب الاول میں داخل
 ہیں۔

جب اسماء الہی اعادة و جزا سے متعلق ہیں وہ الاخر میں داخل ہیں۔
 جب اسماء الہی عام زبور و شہادت سے متعلق ہیں وہ الظاہر میں داخل ہیں۔

الادل جمل شانہ، الاخر جمل شانہ الظاہر جمل شانہ، الباطن جمل شانہ اللہ کے ناماً مبارکہ ہیں، سب جانتے ہیں صفات الہیہ عادت ہمیں قدیم ہیں۔ اگر یہ معلوم ہوتا تو وہ یہ کلمات کفر کہتے کی کبھی جرأت نہ کرتے کہ اللہ اپنے صفات کا مالق اور رب ہے استغفر اللہ (نقل کفر کفر نہ باشد)

مدیر فاران نہ صاحب تحقیق معلوم ہوتے ہیں نہ اہل تقلید اور نہ انکا دینی مطالعہ اس قابل معلوم ہوتا ہے کہ وہ آیات قرآنی کی تفسیر کا بلکہ اپنے ذمہ لیں۔ یہ ہم نہیں کہتے ان کی تحریر سے یہ بات اس راز کو فاش کر رہی ہے۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ دین شعر و صحافت کی دنیا نہیں ہے یہاں طبع آزمائی یا زورِ قلم سے کام لینا خطرناک ہے۔ مسائل دینی میں لب کشائی کرنے علم دین سے موصوف ہونا ضروری ہے یا علمائے دین سے رجوع کرنا لازم ہے۔ مدیر فاران کی آگاہی کے لئے تمذی کی ایک حدیث بھی اس آیت مبارکہ کے سلسلے میں ہم پیش کرتے ہیں، حدیث مبارکہ بھی آیت کی طرح عبارت وحدت الوجود پر دلالت کرتی ہے۔ وہ یہ ہے۔ **وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوَاطِكُمْ وَالْبَيْتُ بَيْتُ الْحَاكِمِ** **وَالسُّفْلَى بِيَدِ اللَّهِ ثُمَّ قَرَأَهُمْ أَوَّلَ وَالْآخِرَ وَالظَّاهِرَ وَالْبَاطِنَ وَهُوَ بَيْتُ شَيْبَةَ عَالِيهِمْ** یعنی اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جانب ہے اگر تم ڈول کو رسی باندھ کر زمین زیریں تک لٹکاؤ تو وہ ڈول اللہ پر گرے گا۔ اس کے بعد بطور استشہاد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وہی اول ہے وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے وہی ہر شے کے ساتھ حقیقی علم رکھتا ہے۔

کون نہیں جانتا کہ رسی باندھ کر ڈول کو زمین زیریں تک پہنچایا جائے گا تو وہ ڈول نہ زمین زیریں پر ہی گرے گا۔ مگر غیر صادق اپنے قول "موکد بالقسم" میں

بین زمین پر گرنے کے بجائے اوجھل علی اللہ فرماتے ہیں جس کے
 معنی ہیں کہ یقیناً وہ ڈول اللہ پر گرے گا۔ چونکہ یہ مضمون حدیث ہو کہ زمین
 پر پانے کے ساتھ اللہ کی عینیت پر عبارتاً اور دوسری ممکنات کے ساتھ اللہ کی
 عینیت کو دلالت ثابت کر رہا ہے بظاہر بعید از فہم اور قابل انکار مقولہ تھا
 اس لئے نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم نے اول تو اپنے قول مبارکہ کو قسم
 لے ساتھ سو کہ فرمایا، اپنے ارشاد مبارکہ کی تائید سی شہادت میں یہ
 بیست تلاوت فرمائی جو وجود باری تعالیٰ کی دست پر عبودیت دلالت کرتی ہے
 اس کا ترجمہ یہ ہے کہ وہی اول ہے وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے
 اور وہی ہر شے کا حقیقی علم رکھتا ہے۔

اس حدیث مبارکہ کی تائید ترمذی نے کی ہے اس پر بحث اس کتاب
 میں دوسری جگہ ملے گی، یہاں اس آیت مبارکہ سے اس حدیث مبارکہ
 میں استہزاد اور استنشاء فرمایا گیا ہے۔

تقصیر و نکارش یہ ہے کہ بس آیت مبارکہ کی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 سے تائید نہ کی ہو بلکہ تفسیر فرمائی ہو، اور وجود باری تعالیٰ کی وحدت میں
 اس حدیث سند اور شہادت حاصل کی ہو۔ اس آیت کی قرابت ظنی ذہن
 کی جرات تو کوئی مسلمان کر نہیں سکتا۔ احیاء دین کے مدعی ہی خود کو اس کا مفقار
 سمجھ سکتے ہیں نہ معلوم ان کے نزدیک پھر کفر کس چیز کا نام ہے جبکہ اللہ کو
 اللہ کا خالق اور رب کہنے سے جس وہ کافر نہیں ہوتے لَعُوذُ بِاللّٰهِ خُورَانِ
 سے خدا پر مسلمانوں کو محفوظ رکھے اور جو جاہل یا نیم جاہل مسلمان اس فتنہ مودودیت
 کا شکار ہوئے ہیں خدا ان پر رحم فرمائے، اس علم و تحقیق پر یہ لوگ سرفیائے
 کبار کے منہ آتے ہیں۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس ورد
میلش اندر طعنہ پیاکان نہسد

خالق و مخلوق میں تعلق صفت خلق کا ہے

صرف ایک آیت ہو الاول والاخر میں تکریم لفظی و معنوی پر مجبور نہیں ہوں۔
بلکہ صحیح تو یہ ہے کہ قرآن ہی بدوں دینا پڑے گا اور یہ جو ایک نیا گل آپ سے
کھلایا ہے کہ خالق و مخلوق میں صفت خلق کا تعلق ہے آپ کی زبان و قلم سے
تو چنداں تعجب خیز نہیں ہے، ہاں یہ بات اگر کوئی عالم کہتا تو پھر جو دشواریاں
سلسلے پیدا ہوتیں کچھ ان کو ایک عالم ہی سمجھ سکتا ہے اور ہم و امت کی نازک
ہی شکل جانے دیکھنے ذرا صفات الہیہ کو اپنے اس تادیبی سلسلے میں ڈھال
دیکھنے خود آپ کو ہنسی آجائے گی۔ مثلاً عابد و معبود میں تعلق عبادت کا ہے رازق
مزدوق میں علاقہ رزق کا ہے، اسی طرح تمام صفات الہیہ کو غور کر جائیے اور جو اثر
و نتائج ان سے مرتب ہوں ان پر دھیان دیجئے اور سمجھنے کی کوشش کیجئے
آپ کی تاویل کا بودا پن آپ پر ظاہر ہو جاتا ہے خلق و مخلوق کی تلبیت کا اعتقاد
اور توحید کا دعویٰ۔ تجدید اسلام۔ یا ایہا الذین آمنوا آمَنُوا
ایمان رکھی سے ایمان حقیقی کی طرف آئیے۔

معجزات و کرامات

مذہب قادیان نے اپنے اس جوابی مضمون
میں لفظی صراحت سے نہ سہی معنوی صراحت
سے یہ بتا دیا کہ معجزہ کرامت کا اظہار کسی نبی و ولی سے اعلان قرآنی کے خلاف
ہے۔ اب تک جن لوگوں نے انبیاء اور اولیاء کے تصرف اور اقتدار کی کوئی
توجیہ کی ہے تو عمومات ان کی عبارتیں دو طرح پر دیکھنے میں آئیں۔ اولیٰ یہ کہ وہ
کاملہ اور اقتدار حقیقی تو اللہ کی صفت ہے لیکن بندگان خاص سے کرامات میں

تصرف کا اظہار و عطاۃ الہی کی نشانی ہے۔ دوم ولی کی کرامت و اصل نبی کا معجزہ ہے۔ چوبواسطہ ولی ظاہر ہوتا ہے اور نبی کا معجزہ و اصل اللہ کا فعل ہے جو نبی کے ذریعہ صورت پذیر ہوتا ہے۔ غرض دونوں تعبیرات کا ما حاصل یہ ہے کہ حقیقی و ذاتی اقتدار تو اللہ کی سفت ہے اور بندگان حق محض آلات و واسطے ہیں مگر مدیر فرائض کو اس سے انکار ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے مافی الضمیر کے ثبوت کے لئے قرآن مجید کی نین امینیتیں درج کی ہیں، اس سے پہلے کہ آیات مذکورہ بالا کے متعلق ان حضرات کی پیدا کردہ غلط فہمی دور کرنے کی سعی کی جائے بہتر ہے کہ دینی ذمہ داروں کے پیش نظر آئندہ غلطیوں سے بچنے کے لئے ان توہم ایک لہجہ تک کر دیں،

معلوم ہونا چاہئے اب تک مسلمانوں میں جو فرقہ بندیوں راہ پاتی رہیں اور یہ خیرالامم مختلف لٹلیوں میں بٹ گئی اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اہل بدعت ہو اسنے اپنے مفید مدعا قرآن مجید کی کوئی ایسی آیت سامنے رکھ لی اور مقابل کے رد میں اس کو پیش کر دیا۔ بسا اوقات اس طرز عمل اور طریق فکر سے دو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اولاً قرآن مجید کی دومہی آیات اور کتب حدیث میں متعارض صحیح روایات کی طرف سے مخالفت ہو جاتی ہے، دوئم آیات قرآنیہ میں تعارض کلام الہی میں تضاد اور قرآن حدیث میں باہم مخالفت ہو جاتی ہے۔

ان امور میں کا نتیجہ ظاہر ہے۔ فرقہ کے اندر سے فرقہ پیدا ہوتا ہے۔ اپنے اپنے نظریات میں لوگ پہلے تعلق کو پھر تعصب کو جگہ دیتے ہیں تاہینکہ کسی ایک آیت یا کسی ایک حدیث سے منعصیانہ وابستگی پورے فرقہ و کامل سنت سے استفادہ کی راہ روک دیتی ہے، کاش یہ فرقہ بندوں

فرق پرست اپنی تنگ نظری سے تائب ہو کر پورے قرآن و کتب حدیث کو سامنے رکھ کر کوئی عقیدہ و نظریہ اختیار کرتے۔ ان کو صحیح ہدایت بھی ملتی اور ان کی اپنی کوتاہ نگاہی سے قرآن میں تعارض و تضاد پیدا نہ ہوتا۔

ان آیتوں سے استدلال میں آپ سے بھی وہ قصور ہوا جو تفہیم القرآن کی محولہ عبارت میں آپ کے پیر میمانہ سے سرزد ہوا ہے۔

ملاحظہ فرمائیے جس کا ترجمہ ہوا ہے "اے محمد! آپ کہہ دیجئے کہ میں نہیں ملک اپنے لئے برے کا یا بھلے کا مگر جو اللہ چاہے۔"

دوسری آیت کا ترجمہ آپ نے لکھا ہے "اے محمد! آپ کہہ دیجئے میرے اختیار میں نہیں تمہارا نقصان و ضرر اور نہ راہ پر لانا۔" تیسری آیت کا ترجمہ ہے "اے محمد! آپ کہہ دیجئے کہ میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس میں خزانے اللہ کے۔"

مذکورہ بالا آیت کریمہ کو سامنے رکھتے اور مندرجہ ذیل آیات مقدسہ اور احادیث نبویہ میں غور فرمائیے۔

عَلَّمْنَا هُمُ اللّٰهَ وَسُورَةَ مَعْرِفِ اللّٰهِ كِ صِفَتٍ هِيَ اَوْ يَهَا رَسُوْلٍ اَكْرَمٍ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ كِ صِفَتٍ بَعْضِ تَرَادُفٍ جَارِيَةٍ هِيَ۔۔۔
اس آیت کو سمجھنے میں ان کو زیادہ دشواری اس لئے ہو گی کہ ذاتی و عطا لکے فرق کا بھی یہ لوگ انکار کر چکے ہیں۔

عَلَّمْنَا اَيْهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يَحْيِيْكُمْ يٰهَا اَحْيَاءُ يَعْنِيْ حَيَاتٍ نَّجْشِيَّةٍ كِ نَسَبِ رَسُوْلِ كِ كِ طَرَفٍ هِيَ۔

عَلَّمْنَا يٰزَكِيَّهَمْ يٰهَا تَزْكِيَّةٍ كِ نَسَبِ رَسُوْلِ كِ كِ طَرَفٍ هِيَ۔

عَنْكَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْ اِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ یہاں ہدایت کی نسبت رسول کی طرف ہے وہ بھی ان "انہ نام" دو کلمہ تاکید کے ساتھ۔ مگر پیر فاران کا سلسلہ والی آیت ہی کو کافی سمجھتے ہیں۔ یا لاکھدی من اَحْبَبْتُ والی آیت حالانکہ تمام آیت میں جمع و توفیق کی ضرورت ہے۔ اور وہ جب ہی ممکن ہے۔ رضائی۔ زر عطا کا اصول حقہ مانا جائے در نہ یَوْمَئِذٍ يَبْعَثُ وَيَكْفُرُوْنَ بِبَعْضِ يَهُودِ كَا شَعَابٍ يُّؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ يَهُودِ لِيَايَا يَهُودِ

یعنی روئے زمین کے خزانوں

(۵)

کی کجیاں الٹنے تجھے دیدیں۔

(۶) اَللّٰهُ مَعْصِيْ وَاِنَّا قَا سِمٌ يَعْنِيْ عَطَا و مَوْهَبِيْت اَللّٰهُ كَا فَعْل ہے اور تقسیم میرا کام ہے۔

(۷) اِنَّا عَطَيْنَاكَ الْكُوْثِرَ يَه سُوْرَةُ اٰپ کی مندرجہ آیت سے بہت پہلے نازل ہوئی اور آپ کے حق میں کوثر کی ملکیت کا اعلان ہوا۔ کوثر سے زائیر اشیر لے یا حوش کوثر۔ بہر حال آپ کا اندازہ پیر اور یہ حساب نفع کے مالک میں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

كُنْ مِنْ يُّوْتَى الْحِكْمَةِ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا اُوْر كُوْن نُّكَرًا كَرِيْمًا۔ کہ انحضرت کو حکمت ملی اور اس حد تک ملی کہ آپ دوسروں کے دامن تمہیں گمان کماں سے بھرتے ہیں۔

۹۔ وہ تمام حدیثیں جو واقعات قیامت سے متعلق ہیں کس بھی فرقہ کے عالم کے پاس بیٹھ کر پڑھ لیجئے تو آپ کو اپنی جرات و بیباکی کا اندازہ ہو جائیگا۔ دلائل میں چند روایات آپ کے پیران پیر قاضی ثمالی کی کتاب "نزل الاطوار" کے حوالے سے ہجرت میں دیکھے کہ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی

ذاتِ اہل تو کیا جس ذی روح یا بے جان کو آپ کے ساتھ نسبت قائم ہو گئی وہ
نفع بخش و مفید بن گئی۔

(الف) عام المرادہ میں حضرت فاروق اعظم نے حضرت عباس کو وسیلہ
بنا کے ان کا دامن پکڑ کر اللہ سے دعا باران کی اور خوب پانی برسایا اور حضرت
عمر نے لوگوں سے کہا کہ واتخذواہ وسیلۃ الی اللہ لوگو تم عباس
کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بناؤ قاضی شوکانی کہتے ہیں کہ اس واقعہ سے یہ
ہات ثابت ہوتی ہے کہ اہل خیر و اہل صلاح اور اہل بیت کو شفیع بنانا
مستحب ہے۔

(ب) قاضی شوکانی حضرت ام سلمیٰ اور حضرت اسماء کی روایتیں درج
کرتے ہیں کہ ان دونوں صحابیہ کے پاس حضور الوز علیہ السلام
کا پیرا ہن دیکھا گیا تھا، جب کوئی بیمار ہوتا تو اس کا ہمالہ مرین کو پلا دیتے صحت
ہو جاتی۔ ان روایتوں کے اندراج کے ساتھ قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ صالحین
کے اہل اشار و تبرکات سے برکت حاصل کرنا یا دوسرے الفاظ میں نفع حاصل کرنا
ہے۔ راقم الحروف کے نزدیک اشار صالحین سے برکت حاصل کرنا عہد صحابہ
کا اجماعی مسئلہ ہے بلکہ عہد صحابہ سے لے کر ما بعد عہد اشار میں تمام امت کا
مجموع علیہ مسئلہ رہا کیونکہ ام المؤمنین ام سلمیٰ اور ذوات الناطقین اسماء رضی
اللہ تعالیٰ عنہما کا مرجع عمل عہد صحابہ میں ثابت ہے اور کسی لئے اس چیز میں
ازکار نہیں کیا اور نہ بعد کے زمانوں میں اس کا منکر ہوا۔ قدرت کی نیرنگی
تو دیکھئے کہ خود انبیاء و اولیاء کو اپنے حق میں اور دوسروں کے حق میں لوگ
مجبور و بیکس کہتے ہیں حالانکہ ان کی نسبت سے جاندار دے جان چیزیں نافع
متبرک و فیض رساں بن جاتی ہیں۔

پیغمبر زہرا کے سلسلے میں ماہر صاحب کی ضد قائم ہے صرف
 پیغمبر زہرا | یہ امر تسلیم کیا ہے کہ قرآن میں رسول مرسل تشریحی رسول و
 رسل کے علاوہ بھی مستقل ہوا ہے ساتھ ہی انہوں نے قادیانیوں کو فخر وہ سنانا بھی بند
 کر دیا ہے۔ مگر ابھی پیغمبر زہرا کو جو انہوں نے پیغمبر خدا کے ہم معنی سمجھا تھا اس قصور
 انہم کے اعتراف سے کتراتے ہیں۔ دراصل وہ مشترک لفظی و معنوی کے مفہوم اور اس
 نرینے سے نادانغ اور مطلق و مقید کی معرفت سے قاصر ہیں ورنہ پیغمبر زہرا
 کے نام سے پیغمبر خدا کے معنی مراد لینا، قادیانیوں کو فخر وہ سنانا اپنے علم و ہم
 کا مذاق اڑانا ہے۔

مطلق اور مقید کی شناخت نہ ہونے
 شہنشاہ ہفت اقلیم | کی وجہ سے مدیر فاران نے نادانی میں

شہنشاہ ہفت اقلیم پر یہ اعتراض کیا کہ شہنشاہ خدا کا نام ہے اور
 تائید میں حدیث مبارکہ پیش کر دی جس میں شہنشاہ مطلق کہنے کی غیر خدا
 کو مانعت ہے۔ جب ہم نے یہ جواب دیا کہ مدیر فاران حدیث کا مطلب
 نہیں سمجھتے۔ شہنشاہ کل، شہنشاہ مطلق اس حدیث میں اللہ کا نام قرار پایا
 ہے نہ کہ شہنشاہ ہفت اقلیم تو ہمارے جواب کے بعد حدیث سے استدلال
 چھوڑ دیا۔ حدیث کا مطلب غلط سمجھا اس کا اعتراف چاہ گئے، ہاں ٹھوڑی قدر کی
 علامہ شلی کا وہ اقتباس فاران شائع کرتا ہے جس میں شہنشاہ کو نبی رسول اللہ
 کو بجا طور پر کہا گیا ہے پھر تعجب ہے کہ غیر اللہ کو فاران کا شہنشاہ کو نبی بھی کہتا
 رہا۔ مگر بابا صاحب کو شہنشاہ ہفت اقلیم کہنا غلط۔ حضرت شیخ اکبر علی الدین
 ابن عربی، حلیم محمد علی نرندی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور تمام ادیبانہ لسانی
 امر پر متفق ہیں کہ قطب الاقطاب، شہنشاہ ہفت اقلیم ہوتا ہے اور تمام عالم کو

فساد حکم الہی سے اس کے زیر اقتدار اور تخت اختیار ہوتا ہے۔ اس حقیقت کا مشاہدہ لاکھوں افراد نے شہنشاہ ہفت اقلیم بابا تاج الدین کے دربار میں کیا۔ اب یہ اور بات ہے کہ خواص و عوام امت کی تکذیب ہی کسی کا مذہب ہو۔

تہمت روحانی | مدیر فاران پور سے قرآن اور تمام احادیث کے استقصاء کا دعویٰ فرماتے ہوئے کہتے ہیں

کہ کسی نبی رسول صحابی نے وفات کے بعد کسی کی تہمت کی ہو اس قسم کی کو نظیر نہیں ملتی، مدیر فاران کے اس شبہ پر ہمیں حیرت نہیں۔ تمام ماہر دستوں کا یہی عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد آدمی خاک کا ٹھہر ہو جاتا ہے کفار قریش حشر و نشر کی تردید میں ایسی ہی باتیں ہا کرتے تھے، آج بھی دہریت اسی غلط تصویر پر زندہ ہے۔ اس خیال کے کچھ لوگ مسلمانوں میں بھی قدیم سے لگے بندھے چلے آ رہے تھے جو عذاب و نواب برزخ و ارواح کے کلیتہً منکر ہیں۔ ماہر صاحب نے تہمت روحانی کے انکار کی بنیاد مودودی صاحب کی تفہیم القرآن پر رکھی ہے۔ یہ طبعاً تفسیر صحابہ اور مفسرین کی تفسیروں کے خلاف ہے تفسیر نہیں تخریف ہے۔

اگر مودودی صاحب، انبیاء و صدیقین، شہداء اور صالحین کو اموات غیر اجیاء قرار دیتے ہیں جیسا کہ ان کی تفسیر سے ظاہر ہے تو قرآن مجید کی ان آیات کو جو ان کے مقصد کی راہ میں مزاحم ہیں قرآن سے نکال دیں۔ بہر حال وہ مجاہد میں مسنوی تخریف جب کر سکتے ہیں تو لفظی تحریف تفسیر میں کیا دشواری ہے۔

بے مدیر فاران نوان کے پیران پیر کا مضمون ستر کانی کا فیصلہ بحوالہ نیل لاؤ

درج ذیل ہے۔

حیاتِ نبوی | محققین کی جماعت کا فیصلہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اپنی وفات کے بعد بھی زندہ ہیں اور اپنی امرت کی طلوت
سے سرور و شاداں ہوتے ہیں کیونکہ بلاشبہ انبیاء علیہم السلام پر بوسیدگی
کا اثر نہیں ہوتا یوں تو مطلق ادراک مثلاً علم اور سماعت تمام مردوں کے
لئے ثابت ہے... کتاب اللہ میں شہداء کے حق میں اعلان کیا ہے کہ
انہم احیاء یورثون وہ سب زندہ ہیں اور رزق پاتے ہیں
اور یہ ان کی حیاتِ جسدی ہے۔ تو پھر انبیاء اور مرسلین کا کیا کہنا حدیث
سے ثابت ہے کہ تمام انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور موسیٰ علیہ السلام
کو آنحضرت نے شبِ معراج اپنی قبر میں کھڑے کرنا دیکھنے دیکھا، خلاصہ
یہ ہے کہ انبیاء و شہداء کے حق میں حیاتِ برزخی کا تصور بھی غلط ہے کیونکہ
برزخی زندگی تو بلا فرق تمام اموات کو حاصل ہے۔ ہاں انبیاء و شہداء کو
حیاتِ جسدی حاصل ہے وہ سرور و غم کا احساس بھی کرتے ہیں اچھے عمل بھی
کرتے ہیں اور رزق بھی پاتے ہیں۔

ابن ابی شیبہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی سند سے روایت ہے
کہ — مومن کو ایذا بزرگ زندگی کی اذیت کی طرح ہے اور ابن حجر
کہتے ہیں کہ مردہ اذیتِ رسانی سے رنجِ عالم محسوس کرتا ہے اور جن چیزوں
میں ایک زندہ لذت محسوس کرتا ہے مردہ بھی ان سے لذت گہرا ہوتا ہے۔
رہا یہ سوال کہ بعد از وفات حلاجین کی کیا تربیت
قبورِ روحانی | کرتے ہیں یا نہیں تو اس سلسلے میں طویل بحث کے
بجائے دو سو سو کے حوالے دیتے ہیں۔ ماہر صاحب جن کی عظمت کے

مسترف ہیں اور جی چاہے تو تین نام تاکہ تمام اہل دیوبند کو بھی سند مل جائے۔

اول شاہ ولی اللہ صاحب کی انجمن فیض الحرمین (۲) استنبابہ فی سلاسل ادبیات اللہ کو مطالعہ کر لیں۔ ان دونوں کتابوں میں اس ایک مضمون کے سوا اور کچھ بھی نظر نہ آئے گا۔
کہ ادبیات اللہ بالعموم، بالخصوص حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحیح و ابستگان کی تربیت فرماتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے نو سرکار و دو عالم سے مسئلہ وحدت الوجود کی تصدیق حاصل کی ہے اور بہت سے علوم اخذ کئے ہیں فیوض الحرمین حافظ علامہ شمس الدین ابن قیم کی کتاب لزوج رکھیں۔

دوم حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کے حوالہ سے حضرت خواجہ محمد معصوم کی عبارت درج ذیل ہے۔

۱۔ مکتوب ۱۴۲ اہل صدق و یقین مرقد مطہر حضرت مجدد و رحمۃ اللہ علیہ سے فیوض و برکات حاصل کرتے ہیں۔

۲۔ مکتوب ۲۳۹ فقیر کو مدینہ منورہ کا شوق تھا۔ روحانہ الورد سے وہ فیوض و برکات حاصل ہوتے رہے جو بیان سے باہر ہیں۔

۳۔ شیخ ابوالحسن خرقانی نے حضرت بایزید بسطامی کی روح سے تربیت پائی۔ اور فیوض و برکات حاصل کئے۔ سلسلہ نقشبندیہ اس نسبت روحانی پر قائم ہے۔

۴۔ حضرت بایزید بسطامی کی تربیت حضرت امام جعفر صادق سے بعد وفات ہوئی رہی۔ رسالہ قدسیہ محفوظات حضرت بہاؤ الدین نقشبندیہ۔ تذکرۃ الاولیاء فرید الدین عطار۔ رسالہ قشیریہ۔

۵۔ مولانا عبد القدوس گنگوہی کی تربیت حضرت احمد عید الخاں رود و لوی اپنی وفات کے بعد کیا مولانا گنگوہی اپنے شیخ الشیوخ کے فرادہ اقدس سے فیوض و

برکات حاصل کرتے رہے۔

۱۶۱ احمد اور بذات البنی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں علمائے اسخین قرآن و حدیث سے دلیل لاتے ہیں۔ آیت قرآنی ولو انهم اذ ظلموا لنفسهم جادوا لآیہ اور دوسرے دلائل کے ساتھ یہ بھی ایک دلیل ہے۔

احادیث: - مشکوٰۃ باب الکرامات۔ مدینہ میں تخطیڑا لوگ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کی جناب میں حاضر ہوئے۔ صدیقہ طاہرہ نے فرمایا کہ روضہ الورد سے ایک روشن دان آسمان کی سمت بنا دو جب یہ آیت لوگوں نے ایا کیا خوب بارش ہوئی کہ اہل مدینہ خوشحال ہو گئے یا ور ہے یہ عہد صحابہ ہے یہ روایت دارمی میں بھی ہے۔

مشکوٰۃ زمانہ قاروقی میں تخطیڑا تو ایک شخص روضہ الورد پر حاضر ہوئے اور استغاثہ کیا۔ رات کو سید عالم قاسم النعم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی آپ نے فرمایا کہ عمر کو نماز استغاثہ پڑھنے کے لئے کہو اور کہو کہ عقل اور سمجھ سے کام لیں۔ یہ روایت بیہقی ابن ابی شیبہ میں بھی موجود ہے۔ فتوح کے بیان کے مطابق خواب دیکھنے والے حضرت بلال فرنی صحابی ہیں۔

ابن انس سے حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ وہ حضرت ابن عمر کے ساتھ جا رہے تھے کہ پاؤں بے حس ہو گیا تو وہ معذور ہو کر بیٹھ گئے۔ ابن عمر نے کہا کہ محبوب ترین خلق کو ندادو۔ انہوں نے کہا یا محمد اور پاؤں درست ہو گیا۔ چلنے لگے۔ یہ روایت مختلف سندوں سے مروی ہے۔

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کاظم کی تبر قبول دعا

کہ لئے تریاق مجرب ہے۔

۵ امام غزالی کہتے ہیں کہ جن سے استمداوان کی زندگی میں جائز ہے بعد وفات بھی جائز ہے۔

۶ امام محمد بن مرزوق اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کہتے ہیں کہ اولیاء سے استمداوان کی وفات کے بعد نہ صرف جائز ہے بلکہ ایک گروہ کا دعویٰ ہے کہ بہت مؤثر ہے۔

۷ امام ابن حجر شارح سناری کہتے ہیں کہ ابوعلیٰ نیشاپوری سمعت رنج میں مبتلا تھے خواب میں حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ کھلی کی قبر پر جاؤ۔ چنانچہ گئے اور حاجت براری ہو گئی۔

۸ ابن عابدین شامی اپنی مشہور و معروف کتاب ردالمحتار کے حاشیہ پر خود ہی لکھتے ہیں کہ اگر کسی شخص کا کوئی چیز گم ہو جائے اور وہ اس کی واپسی کا منتہی ہو تو چاہئے کہ کسی بلند مقام پر قبضہ رکھتا ہو اور فاتحہ پڑھ کر سید احمد بن علوان کو بخشے اور گم شدہ چیز کی واپسی کی درخواست کرے شے گم شدہ مل جائے گی مجرب ہے۔

۹ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کا قصیدہ سمجھ کر پڑھنا بھی مفید ہوگا خوب خوب اشعار ہیں۔ ماہر القادری صاحب تو پھر قادری ہی کہاتے ہیں۔ یہ قصیدہ ان لئے تو ضرور سند ہوگا اگر ماہر صاحب مناسب سمجھیں تو فیوض الحرمین کے علاوہ دو کتابیں مصباح التظام اور وقار الوفا کا مطالعہ کر لیں۔

۱۰ حضرت طلحہ کی وفات سے ۶۰ سال بعد ان کی صاحبزادی بنت طلحہ کے حکم سے جسد اہل کو قبر سے نکالا گیا تو صحابی شہید کی لاش بالکل زندوں کی

طرح سے صبح و سالم تھی۔

۱۴۔ حضرت عثمان شہادت کے کچھ دن بعد دفن ہوئے؟ پد کے مجسم پر کوئی تغیر
اثر انداز نہیں تھا۔

۱۵۔ شہدائے اُحد کی لاشوں کو کچھ عرصہ بعد ایک جگہ سے دوسری جگہ پر
منتقل کیا گیا۔ ان کے اجسام مقدسہ پر کوئی تغیر نہ آیا تھا۔ بلکہ نازہ خون جاری
تھا۔

۱۶۔ سلطان نور الدین زنگی کا تاریخی واقعہ شاہد ہے کہ حضور رسید عالم
صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق حاضر ہوئے اور۔ روضہ مطہرہ کی تعمیر
مستحکم کی، بے ادبوں کو قتل کیا۔

۱۷۔ جب بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں مصر سے نکلے
تو راستہ بھٹک گئے یہاں تک کہ سیدنا یوسفؑ کی وصیت یا دعائی کہ جب
بنی اسرائیل مصر سے باہر نکلیں تو میرا جنازہ یہاں سے نکال لے جائیں۔ چنانچہ
آپ کا جنازہ یہ لوگ ساتھ لے گئے۔ حالانکہ سیدنا یوسفؑ و سیدنا موسیٰ
علیہم السلام کے درمیان ہزاروں سال کا فاصلہ ہے۔ جنازہ اٹھاتے ہی
راستہ مل گیا۔

۱۸۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے شہید کے خواب کی بنا پر مال شروکہ میں
اس کی وصیت جاری فرمائی تھی۔

۱۹۔ عمدا ابو بکر صدیقؓ کا ارشاد ہے اجسادنا رواحتنا در ابرا
اجسادنا۔ ماہر صاحب کا یہ کہنا کہ جمع ہے کہ یہ جنید و شبلی کا تصوف نہیں
ہے۔ بھائی یہی ان کا بھی تصوف تھا۔ اب آپ کی نگاہ میں ظاہر و باطن
کافر و محسوس نہ ہو تو اور بات ہے۔ کائنات میں جو کچھ نظر آ رہا ہے سب

کے سر پر نجات الہی کے تنزلات کا ظہور ہے۔ رہا ظن میں ایک ہی حیثیت ہے جو اصل وجود اور سرچشمہ حیوانات ہے۔ پھر دونوں بزرگ وحدت الوجود کے کائنات اللہ ولیم بیکر۔ معہ شکی غیرہ کے ساتھ اعلان کما کائنات حضرت جنید کا مقولہ ہے وہ لغتوں کو صفت حق فرماتے ہیں۔ آپ کو گھر میں ... نظر بند کر دیا گیا تھا تاہم کہ توحید عوام میں نہ پھیلائیں۔ شبلی کو پاگل خانہ میں قید کیا گیا۔ صرف اسی اظہار توحید کے جرم میں آپ کا ارشاد ہے۔
 الصوفی لایسالی مع اللہ غیر اللہ صوفی دونوں جہان میں غیر خیرا کو نہیں دیکھتا ماہر صاحب اپنے قول کے مطابق ان دونوں بزرگوں کے اقوال کی صحت تسلیم کرنے کا اعلان فرمائیے۔

مدیر فاران نے، رقص غنا، اور مزرا میر کو سماع شریف کے نام سے نشانہ ملامت بنا یا ہے

سماع شریف

کاش ابغین علم ہوتا کہ یہ مسئلہ کتنا نازک ہے اور اس پر طعنہ زنی خود علماء و محدثین فقہاء و مجتہدین کے نزدیک مذموم ہے۔ چہ جائیکہ ایک غیر عالم طعنہ زن ہو مگر غیر عالم ہی طعنہ زن ہو سکتا ہے۔

چونکہ تقاضی و تنازع اسلامی فریضہ ہے۔ اس لئے، اہل ظواہر کی غیر جوابی میں رقص، غنا و مزرا میر سماع شریف کے متعلق پسند یا پس نہادینا ضروری ہیں تاکہ وہ ایسی غلطی نہ کریں جو رو پر پیش نظر غلطی سے تائب ہوں۔

بہتر ہوتا کہ جناب مدیر فاران امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب بوارق اللہ سماع مطالعہ کر لیتے، اگر امام غزالی کی صوفیت ماہر صاحب کو یہ رس نہ آئے تو مستدرحہ ذیل میں تبیین کی اسی موضوع پر کتابیں حاصل کر لیں۔ کتاب السما (ابوالفضل بن طاہر)، مہمات، انصافی، کتاب الحمدہ دارین (مستشرق)

الامتاع فی احکام السماع وادوخی، وغیرہ۔

خبر مذکورہ بالا کتابیں اور ان کے مصنفین کو جاننے دیجئے چونکہ ماہر صاحب کو علامہ خلیل عرب سے عقیدت بھی ہے اور ان سے فخر تلمذ بھی ہے، لہذا اسی سلسلے کے پیران پیر قاضی شوکانی کا تحقیقی رسالہ البطل دعویٰ لاجماع، ضرور دیکھ لیں، یہ قاضی شوکانی وہ بزرگ ہیں جن کے نام سے نواب صدیقی حسن خان بھوپالی ان کی موت کے بعد نابیانہ استغاثہ کرتے ہیں قاضی شوکانی مدد سے انھیں قاضی شوکانی کی کتاب سے چند باتیں درج کی جاتی ہیں۔
۱۰ ابن طاہر حلت سماع پر صحابہ و تابعین کے اجماع کے قائل ہیں۔
۱۱ تاریخ انقرازی اور ابن قیثہ حلت سماع کو منسوب کرتے ہیں۔
۱۲ ماوردی کا قول ہے کہ اہل حجاز سال کے ان ایام میں نہیں عبادت سے
و اگر حکم ہے۔ سماع کو جائز کہتے ہیں۔

۱۳ امام شافعی اہل مدینہ بلکہ اہل حجاز کی طرف حلت سماع کو منسوب کرتے ہیں

۱۴ ابن نجومی بشرح الجمارہ میں لکھتے ہیں کہ صحابہ کی ایک جماعت اور تابعین سے سماع ثابت ہے اور وہ اس کو جائز کہتے ہیں۔ جن میں مندرجہ ذیل صحابہ کی فہرست پائی جاتی ہے۔

۱۵ عمر عثمان، عبدالرحمن بن عوف، ابو عبیدہ بن صراح، سعد بن ابی وقاص، ابو مسعود بلالی، عبداللہ بن ارقم، اسامہ بن زید، ضمیر، ابن عمر، براء بن مالک عبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن زبیر، حسان، عبداللہ بن عمرو، قرظہ بن کعب، خواص بن جیر، یار المعترف، معتیرہ بن شیبہ، عمرو بن عاص، ام المؤمنین عائشہ، ربیع، رضی اللہ تعالیٰ عنہم ورضوا عنہ،

تماہین میں سعید بن مصیب، سالم بن عبد اللہ بن عمر، عبد الرحمن بن حسان،
خارجہ بن زید، تشریح القاضی، سعید بن جبیر، عامر الشیبی، عبد اللہ بن عیینہ، عطار
بن ابی رباح، محمد بن شہاب زہری بن عمر بن عبد العزیز۔

۱۔ اتباع تابعین میں حالت سماع کے قابلین شمار سے باہر ہیں، چنانچہ
ائمہ اربعہ (ابو حنیفہ، مالک، شافعی، ابن حنیبل) ابن دینار، فرق یہ ہے کہ
جو زین سماع میں کچھ لوگ اس کو مباح کہتے ہیں، کچھ لوگ مستحب کہتے ہیں اور
بعض لوگ مکروہ کہتے ہیں مگر حرمت سماع کا دعویٰ اتنا نازک ہے کہ امام ابو الفتح
کا قول ہے کہ مطلق سماع کو حرام کہنے والا کافر ہو جائے گا کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام سے اسماع غنا ثابت ہے اور ارتکاب حرام کی نسبت حضور کی طرف کفر
ہے اور غنائات کے ساتھ "کے متعلق مشہور احادیث وارد ہیں۔ اس
لئے شکر کے فاسق ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

۲۔ امام ابن طاہر کہتے ہیں کہ غنائات سنت مطلقہ اور درجہ قربت
ہے کیونکہ اس کی نذر حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جائز قرار دی اور انفا
نذر کا حکم دیا۔

۳۔ ائمہ احناف میں صاحب بدایع، صاحب بدیہ شمس اللہ، حسن
اباحت غنا کی تصریح کرتے ہیں۔

۴۔ امام ابو فوی کہتے ہیں کہ مخالفت سماع کے متعلق جتنی روایتیں
ہیں سب کی سب ضعیف... اور ناقابل استناد ہیں چنانچہ مالکیہ، شافعیہ
حنابلہ، بلکہ تمام ائمہ اربعہ، داؤد ظاہری، سنیان وغیرہ تمام مہتدین و اصحاب
نہایت متبعہ میں سے کسی نے بھی ان روایتوں کو مستند نہیں مانا،
۵۔ امام ابو یوسف بن عربی کہتے ہیں کہ غنائات مخالفت کے

متعلق کوئی روایت صحیح نہیں ہے بلکہ سب کی سب موضوعات ہیں۔
 علامہ امام ابن طاہر کہتے ہیں کہ روایات حرمت میں ایک حرف بھی صحیح
 نہیں ہے۔

۱۲۔ علاء الدین قونوی کہتے ہیں کہ ابو محمد بن حزم کا قول ہے کہ حرمت
 غنا کے متعلق کوئی روایت صحیح نہیں ہے بلکہ سب کی سب موضوعات
 ہیں اور ان کے وضعی اور جعلی ہونے کی قسم کھائی جاسکتی ہے۔ مگر کسی ایک
 حدیث ممانعت کی سند میں ثقہ راوی نظر بھی آتے ہیں تو وہ روایت حضور اکرم
 والسلام تک نہیں پہنچتی دیگر رسول کی طرف منسوب اکیلا قول جبکہ رسول کے عمل
 و قول کے خلاف ہو کیونکہ معتبر و قابل قبول ہوگا۔

۱۳۔ امام ابومالک تنوخی کہتے ہیں کہ فاکہانی کی تحقیق یہ ہے کہ زنا سے
 کتاب میں اور نہ سنت رسول میں کوئی حدیث صحیح ملتی ہے جس سے ملا ہی
 دشنام و لات غنا، رقص، اکی درمت معلوم ہو سکے۔

علامہ ابن نجیم "درہ" میں رقم طراز ہیں کہ غنا، عود، دریاگر ملامی
 کو حرام سمجھنا صحیح نہیں ہے۔

۱۴۔ کتاب الطیبات فی التلام کی وجہ تمام طیبات
 حلال میں داخل ہیں لہذا یہ استلذات کہ ہم معنی ہیں۔ اور جب کوئی قرینہ مخالف
 موجود نہیں ہے تو معافی سرگاہ اس میں داخل ہیں (ابن عبد السلام)
 ۱۵۔ حدیث سمارہ عہد صحابہ میں اجماع سکوتی کا حکم رکھتی ہے کیونکہ سیدنا
 علی، سیدنا سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما کے درخلافت میں متذکرہ صحابہ کرام
 معالات نہایت سے ان پر کسی نے اعتراض نہیں کیا۔

قاضی نوکافی تمام بحثوں کو پیش کرنے کے بعد فیصلہ دیتے ہیں کہ آلات

لوز کہا گیا ہے (العالم نور) قرآن میں ہے، اللہ جس کو ہدایت فرماتا ہے اس کو
 حقائق اسلام کے لئے "شرح صدر" فرماتا ہے۔ اس کے برعکس حسد، کینہ،
 بغض و عناد، تنگ نظری اور تعصب کے امراض خبیثہ سوئے اعتقاد،
 سوئے ظن، سوئے اخلاق، کی مہلک بیماریاں صرف اپنی قلوب کو لائق ہوتی ہیں
 جو قلوب پاوالہی سے عاقل ہیں زحمت اعتقالات قلبیہ (کلام صدق) ہیں
 وایضاً حوالا کا منہر ہیں۔ کفر و نفاق ان دلوں میں اپنی جڑیں پھیلا چکا
 ہے۔ ایسے قلوب قول ہدایت سے محروم ہیں۔ انشا پر اللہ کی ہر ہر شے
 ہے۔ ختم اللہ علی قلوب سقیم ان دلوں کو اندھا کہا گیا ہے نہیں ہی ان قلوب
 الذی فی الصدور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے علم کو ان کے حقا میں
 عجاب بنایا ہے۔ من افضلہ اللہ علی علم اعلیٰ کی طرف متوجہ ہونے
 کے بجائے ادنیٰ کی طرف متوجہ ہو کر مخلوق کی عیب جوئی، نکتہ چینی برکوی
 کو انھوں نے اپنا علمی مشغلہ بنایا اور اس پر مطلع نہ ہوئے کہ یہ فریب نفس ہے۔
 کہ خود کو اصلاح یافتہ صالح اور دوسروں سے اچھا سمجھتے ہیں۔ پھر اس برائی
 کو وہ بھلائی سمجھنے لگے۔ بیدینی کو دین خیال کرتے ہیں یہ عین گمراہی ہے۔
 الذین ضلّ سعیم فی الحیوٰۃ الدنیا یحسبون انہم
 یحسبون صناعاً۔

ان کے رسائل و جرائد کو دیکھو، ان کی تصانیف و تالیفات ملاحظہ
 کرو۔ ان کا ادب صالح اور دینی لٹریچر دیکھو۔ شیاطین کیلئے تو ان کو یہ
 حسن ظن ہے کہ وہ ژنڈہ ہیں، اور انبیاء و نبیین انبیاء کے ساتھ ان کو یہ
 عناد کہ ان کو اموات کہتے ہیں اور انہم بالاسم مستم یہ کہ قرآن ہی سے سزا
 پیش کرتے ہیں (اصوات شہیرا حسیا) حالانکہ وہ تو "اجبار" نہیں

اموات ہیں۔

جب نبیوں کی جناب میں ان کی یہ گستاخانہ اور کافرانہ روش ہے تو پھر
 اوروں کا ذکر ہی کیا، ان کی زبان اور قلم سے کون سا مسلمان بچا ہوا ہے؟
 علماء کبار کا منخطیبہ، مجتہدین کی تغلیط، ادیبانِ رسد کی توہین، انبیاء کرام کی تحقیر
 عام مسلمانوں کی تعریض، ان کی تشہیر بہ ہے صالحیت، اقامتِ دین، اجبار
 اسلام، اعمالِ ظاہری کے پیمانے سے وہ ایمان کو ناپتے ہیں۔ وہ ہنسنے جانتے
 کہ منافقین خود کو مسلمان بھی کہتے تھے۔ توجیر و رسالت کا اقرار بھی کرتے تھے
 نمازیں بھی پڑھتے تھے، روزے بھی رکھتے تھے حج و زکوٰۃ میں بھی مسلمانوں کے دوش
 بدوش تھے۔ جہاد میں بھی ساتھ ساتھ رہتے تھے غرضیکہ وہ تمام اعمال و اقوال ظاہری
 کے موصوف تھے جن سے ایک مسلمان موصوف ہو سکتا ہے اس لئے سب
 ان کو مسلمان ہی سمجھتے تھے مگر ان تمام باتوں کے باوجود۔ ان کو منافق کہا گیا۔
 ان کو واجب القتل قرار دیا گیا۔ ثابت ہوا کہ اعمال ظاہری مقصود بالذات نہیں
 اگر یہ مقصود بالذات ہوتے تو منافقین تمام اعمال ظاہری سے موصوف ہوتے
 ہوئے واجب القتل قرار نہیں دیے جاسکتے؟

یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰی صُوْرِكُمْ

وَالَّذِي يَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِكُمْ

وَيُنَبِّئُكُمْ

اللہ تعالیٰ تمہاری ظاہری صورتوں کو

کو اور ظاہری اعمال کو نہیں

دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور

نیتوں کو دیکھتا ہے اس لئے

بارگاہِ نبوت سے اعلان

فرما دیا گیا۔

دل میں
 خیرا
 کے
 انسا
 اعمال
 شرکیہ
 فسق
 غصو

نیت المؤمن خیر من عملہ مؤمن کی نیت کے عمل سے بہتر ہے
متفق علیہ حدیث ہے۔ انما الاعمال بالنیات۔ اعمال کا اعتبار
نیتوں پر ہے۔

نیت | باطنی حالت کا نام ہے۔ باطنی حالت قلبی کیفیت کا نام
ہے، پھر اگر قلب امراض خبیثہ کا مرہون ہے، جہل، ہندار،
عجب، نخوت، کبر و ریا، حرص و طمع، بغض و حسد، کفر و نفاق سے پاک
ہیں ہے تو پاک اعمال کا صلہ و رکھاں سے ہو گا۔ سرچشمہ ہی گندایا ہے
تو آپ ٹھور کہاں سے آئے گا زمین ہی بخر سنگلاخ اور شورہ زار ہے
تو بیل بولے کیسے آگیا گے۔ بیج ہی و صفورے اور ستیا ناسی کے پڑے
ہیں تو گل و ریا حین لالہ و نسریں کہاں سے پیدا ہوں گے؟ جب سر زمین
دل میں فساد رونما ہوتا ہے تو اس فساد فی الارض کے شعاعوں کی لپیٹ
ہیں پورا نظام افکار و اعمال آجاتا ہے۔ دل فاسد ہوتا ہے تو پورا نظام
جسمانی فاسد ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتاب و حکمت
کے علوم سکھانے سے پہلے نفوس انسانی کا تزکیہ فرماتے۔ قلوب
انسانی کو سرچشمہ و حکمت قرار دیتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اصلاح
اعمال اصلاح قلب پر منحصر ہے۔

شکرپہ نفس | ان فی جسد آدم جسم انسانی میں ایک
لطفۃ اذا فسد گوشت کا ٹکڑا ہے جب
فساد کل و اذا صلیت صلیت کل الا و
حصوا القلب۔
وہ قاصد ہوتا ہے تو نظام
جسم پیدا کا پورا فاسد
ہوتا ہے اور یاد رکھو کہ وہ
دل ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ "خوارج" کتنے عابد و زاہد اور متورع تھے،
ان کی پیشانی پر غلط بجدوں کے نشان نمایاں تھے ان کی ظاہری صورت دینداری
اور تقویٰ کا مرقع تھی۔

پھر اگر اعمال ظاہری مقصود ہوتے تو خوارج پر صالحین کے اطلاق میں
کوئی امر مانع تھا؟ اعمال ظاہری کو دلپسند کے جتنے پہانے ہو سکتے ہیں ان سب
پیمانوں پر ان کے اعمال پورے اترتے ہیں "صالحیت" کا جامہ ان کے جسم پر باہر
"فقط اتنا ہے" فی قلوبہم مرض فنادھم اللہ من صنا معلوم ہوا ان کے
باطن میں روگ تھا ان کے قلوب میں مرض تھا باطن کی خرابیوں نے ان کے تمام اعمال
کو اکارت کر دیا چونکہ ظاہر اعمال صالحہ کی تحریف میں آتے تھے وہ دل کی بیماری کیا تھی؟
حضرت علی علیہ السلام کی جناب میں موسیٰ ظنی اور بہ عقیدہ تھی "ورنہ وہ خدا کے
منکر نہ تھے، رسول کے منکر نہ تھے۔ کتاب اللہ کے منکر نہ تھے بلکہ اس کے برعکس
وہ ان عقائد میں نہایت مستعد اور دشوار پسند تھے۔ مگر آپ نے دیکھا کہ ان کی دین
داری ان کا تقویٰ، عبادتوں کا اہتمام، ریاضتوں کا التزام، خدا کو خدا ماننا، رسول
کو ماننا، قرآن و احادیث کو ماننا اور اعمال صالحہ سے موصوف ہونا کچھ بھی تو ان کے
کام نہ آیا۔ سرچشمہ ولایت جناب مولا علیؑ علیہ السلام کی عداوت ان کو سیدھا
جہنم میں لے گئی۔

بے ادب بوند پئے خاصانِ حق

دل بے اندسیہ دارد ورق

عنایاتِ حق و خاصانِ حق گریک باشد سیتش ورق

ثابت ہوا کہ اعمال ظاہری مقصود بالذات نہیں ہیں، بلکہ اعمال کا اطلاق
ہی ان اعمال پر باطل ہے۔ جو "انچہ آدم می کند بوزنہ ہم می کند کامصداق ہوں۔"

ظاہر میں مسلمانوں کی حرکات و سکنات کا چرہ اتارنا ان کے افعال و اقوال کی نقالی
 کرنا۔ اور یا ظن میں انبیاء و صدیقین شہدار اور صالحین سے بد عقیدتی رکھنا جو صراط
 مستقیم پر چلنے والوں کے لئے قرآن کے الفاظ میں بہترین سائنسی ہیں۔ کسی مسلمان
 کی راہ نہیں ہے۔ مفسدین اور ضالین ہی کی راہ ہو سکتی ہے۔ اس طریق کا آدمی
 دین کے لباس میں بے دین ہے۔ اس کے اعمال ظاہری خواہ صالحیت کے
 لباس میں ملیں نظر آئیں وہ منافق ہے، بے دین ہے، خارجی ہے۔ اس حدیث
 مبارکہ میں صراحتاً تنزیہ قلبی کی تاکید موجود ہے اور بغیر تنزیہ قلبی کے پورے نظام
 جسمانی کے فاسد ہو جانے کا حکم لگا دیا گیا ہے۔

اولیاء اللہ جنہوں نے سفر زندگی کے ہر موڑ پر نبوت کے چشمہ ابرو کے اشارہ کو
 رہنا بنا یا ہے۔ نفس کی گھاٹیوں کو عبور کیا ہے، تزکیہ قلب کے مراحل سے
 گزرے ہیں، ان کا ہر نقش قدم صراط الذین انعمت علیہم کی جینی
 چاگنی تصویر ہے۔ ان صالحین کی راہ سے نہ موز کر صالحیت کا معیار یہ رہ گیا ہے
 کہ اسلامی جماعت میں شامل ہو جائیں، آپ صالح ہو جائیں گے۔ پھر آپ کو تمام
 مسلمانوں کی عیب جوئی، نکتہ چینی بدگوئی کا ٹاٹل مل جائے گا۔ اولیاء کی جناب میں
 گستاخی کے آپ مجاز ہوں گے، ائمہ مجتہدین کی تغلیط و علماء کبار کی توہین کا آپ کو
 اختیار ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے اختیار ثابت کرنا انبیاء و عظام اولیاء
 کرام کو اہوات و غیر حیا، اور شیطانی کوزہ کہتا لکڑی پتھر کی مورتوں کا غیر اللہ کی
 پرستش میں شمار نہ ہونا جائز ہو جائے گا۔

قیاس کن ز گلستان من بہار

کاش ماہر صاحب پاس سخن اور مہارت سے الگ
 دور مندانہ گذارش

بزرگ مفسرین کے اقوال اور کتاب دست

کی دلائل "قطبیہ" کو بہ نظر انصاف دیکھیں گے اور مودودی صاحب کے صنعتِ علمی پر جو اپنے عقائد کی بنیاد رکھی ہے اس سے جو عکس کو برپا کرے۔ علماءِ حق کی آوازیں اس اہمیت کی تفسیر کے سلسلے میں ان تک پہنچ گئیں، اللہ کی رحمت تمام ہو گئی۔ وما علینا الا البلاغ۔

ترجمہ نہ رسی بکمبرہ اسے ۱۶۱ بی کماں رہ کے کہ تو میری برسرکستان

اسلام کے تقاضے | مودودی صاحب کا ایک مضمون مولہ صفحات میں چھوٹے سائز پر جماعتِ اسلامی کی طرف سے

شائع ہوا ہے۔

اس مضمون میں قومِ نوحِ عاد و قومِ لوط اہل مدین سے لے کر کوئی اسرائیل تک کی تباہی پر باہمی ہلاکتِ ذات و نکت کا اصل سبب ان اقوام کے اعتقاد و عمل کی خرابی کو بتایا گیا ہے۔

کتاب و سنت سے اس مضمون میں جا بجا تائید حاصل کی گئی ہے، اعتقاد اور عمل کی خرابی کو مستعدی مرض قرار دیا گیا ہے۔ علماءِ ادنیٰ الامرا اور مشائخ کو اس مرض کا معالج بنایا گیا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو حفظانِ صحت کی تدبیر کہا گیا ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں۔ اعتقاد اور عمل کی خرابی دین و دنیا میں تباہی کا موجب ہوتی ہے اور اس کا تدارک علماء کی ذمہ داری ہے مگر اعتقاد اور عمل کی صحت کا معیار خود علماء کے نزدیک واحد نہیں۔ اس کا کیا علاج ہے؟

مودودی صاحب اپنے عقائد میں تمام علماء امت سے منفرود ہیں۔ علمائے اہل حدیث علمائے دیوبند، علماءِ بریلی علماءِ لکھنؤ سب ہی نے ان کی تحریک کو خارجیت کی طرف میلان سے تعبیر کیا ہے۔

اعتقاد اور عمل کہنے میں جتنے انسان اور سیدھے سادھے الفاظ معلوم ہوتے ہیں سیدان عمل میں اتنے ہی پیچیدہ اور کثیر المعنی ہو جاتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ قوم لوط، قوم عاد، قوم لوط، اہل مدین اور بنی اسرائیل کے اعتقاد و اعمال میں فساد تھا۔ اور یہ فساد ان کی ہلاکت اور تباہی پر منتج ہو کر رہا مگر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اعتقاد میں جو فساد رونما ہوا تھا اس کا سبب کیا تھا؟

وجہ عذاب | محدودی صاحب سے زیادہ اس بات کو کون جان سکتا ہے کہ خرابی اعتقاد کا سبب اصلی صرف خدا کے برگزیدہ بندوں کی تکذیب ترویج اور توہین کے سوا کچھ کبھی نہ تھا۔ انھوں نے رسولوں سے استہزا و تمسخر و ارکھا۔ ان کے مراتب کو نہ پہچانا۔ انھیں اپنا ایسا بشر کہا۔ ان سے ہمسری اور برابر برائی کا دعویٰ کیا۔ انہیں ایذا نہیں دیں۔ گالیاں دیں۔ انہیں سزا کر کہا۔ دیوانہ ٹھہرایا۔ کاہن، کاذب اور شاعر بتایا۔

اس بے ادبی اور گستاخی کی پاداش میں وہ قومیں مستحق عذاب ہوئیں۔ بیتیان الٹ دی گئیں، قریبے تباہ کر دیئے گئے۔ خشک و تڑکھرو بہ ہیں کہیں ان کو عذاب الہی ہی اماں نہ مل سکی۔

بددعا | قرآن کے مطالعے سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ جاتی ہے کہ جتنی قومیں ہلاک ہوئیں وہ کسی نہ کسی خدا کے مقبول بندے کی دلازاری اور نافرمانی کے سبب سے ہلاک ہوئیں۔ ایک مرد مومن کی بددعا نے تمام دنیا جہان کے کافروں کا بیڑہ غرق کر دیا۔ رَبِّ لَا تَذَرْنِي مِنَ الْكَافِرِينَ دِيَارًا ط۔ ظاہر ہے کہ لوط علیہ السلام بددعا نہ فرماتے تو طوفان لوط نہ ہوتا۔ اعتقاد اور عمل کی ہزار خرابیوں کے باوجود عذاب الہی نازل نہ ہوتا۔ جیسا کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سرزمین طائف پر اعتقاد اور عمل کی خرابیوں میں ڈوبے ہوئے لوگوں سے سابقہ پڑا۔ انھوں نے آپ کو نہایت بے رحمی اور سفاکی سے مجروح کیا۔ آپ کی تکذیب اور توہین میں کوئی کمی نہ اٹھا رکھی مگر آپ نے چونکہ بدعا نہ فرمائی۔ اس لئے وہ عذاب الہی سے محفوظ رہے اور ملک الجبال نے طائف کی پہاڑوں کو التبر نہ اٹھا۔ وہ مستحق عذاب ہونے کے باوجود عذاب سے محفوظ رہے۔ چونکہ آپ رحمتہ اللعالمین ہیں اس لئے کافروں کے حق میں بھی آپ کی رحمت مانع عذاب ہوئی یہ ہم نہیں کہتے قرآن مجید میں اعلان خداوندی ہے۔ مَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ جہاں اللہ کی رحمت کا فرما ہے وہاں اللہ کا عذاب کس طرح نازل ہو سکتا ہے۔ مگر خدا کو چار و چہار خشکیوں غضب آلود قہر مان تاہرمان سخت کر مستقیم جو ثابت کرتا ہے۔ حالانکہ اللہ کی رحمت ہر شے پر وسیع ہے اور ہمارے آقا شفیع المنزبین رحمت اللعالمین ہیں۔

قیاس مع القارق | ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ موودوی صاحب قرآن کریم کا وہ امتیں جو کافروں کے حق

میں نازل ہوتی ہیں اور ان کو مستحق عذاب قرار دینے والی ہیں مسلمانوں پر چپکائی ہیں اور امت محمدیہ علیٰ صاحبہا افضل الصلوٰۃ والسلام کو قوم اذیح۔ عاد۔ قوم لوط، اہل مدین اور بنی اسرائیل کی طرح اعتقاد و عمل کے فساد کا مجرم بتاتے ہوئے موودوی عذاب ہونے سے ڈرایا گیا ہے۔ اور امت فیہم والی آیت قرآنی جو امت محمدیہ کے لئے مانع عذاب ہے اس کو نظر انداز کیا گیا ہے۔

اس کا سبب اس کے سوائے اور کیا ہو سکتا ہے کہ موودوی صاحب (۱) حیات النبی کا اعتقاد نہیں رکھتے (۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمتہ اللعالمین ان معنوں میں اعتقاد نہیں کرتے کہ آپ ان یعنی رحمت عالم ہیں (۳) محمد الرسول اللہ

پر آج ایمان لائے کو بالکل ویسا ہی نہیں سمجھتے جیسا کہ قرونِ ادلی میں آپ پر ایمان لایا جاتا تھا زندہ رسول پر ایمان لانا شاید منافیِ امارت -

آئیڈیل سوسائٹی | مودودی صاحب نے اسی کتابچہ (اسلام کے تقاضے) میں لکھا ہے -

”قرآن مجید کا مقصد دراصل ایسی ہی ایک آئیڈیل سوسائٹی بنانا ہے -

جس کا ہر فرد اپنے قلبی رجحان اور اپنی فطری غیرت و جیاد اور خالص اپنے ضمیر کی تحریک پر احتساب اور نگرانی کا فرض انجام دے اور کسی اجرت کے بغیر فدائی فوجدار بن کر رہے۔ **وَكذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شٰهِدًا عَلٰى النَّاسِ وَيَكُوْنُوْا عَلَیْكُمْ شٰهِدًا** (البقرہ ۱۴۰)

اور اس طرح ہم نے تم کو ایک عادل اور متوسط اُمت بنا دیا ہے تاکہ تم لوگوں پر نگران رہو اور رسول تم پر نگران رہے۔ (اسلام کے تقاضے صفحہ ۱۲)

عبادت میں رجحان بالاسے جو مفہوم ذہن میں متبادر ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے

کہ قرآن مجید احتساب اور نگرانی ایسے اہم فرض کی انجام دہی کے لئے نود کوئی لائق عمل پیش نہیں کرتا ہر فرد اپنے قلبی رجحان اور اپنی فطری غیرت و جیاد اور خالص اپنے ضمیر کی تحریک پر اس اہم فرض کو انجام دے ظاہر ہے کہ یہ مفہوم ایک طرف تو قرآن مجید کی جامعیت کے منافی ہے دوسری طرف جتنے افراد اتنے ہی ان کے قلبی رجحانات

اتنی ہی ان کی فطری غیرت و جیاد کے تقاضے اتنے ہی خالص ان کے ضمیر کی تحریکات اس کے معنی ہوتے کہ کوئی طریق احتساب متعین ہے نہ صائبہ نگرانی مقرر ہے

ہر فرد کی عنان اختیار اس کے دل اس کی فطرت اس کے ضمیر کے ہاتھ میں دے کر

قرآن مجید کا اصلی مقصد ایسی ہی ایک آئیڈیل سوسائٹی بنانا ہے یا ہر فرد کے

دل پر اس کی فطرت پر اس کے ضمیر پر اللہ کی حکومت قائم کرنا قرآن کا اصلی مقصد

ہے۔؟

وہی اور ہوا اور ہوا کا فرق مودودی صاحب کو معلوم ہوتا چاہئے۔
وہی اور ہوا وہ اثباتِ وحی کی طرف دعوت دینے کی جگہ اتباعِ ہوا کی تلقین فرما

رہے ہیں۔ یہ تعجب اور حیرت کا مقام ہے۔ اگرچہ انہوں نے اتباعِ ہوا کا لفظ

استعمال نہیں کیا ہے مگر جو الفاظ انہوں نے استعمال کئے ہیں ان کا مطلب اتباعِ ہوا

کے سوا کچھ بھی نہیں۔ آپ ان کے مجوزہ الفاظ کا تجزیہ کیجئے تو یہ حقیقت

منکشف ہو جائے گی۔ رجحانِ قلبی کے کیا معنی ہیں؟ جو حجبیں آئے۔ جو دل چاہے

جو بات دل کو لگے جس طرف دل مائل ہو۔ جس سمت دل تھکے غرضیکہ رجحانِ قلبی کے

جو مدنی بھی مراد لئے جائیں گے ان میں دل کی چاہت کا مفہوم ضرور ہے۔ اسی خواہش اور

چاہت کا دوسرا نام ہوا ہے۔ اسی طرح خالص اپنے ضمیر کی تحریک وہ ہوگی جو تمام

خارجی اور داخلی اثرات کی اجزائیں سے پاس ہو۔ اگر ایک فرد کے خالص ضمیر کی تحریک

کسی دوسرے فرد کی خالص ضمیر کی تحریک سے متصادم ہو تو باہمی معاہدت مصالحت

دونوں کے ضمیر کے خلاف ہوگی اور معاہدت و مصالحت نہ ہوگی تو افکار و نظریات

میں بھی آجڑائیاں رونما ہوں گی اور ہر فرد چونکہ خالص اپنے ضمیر کی تحریک پر ادائیگی

فرض کی بنیاد استعمال کرے گا۔ اس لئے اس قسم کے افراد کوئی جماعت نہ بنا سکیں گے

تفریق و تشدد میں مبتلا رہیں گے اور یہ صورت معاشرے میں فسادِ عظیم کا سبب

ہو جائے گی کہ احکامِ الہی کے بجائے خالص احکامِ ضمیر کو معیارِ عمل یا بنیاد کا بنیاد

جائے۔

ضمیر ضمیر کی حقیقت کیا ہے؟ خود نفسِ انسانی میں جو ادویات مضمحل

ہوتے ہیں وہی ضمیر کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ ہم دیکھتے

ہیں کہ ہندوؤں کے نزدیک گاؤں کشی ان کے ضمیر کے خلاف ہے مگر مسلمانوں کے

نزدیک گائے کو ذبح کرنا اور اس کا گوشت کھانا ان کے ضمیر کے عین مطابق ہے پھر ضمیر انسانی جہاں مفزرتِ نفس سے بنتا ہے وہاں ماحول یا گرد و پیش کے رجحانات اور حالات کے ماتحت بنتا اور بگڑتا رہتا ہے پس اس سے زیادہ خطرناک راہ کوئی نہیں ہو سکتی کہ افراد کو ان کے نفس کے حوالے کر دیا جائے اور خالص ان کے ضمیر کو ان کا رہنا قرار دیا جائے جیسا کہ کوئی فرد یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کا ضمیر یا مافی الضمیر عین مرادِ حق ہے اور وحیِ انہی کی طرح غلطی اور خطا سے پاک ہے۔

بے چارنا زبرداری | مودودی صاحب نے چونکہ قرآن مجید کا اصلی منصف اور ایک آئیڈیل سوسائٹی کا قیام تجویز کیا ہے اور اس سوسائٹی کے طریق احتساب اور طرزِ نگرانی کا کام ہر فرد کے ضمیر پر منحصر قرار دیا ہے لہذا ضمیر یہاں کاشف کا قائم مقام ہے۔ یہ انگریزی داں طبقہ کی بے چارنا زبرداری ہے کہ ان کو خوش کرنے کے لئے قرآن مجید کو ماڈرن فکر و نظر کے سانچے میں ڈھالنے کی غلط کوشش کی جا رہی ہے۔

قرآن کا دائرہ عمل | ورنہ قرآن مجید کا دائرہ عمل تمام نوعِ انسانی پر محیط ہے اور نوعِ انسانی کے عقائد و افکار، اعیان و عواطف و داعیات و رجحانات پر احکامِ قرآنی، حاکمانہ تسلط و اقتدار رکھتے ہیں۔ قلبی رجحانات ہوں یا فطری داعیات شرم و حیا ہوں یا خالص اپنے ضمیر کی تحریک ہو۔ ان میں سے کوئی باسب کے سب مل کر کسی مسلمان کے طریقِ کار کی بنیاد بننے کی صلاحیت اپنے اندر نہیں رکھتے۔ جب تک کہ ان کو کتاب و سنت سے مقید نہ کیا جائے۔ اور جہاں ان پر یہ قید لگائی جائیگی تو وہ قلبی رجحانات، فطری داعیات اور خالص اپنے ضمیر کی تحریکات پر انسانی تشبہ، انسانی فطرت اور انسانی ضمیر کی طرف مستوجب نہ ہوں گے بلکہ ان کی نسبت

نفس انسانی سے مرتفع ہو کر حق کی طرف ہو گی۔ یہی اتباعِ وحی کا مقام ہے اور یہی ہوا سے اجتناب کا نقطہ ہے۔ قلبی رجحانات، فطری داعیات اور خالص ضمیر کی تحریک، یہ خوش آئند لفظوں کا ایک ایسا گورکھ دھند ہے جس کے معنی نفس کی بھول بھلیاں کسے سوائے کچھ بھی نہیں۔ زیادہ واضح الفاظ میں یہ سب اتباعِ نفس اور اتباعِ ہوا کی دلفریب صورتیں ہیں خدا ان سے بچائے۔

غرضیکہ مودودی صاحب نے اپنی آئیڈیل سوسائٹی کے قیام کو قرآن کا اصلی مقصد قرار دینے میں کبھی حسارت سے کام لیا ہے اور اس کے طریق کار کو افراد کے قلبی جذباتِ فطرت اور ضمیر کے سپرد کرتے ہیں جو ذمہ داری قرآن مجید پر عائد کی ہے قرآن مجید اس سے بھی بیزاری کا اعلان کرتا ہے۔

بیت پرستی | اِوَاتَّبِعِ الْحَقَّ اِذَا حُورُوا بِرُحْمٍ لِفَسَادِ السُّوْ
فَا لاسرحت۔

اگر خدا ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی کرتا تو نظامِ ارضی و نظامِ سماوی فاسد ہو جاتا۔

خواہش ایک بت ہے۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں ہوا کو الہ کہا گیا ہے۔ اور الہ ہوا کو بتوں کا بجزاری قرار دیا گیا ہے افس بیت من اتخذ الہہ ہوا۔

اتباعِ وحی | اس بت پرستی سے بچنے کا امکان ہی نہیں۔ جیت تک انسان اپنے نفس کو وحی کے تابع نہ کر دے قلبی رجحانات فطری داعیات اور تحریکِ ضمیر کی صحت کا معیار یہ ہے کہ وہ احکامِ قرآن سے معارضت یا متصادم نہ ہوں اور جب وہ معارضت اور متصادم ہوں گی بلکہ عین موافقت ہوں گی تو ان رجحاناتِ داعیات اور ضمیر کی تحریکات کا حیثیت

تبوع کی ہوگی نہ کہ تابع کی۔

قرآن کا غلط ترجمہ | امةً وسطاً کا ترجمہ موودوی صاحب نے خود کیا ہو یا کہیں سے نقل کیا ہو یہ

صورت وہ ترجمہ نہیں، اضافہ ہے اور غلط ہے۔ ملاحظہ ہو۔

وَكُنَّا لَكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا اور اس طرح ہم نے تم کو ایک عادل اور متوسط اُمت بنا یا ہے۔

ترجمہ دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُمت قرآنی میں جیسے لفظ عادل نازل ہونے سے رہ گیا تھا، مستاذ اللہ اس کلمہ کو ترجمہ سے پورا کیا گیا ہے۔

امةً وسطاً کا ترجمہ متوسط اُمت ہے اور ٹھیک ہے مگر کوئی پوچھے یہ عادل کون سے لفظ کا ترجمہ ہے؟ زیادتی ہے بے باکی ہے۔ قرآن تمییز کے ساتھ جولائی لہجہ کا نازیبا استعمال ہے۔

خدائی فوجدار | ایڈریل سوسائٹی جس کا ہر فرد اپنے قلبی رجحان اور فطری داعیات اور اپنے ضمیر کی تشریح پر احتساب اور نگرانی کا فرض انجام دے گا۔ اس کے متعلق موودوی صاحب فرماتے ہیں کہ۔

دہر فرد، بغیر کسی اجرت کے خدائی فوجدار ہو کر رہے گا۔ اول تو خدائی فوجدار کوئی علمی اصطلاح نہیں ہے۔ عامیاناہ اور سو قیاناہ اصطلاح ہے۔ کتابت سنت میں کوئی اصطلاح ایسی نہیں ہے جس کا ترجمہ خدائی فوجدار سے کیا جاسکتا ہو۔ پھر اس عامیاناہ اصطلاح کا محل استعمال بھی یہ نہیں ہے جو موودوی صاحب نے تجویز کیا ہے۔ خدائی فوجدار کے معنی میں تو رہنما یا مدرس کا پہلو نہیں ہے۔ مہم کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ یہاں محل مدرس میں یہ لفظ غلط مستعمل

ہوا ہے۔

پھر خدائی فوج دار کون ہو سکتا ہے۔ خدا نے کسی کو فوجدار مقرر کیا ہے؟
فوج داری کے اختیارات تفویض کئے ہیں۔ اور اگر فوجدار سے خدا کی فوج
کا سرواڑہ ہے تو انوار الہیہ کا یہ حال ہے کہ ما یعلم جنود ربک الا
نحواً۔ خدائی افواج کا حال خدا ہی کو معلوم ہے جیسا کہ عرض کیا گیا ہے یہ لفظ درج
میں مستعمل نہیں ہونا چاہئے۔ ذم میں بولا جاتا ہے اور اس سے مراد فرعون بے
سامان، ادعائے باطل کا علمبردار، امیر ہوا، بر خود غلط، جہل مرکب میں گرفتار
ہرزہ کار ہو سکتا ہے۔

صفاقی | اس کتابچہ میں صفائی، ستھرائی پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں
وہ (مسلمان) نہ صرف اپنے جسم اور اپنے گھر کو پاک رکھے بلکہ سٹی
میں جہاں کہیں غلاظت اور نجاست دیکھے۔ اسکو دور کر دے۔ اور کسی جگہ گندگی
اور کثافت کے رہنے کا روادار نہ ہو۔ ص ۱۲

کاش جسم کو گھر کو بستی کو غلاظت اور نجاست سے پاک رکھنے کا مشورہ دینے
وقت دل کو نفس کو، غنیمت کو بھی پاک رکھنے کا مشورہ دیا جاتا۔ اور جہاں یہ کہا گیا
ہے کہ کسی جگہ گندگی اور کثافت کے رہنے کا روادار نہ ہو وہاں تھوڑی سی جگہ
ترکیبہ باطن کے لئے بھی نکالتے۔ مگر ترکیبہ قلب ترکیبہ نفس ترکیبہ باطن تو موجود ہی
صاحب کی بارگاہ میں معتوب ہیں۔ یہ تھوڑی سی اصطلاحات ہیں اور تصوف ایضاً
ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ حالانکہ ترکیبہ تھوڑی کی نہیں قرآن کی اصطلاح ہے
اور ترکیبہ ہم کے ماتحت مقصد بشت یہی ترکیبہ ہے۔ ترکیبہ نفس ہی کے
خلاف وہ نہیں ہیں بلکہ اس کے لوازم مثلاً زہد و تقویٰ عبادت و ریاضت کو بھی
وہ ناپسند فرماتے ہیں ملاحظہ ہو۔

جو امراء و علماء اور مشائخ اپنے عملوں اور اپنے گھروں اور اپنی خانقاہوں
میں بیٹھے ہوئے زہد و تقوا اور عبادت دریا صفت کی ادوے رہے ہیں وہ
بھی خدا کے ہاں جواب دہی سے بچ نہیں سکتے۔

قرآن مجید پیر و مشیر ہم الفاظ میں اعلان کرتا ہے کہ لا تترسوا من آفة و سئل
آخری یعنی ایک دوسرے کا بوجھد بار و مہم داری، نہ اٹھائے گا مگر مودوی
صاحب اس کے برعکس فرماتے ہیں۔

کہ علماء اور مشائخ صرف اپنے ہی اعمال کے جوابدہ نہیں بلکہ پوری قوم کے
اعمال کا جواب دہی بھی ایک بڑی حد تک ان پر عائد ہے۔

پیر و مشیر ہمارے کہ ایک طرف مودوی صاحب کا یہ عقیدہ ہے کہ ہدایت
صرف اللہ ہی کے اختیار میں ہے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کے نزدیک
یہ اختیار نہ تھا کہ وہ جس کو چاہتے ہدایت فرما دیتے۔ دوسری طرف وہ علماء اور
مشائخ کو قوم کے اعتقاد اور عمل کی اصلاح کا ذمہ دار بھی قرار دیتے ہیں اور ساری
بد اعتقادیوں اور بد اعمالیوں کی ذمہ داری اور جواب دہی ان پر عائد کرتے ہیں۔
صلوات کا رکن چار دس نراب کجا ہمیں تفاوت وہ از کجا سنتا کجا۔

پہر حال دینا دہی اور اداہی انکار کو دین کا لباس پہنا دینے میں مودوی صاحب
کو یہ طوطی حاصل ہے قرآن مجید نے حیرت کالفتب جو راست نمونہ کو عطا کیا ہے۔
اس کئی خطاب کو وہ خبری بنا کر اپنی جماعت پر پھینکا کرتے ہیں امداد میڈی سوسائٹی
کا بھی کئی تصور ان کے ذہن میں ہے وہ اپنی خبری سے جس میں خدائی نوجہ انیس کے لوگوں
کے سوائے سبھی سہا بیوں کا گزرتا ہے اس سے کون انکار کر سکتا ہے ہر امر
بالستروف اور اپنی ان المنکر کا ہر تمام ہدایت مزدوری ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ بھی
ہی ہے کہ ہر شخص دوسروں کے لئے خدائی خون دار بن کر رہے اور اپنے آپ کو

امر بالمعروف کرے۔ اپنی عن المنکر کا موقع دے۔

ہر کسے ناصح برائے دنیاں ناصح خود یا فتم کم در جہاں
نیوکاری، تقویٰ اور اعمال صالحہ کا سرچشمہ قلب انسانی ہے۔ اگر دل پاک
ہوگا تو اعمال خود بخود پاک ہو جائیں گے۔ اگر دل میں فساد اور خرابی ہے تو تمام
اعمال فاسد و خراب سرزد ہوں گے۔ خواہ ان کی ظاہری صورت بھلی معلوم
کیوں نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

ان فی جسد ادم مطنقة اذا فسدت فسد الكل واذا
صلحت صلح الكل الا دھمی القلب یعنی جسم انسانی میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے
جب وہ فاسد ہوتا ہے تو پورا نظام جسمانی دروہانی فاسد ہو جاتا ہے اور جب وہ صالح
ہوتا ہے تو پورا نظام جسمانی خور بخور صالح ہو جاتا ہے۔ یاد رکھو اس کا نام دل ہے۔
اسی ارشادِ گرامی کی روشنی میں وہ خصلہ جہاں سب سے پہلے امر بالمعروف
اور نہی عن المنکر کی ضرورت ہے۔ وہ سرزینِ دل ہے اور تمکینِ علی الارض
سے سریرِ آرائے سلطنتِ دل ہونا بھی مراد ہو سکتا ہے۔ احکام الہیہ کا دل
میں بیٹھ جانا قائم ہو جانا ہی خدا کی حکومت کے قیام کی شرطِ اولیٰ ہے۔ درتہ
حالی جسموں پر تقوٰی کا نائشی لباس لا دینے سے کام لیں چلتا کیونکہ اعمالِ صالحہ
بجائے خود مقصود بالذات نہیں۔ بلکہ حصول مقصود کا ذریعہ ہیں۔

ممنوعات شرعیہ کی تین قسمیں ہیں۔

حق و باطل

اول حرام، اس کا ترکیب گناہ کبیرہ کا ترکیب ہوتا ہے۔ سرقت
ذنا، شراب خوردی، حرکت نماز روزہ وغیرہ وہ فرائض جو خدا نے مقرر کئے ہیں۔
ان کا مباحثہ تو میں قاسق ہے۔

دوم: کفر۔ دوسرا مذہب اختیار کرنا حکم من تبلیغ غیر الاسلام

دینا فلن یقبل منه لکراس سے توبہ قبول ہو جاتی ہے۔

سو تم : شرک بکم ان اللہ لا یغفر ان لیشکرک بہ ویغفر
ما دوت ذالک لمن یشاء۔ اس کا حکم دینا میں لائق عاز اور آخرت میں
خلو و بار ہے۔ یہ شرک لغفیر توبہ ہے اور اعتقاد الوہیت کے ساتھ غیر خدا کی عبادت
کرنے میں منحرف ہے۔

سجود کے لئے شریعت میں جو حکم ہے وہ سنتیے۔

سجود

اگر سجدہ کرنے والا مسجود کی الوہیت اور مشبود بیت
کا معرفت ہے تو یہ سجود عبادت ہے۔ اور سجود عبادت غیر خدا کے لئے
موجب شرک ہے۔ یہ سجود خدا و انسان پر یا حیوان جماد ہو یا نبات
مردہ ہو یا زندہ، اولیٰ ہو یا غیر اولیٰ اور اگر سجدہ کرنے والا الوہیت اور مشبود بیت
کا معتقد نہیں ہے تو یہ سجود تعظیم ہے۔ تعظیم کی عبادت ہے غیر خدا کو سجدہ کیبت
و تعظیم کہیں موجب کفر نہیں ہے بلکہ اس کا عبادت شرکیت سے متناہی ہے۔

قرآن مجید میں اولیٰ سورہ بقرہ میں دوم سورہ احزاب سوئم سورہ حجر چہارم۔
سورہ میں مذکور ہے کہ بلا لکرم ادم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ قلنا للملائکۃ
اسجدوا لادم فسجدوا الا ابلیس الی و استکبر و کان من
الکفربن ما حکم کریم فرشتگان راتاً سجدہ کرتے ہوئے ادم اپنی تیرہ کردہ
ہم ملائک گواہیں گواہی دے کر فرشتوں کو پس از کفرین شد۔

پہم سورہ یوسف میں اللہ تعالیٰ کا پیمانہ فرماتا ہے و رفع الی علی العرش
و حسن والہ۔ نصیحان ابی برداشت یوسف علیہ السلام والدین خود را
پر کشت و بے ہوش افتاد نہ آ رہا سجدہ کیا ہوا ہے یوسف علیہ السلام
تمام مفسرین سے اس کے بیجا و کی کہ اس امر پر متفق ہیں کہ یہ سجدہ ہو

ملا لکھنے آدم کو کیا وہ جیت و تقییم کا سجدہ تھا بری صاری نے اس سجدے
سے سجدہ مقید، تعہدی مراد پایا ہے۔ یہ کہا ہے کہ یہ سجدہ خدا کو تھا، آدم علیہ السلام
سمت قبلہ تھے۔ قاضی بیہادی کے اس قول کو تمام مفسرین نے رد کیا ہے کیونکہ
پر سجدہ اگر خدا کے لئے ہوتا تو ابلیس نے خدا کو سجدہ کرنے سے کبھی انکار
نہیں کیا تھا زمین کے ایک ایک چپے پر وہ خدا کو سجدہ کرتا رہتا تھا، ابلیس
سے خطاب ہی ہوئی کہ سجدہ تقییم کو سجدہ تعہدی خیال کیا۔

وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ سجدہ تقییم سابقہ ملتوں میں جائز تھا اور
ملت محمدی میں حرام اور منسوخ ہو گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن
کا نسخ یا تو قرآن ہوتا ہے۔ یا حدیث متواتر حنفیہ کے نزدیک، اشاعتی
کے نزدیک حدیث متواتر سے نسخ قرآن نہیں ہو سکتا۔ اور قرآن میں
کوئی آیت اس حکم کی نسخ نہیں ہے اور نہ کوئی حدیث متواتر موجود
ہے۔ ہاں ایک حدیث ایک مضمون سے وارد ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کو جس وقت اونٹ نے سجدہ کیا تو صحابہ نے اجازت چاہی کہ ہم بھی سجدہ کریں۔
تو آنحضرت نے فرمایا ہاں اگر میں سجدہ کر کے لے حکم دیتا تو زوجہ کو حکم دیتا
کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ اس حدیث سے مانفت ثابت نہیں
ہوتی۔ اس کی تین وجہ ہیں۔

اول یہ کہ حدیث احادیث اور احاد سے کسی مذہب میں بھی مانفت
بالقرآن منسوخ نہیں ہو سکتا۔

دوم۔ یہ کہ امرت فرماتا بحالی جواز کی دلیل ہے ورنہ امر رسول سے سجدہ
ہو جاتا۔

سوم۔ یہ کہ حدیث میں لانس سجدہ والفظ نہیں ہیں واقع نہیں

ہے نہ کوئی وعید وارد ہوئی ہے۔
 فقہائے غیر اصولین جو اس حدیث سے منسوخ سمجھے۔ ان کا تخطیب
 فقہائے اصولین نے کیا ہے اور دلیل کیلئے کہ نسخ قرآن کے لئے حدیث
 متواتر کا ہونا شرط ہے۔

حنفیہ کے نزدیک حدیث احادیث سے نسخ قرآن نہیں ہو سکتا بعض
 علماء اس مصلحت سے بھی سجدہ تعظیم کو منع کرتے ہیں کہ عوام کو سجدہ تعظیم
 اور سجدہ تہجد کا فرق معلوم نہیں ہے کہیں ایسا ہے کہ سجدہ تہجد کو غیر خدا کے لئے
 جائز سمجھ بیٹھیں۔

فقہائے محققین نے اپنی کتابوں میں دونوں سجدوں کی تفسیر لکھی ہے۔
 چنانچہ "فتاویٰ فضول" وہی میں جو نہایت معتبر کتاب ہے۔ اس معاملہ
 میں جو کچھ لکھا ہے اس کی نقل کی جاتی ہے۔

فی مجموع السنواری واما اذا سجد لله فلا يقال الفقيه
 ابو جعفر رحمه الله من قبل الارض بيت يدرك سلطان او امير
 او مسجد له فان كان على وجه التخصية لا يكفر ولو كنت
 كافرا ثم اصررتكيتك لبيروتة فتكلموا في ان سجد لله فلا تكفر
 و كانت من قال بعقوبتهم كانت لله تعالى و كنت التوجه
 الى ادم عليه السلام ثم سويها وتكريرا القبلية لتأقلا
 فان صلواتنا لله تعالى والتوجه الى الكعبة كان تشرينا
 لها وقال بعضهم لا بل كانت السجدة لادم عليه السلام
 على وجه التخصية والاكرا ثم نسخت بقوله عليه السلام
 لو كنت امة لآخذ ان يسجد لامريت المرأة ان يسجد

لزوجها وانها لا تم على وجه التحديد لانه ان تكتب ما هو
 محرر منهي عنه دلت على ذلك مسئلة ذكرها في واقعا
 التا طقي وهي اذا قال الى الحرب تمسلم اسجد ملك
 وانا قلت في الا فضل ان لا تسجد وان اس ادا ان
 يسجد بنية التحية فالا افضل له ان يسجد فوالله المسئلة
 يوم ما ذكرنا فمن سجد للسلطان على وجه التحية احسن
 لا يفر هذا ان سجد بنية العبادة للسلطان او لم يفر
 النية كفر هذا الكلام في سجد او ما هذا اسجد
 تحية وتعليم حال .

مزارات صالحين كوچو مٹا سجدہ تلعظیم کے مسئلہ کی
 طرہ اختلافی سمجھا جا تلیے۔ حالاتہ فقہ کی کتابوں

بیں بالاتفاق یہ تخریر ہے کہ زیارت قبور کی کیفیت وہی ہے جو قبر والوں کی
 حیات میں تھی یعنی جس قدر اور جس قسم کی تلعظیم صالحین کی حیات میں کوئی شخص
 بجالاتا رہا ہو بالکل وہی معاملہ ان کی وفات کے بعد ان کی قبور پر لازم
 مندرجہ ذیل روایت کے مطابق۔ کیفیتہ الزیارة کنیارسۃ ذالک لیتہ
 فی حیاتہ من القرب والبعد مختار الوقت والحال عاتکیری
 وقال المظہر اعلم ان زیارة اہل بیت کر یارۃ فی حال حیاتہ
 تستقبلہ بوجہہ ان کان للحیاءۃ اذا سارۃ یجلس علی
 البعد وان کان یجلس علی القربیت یجلس بقبرہ ہر موقاۃ
 المصاہیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح الا تعرف وضع
 البید علی المقابر سنۃ ولا مستحبا ولا تری باسنا

هكذا وجدنا من غير تركيب من السلف (عمدة
 الاحكام في كتاب الكراهة) بعد الاية ^{فمن} قبر وسن
 نهى عنه بمنزلة مصافحه است كذا في برهان العارفين
 لا جاس ان يتقبل قبر والده لانه لما ذكر في كفايت
 الشيعي ان رجلا جاء الى النبي صلى الله عليه وسلم فقال
 يا رسول الله لو لم يكن لي ابوان فقال قبل قبرهما او الواحد
 قبل الاخر او القبر الا ب فقيل هما فلا تحت في مبينتك
 (فتاوى كفايت الشيعي)

مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا یا
 رسول اللہ میں نے قسم کھائی تھی کہ میں جنت کے دروازے کو اور حوران
 بہشت کو بوسہ دوں گا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی ماں کی
 قدم بوسی کر لو اور باپ کی پیشانی پر بوسہ دو۔ سائل نے پھر دریافت کیا کہ
 اگر ماں باپ نہ ہوں تو کیا کیا جائے۔ ارشاد ہوا کہ ان کی قبروں کو بوسہ دو۔ پھر
 عرض کیا مجھے معلوم نہیں کہ ان کی قبریں کہاں ہیں تو ارشاد ہوا زمین پر دو پیر
 کھینچ دو۔ قبروں کے نشان بنا لو اور یہ سنت کرو کہ پہلی قبر ماں کی ہے اور دوسری
 قبر باپ کی ہے پھر ان دونوں قبروں کو بوسہ دو تاکہ تم اپنی قسم کی ایسا نہیں مانت
 نہ ہو۔

بقول نبی صلی اللہ علیہ وسلم جبکہ ایسی فرضی قبروں کو بوسہ دینے سے وحشت
 شرعی دفع ہو جاتا ہے تو جس جگہ اولیا اور انبیاء مدفون ہیں اس جگہ کی تعظیم و
 تکریم مثلاً ان کی قبروں کو بوسہ دینا۔ طواف کرنا دست بستہ کھڑا ہونا ان کی طرف
 بہشت نہ کرنا ضروری ہے جیسا کہ الفرائض شرح کنز الدقائق میں ہے۔

الصواب زیارتہم علی وحید التبارک لان المقام اولیاء
مطمان الاستجابہ و موافق التفع و البرکة كما ترا
رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة الاسراء بيت المقدس
وشجرة موسى وسائر موطن الصفر من المسجد مع ان
جميع الا نبياء بيتمدون نوره صلى الله عليه وسلم
تعليماً للامة .

طواف مشہور

علیٰ بن القیاس فرقہ متخصیہ کی یہ غلط فہمی ہے کہ وہ
صالحین کی قبروں کا طواف شرک بتلاتے ہیں کیونکہ

طواف ایسا فعل نہیں جو خدا نے صرف اپنے لئے ہی مختص کیا ہو اور اپنے
سوا کسی اور کے لئے طواف کی اجازت نہ دی ہو۔ یہ بات اللہ پر اقرار اور
بہتان ہے کیونکہ قرآن میں خدا نے یہ کہیں نہیں کہا کہ طواف صرف مجھ ہی کو
کرو اور میرے سوا کسی اور کو نہ کرو۔ جیسا کہ عبادت کے لئے فرمایا ہے
فاعبدوا ما میری ہی عبادت کرو ولا یشرک بعبادۃ ربکم احد
اپنے رب کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہ کرو، بلکہ اس کے برخلاف
طواف کعبہ کے لئے "اعرف" فرمایا۔ جو غیر خدا ہے۔ اسی طرح کوہ صفا و مروہ
جو خدا کی نشانیوں میں سے ہیں ان کا طواف کرنے کے لئے صراحت فرمائی
تفسیر فتح الکرتیم میں آیت کریمہ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ
اموات کے ذکر میں مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے
ہیں۔

جولانہ بیان فضائل صابران فارغ شد حالاً بطریق استشہاد فی فرمائند
اگر شمار اور معیت خاصہ تاکہ با صابران و اہل بلا داریم و بمایشان صلواتہ و رحمت

ہائے خود نازل می کینم و ایشان را مقتدا سے خلافت ہم رنگ انبیا میسازیم ہنوم
 شکی باقی مست پس دلیل این تدعا موافق ہم خود نشینند کہ این ہر دو کوہِ خرمی ہجرتی
 و مرتبتی نہ استند بلکہ در کلابی وجود جو ہر سنگ کمتر از کوہ ہائے دیگرند لیکن اے
 صابراں راہی بقضائے خدا کہ حضرت ہاجرہ و حضرت اسمعیل باشند متصل این
 ہر دو در مقامیکہ حالاً چاہ زرم در اں مقام است خود را حکیم خدا در بلا و خوف
 انداختہ نزول نمود و در اں صحرائے سنگ لایح کہ نہ آب داشت نہ گیاد نہ
 آدمی زادتن بہ خوف و شمتاں و جالوزاں درندہ و گزندہ دادہ و گرسنگی و تشنگی
 را محض برائے فریاد ہر می حکیم الہی کہ از زمان پیغمبر وقت خود کہ حضرت ابراہیم بود
 بایشان رسیدہ بود گوارا ساختہ سکونت اختیار نمودند و حضرت ہاجرہ را خوف
 بود خود کہ حضرت اسمعیل بود بلکہ خوف ہلاکت جاں خود نیز در اں حالت کہ
 یقینی بود بریں ہمہ معیبت ہا طلبا بر نیات اللہ عبر اختیار کردند چون حضرت اسمعیل
 بہ سبب تشنگی قریب ہلاکت رسیدند حضرت ہاجرہ بیتاب شدہ اول کہ بر کوہ صفا
 کہ نزد مکہ بود برآمدند باز چون در اں مطلب نیافتند فرود آمدند و نشید میدا
 و دیدہ بہ کوہ مروا آمدند ہمیں قسم بہت باد گروش کردند حق تعالی معینت
 خاصہ خود بایشان ظاہر نمود و آب زرم از غیب جو شید و اثر اں معیبت
 شد کہ ہر کہ باں بلا زدگان افتد انمود در میاں لیں ہر دو کوہ بدستور آہنا بہا بد
 و فرود آید و سعی نماید بقبول جناب خداوندی میشود و ازاں ہا زہر کوہ کہ بتنام
 کفار بودند و بدستش صنم صاف بر صفا و صنم نائلہ بر مرہ می شد محل اجابت دعا گردید
 تا آنکہ ہر دو کوہ حالہ من شتائے اللہ شدند۔

ترجمہ: صابریں کے فضائل بیان کرنے کے بعد اب بطریق استشہاد
 ارشاد ہوتا ہے کہ اگر تم کو اس معیبت خاصہ میں جو ہم صابریں اور اہل بلا کے

ساتھ رکھتے ہیں اور ان پر اپنا درود اور رحمتیں نازل کرتے ہیں جن کو ہم رہنمائے
 خلق اور ہرگز گنبا انبیاء بناتے ہیں۔ ان کے ساتھ ہماری مقیت خاصہ میں
 تم کو اب بھی شک و شبہ باقی ہے تو اس بارے میں ہم ایسی دلیل پیش کرتے ہیں جو
 تمہاری سمجھ کے مطابق ہے۔ وہ سنو کہ یہ دو چھوٹے چھوٹے پہاڑ صفا
 اور مردہ کوئی مرتبہ اور شرف نہیں رکھتے تھے بلکہ پتھر ہونے کے لحاظ سے دوسرے
 بڑے بڑے پہاڑوں کے مقابلے میں کمتر ہیں۔ لیکن گذشتہ صابریں جو راضی
 برضائے الہی تھے یعنی حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیلؑ ان دونوں پہاڑیوں
 کے متصل اس جگہ جہاں آپ زمر ہے فروکش ہوئے اور اپنے آپ کو
 خوف و بلا میں ڈالا اور صحرائے سنگلاخ میں جہاں نہ آب و گیاہ تھا، نہ
 کوئی مویش و نمگسار، دشمنوں و رندوں، گزندوں کا قدم قدم پر خوف تھا۔
 بھوکے پیاسے اس حکیم الہی کی تمجیل میں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر غیر وقت
 کی زبان سے صادر ہوا تھا۔ اس حکیم کی تمجیل میں یہ تکالیف گوارا کیں اور وہاں
 سکونت اختیار کی۔ جہاں حضرت ہاجرہ کو اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ
 علیہ السلام کی بابت ہی خوف نہ تھا۔ بلکہ اپنی جان کی ہلاکت کا خوف بھی تقریباً یقینی
 تھا۔ لیکن ان مصائب پر محض رضائے الہی حاصل کرنے کے لئے اپنے صبر اختیار
 کیا اور جبکہ حضرت اسماعیلؑ پیاس سے قریب المرگ ہو گئے تو حضرت ہاجرہ بیابان
 ہو کر اول کوہ صفا پر جو مکہ کے قریب ہے آئیں۔ اور جب وہاں مطلب پورا
 نہ ہوا تو پہاڑی سے اتر کر نشیبی میدان میں دوڑتی ہوئی کوہ مردا پر آئیں۔ اسی
 طرح سات ہزار انھوں نے چکر لگائے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی مقیت خاصہ
 ان پر ظاہر فرمائی اور آپ زمر نے عجیب سے جوش مارتے ہوئے ظہور کیا۔ یہ
 اسی مقیت کا اثر ہے کہ جو کوئی ان گرفتارانِ بلا کا اقتدار تباہی و ہلاکت

دولوں پہاڑیوں کے درمیان انھیں کے طریق پر چڑھنا اترنا ہے اور دوڑتا
 ہے جو سچی کہلاتی ہے اور اس طرح وہ مقبول بارگاہ الہی ہوتا ہے صفا و
 مروہ دولوں پہاڑیاں جہاں کفار کے بت خانے تھے۔ صفا پر اصاف
 پوجا جاتا ہے اور مروہ پر نائلہ کی پرستش ہوتی تھی۔ اس واقعہ کے بعد یہ
 دونوں مقامات واقبول ہونے کی جگہ بن گئے۔ یہاں تک کہ یہ دولوں
 پہاڑیاں اب شعائر اللہ ہو گئیں۔

حاصل یہ ہے کہ اس آیت کریمہ کا شان نزول ولالت لفسن یہ ہے
 کہ جب صابریں اور شاکرین کے وہاں قیام کرنے کی وجہ سے یہ بے حقیقت
 کوہستان اور یہود و نصاریٰ کا کفرستان شعائر اللہ ہو گیا تو جن مقامات میں
 عشاق الہی جہاد اکبر میں اپنے نفس کو فنا کرتے ہیں جسمانی اور روحانی لذتوں
 کو ترک کر کے خود کو بلاؤں اور مصیبتوں میں ڈالتے ہیں۔ اور ان مقامات
 میں ان کے جسم و جان مدفون ہیں وہاں کس طرح معیت الہی کا ظہور اور
 معیت الہی کا نزول نہ ہوگا پس مقابر اولیاء اللہ مزارات صابریں، فنا
 فی اللہ باقی باللہ بلاشبہ شعائر اللہ میں سے ہیں۔ فلا جناح علیہ
 ان یطوفوا الزاۃ بھما۔ اس میں کوئی ہرج نہیں ہے کہ زیارت
 کرنے والے ان کا طواف کریں۔ ارادہ الہی کا ظہور صفت طواف کے
 متعلق بعض مزارات اولیاء اللہ پر اس طرح ہو رہا ہے کہ ہمیشہ
 شب و روز وہاں طواف جاری ہے۔ جس طرح کہ خانہ کعبہ رات دن میں
 سے ایک گھڑی بھی طواف سے خالی نہیں رہتا۔ بعض اولیاء اللہ کے مزارات
 پر زمانہ عرس میں یہ معاملہ ہوتا ہے اس لئے فقہاء اور محققین نے اسے
 آداب زیارت قبور میں داخل کر دیا ہے۔ چنانچہ قتاولیٰ "مجمع البرکات"

میں مطالب المؤمنین سے یہ عبارت نقل کی گئی ہے۔

وَلَيَقُومَنَّ عِنْدَ وَجْهِهِ الْمِثْقَالُ ذَرَّةٍ عَلَى قَبْرِهِ وَلَيَقُولُ اللَّهُ مَا شَفَعَلَهُ فَاذًا اِقْتَصَرَ الْبِلَدَانُ كَانِ قَبْرُ عَبْدٍ صَالِحٍ وَيُمْكِنُ اَنْ لَيَطُوفَ حَوْلَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ

ترجمہ:- صاحب قبر کے مرنے کے مقابل کھڑا ہو کر اپنا داپنا ہاتھ قبر پر رکھتے اور کہے کہ اے خدا اس میت کی مغفرت فرما۔ یہ عام زیارت کا طریقہ ہے۔ اور اگر کسی مرد صالح کی قبر ہو اور اس کے گرد طواف کرتا ممکن ہو تو تین بار چاہئے یہی طریقہ دوسرے محققین کی کتاب میں درج ہے۔

جو لوگ انبیاء و اولیاء سے بددلیلی اور نذر و بیان کو شرک کہتے ہیں وہ توحید اور شرک شرعی کے معنی قرآن

انبیاء و اولیاء اللہ سے مدد مانگنا
فدس و نبیانا

حدیث سے نہیں جانتے۔ اسی طرح عبادت، استغاثت نذر و بیان کے معنی بھی انہوں نے کتاب و سنت سے نہیں سمجھے اور قرآن و حدیث کے خلاف اپنی کتابوں میں، رسالوں میں اپنے فاسد خیالات ظاہر کرتے رہتے ہیں۔

اس دعویٰ کے ثبوت میں قرآن و حدیث سے کوئی حکم صراحتاً اس مضمون کا پیش کرنا چاہئے تھا کہ نذر و بیان انبیاء و اولیاء شرک ہے اور ان سے مدد مانگنا شرک ہے کوئی یہ شرک نہ کرے لیکن ایسی نص کتاب و سنت میں کہاں ہے جو پیش کی جائے۔ مجبوراً کھن

اپنے قیاس سے اس دعویٰ پر استدلال کرتے ہیں۔ وہ بھی اس طرح کہ جو آیات قرآنی مشرکین اور بت پرستوں کی شان میں نازل ہوئی ہیں اور جو آیتیں بتوں کی بے اختیاری اور مجبوری میں نازل ہوئی ہیں، یہ جہلا سکتے ہیں کہ ان آیتوں کا مصداق انبیاء اور اولیاء اللہ میں جیسا کہ آیت کریمہ لا تدع من دوت الله ما لا ينفعك ولا يضرك یعنی مت پکارو و معبودان غیر خدا کو جو نہ تو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان اور دوسری آیت لا تدع مع الله الها آخر یعنی خدا کے سوا دوسرے خدا کو مت پکارو۔ اسی طرح اور دوسری آیتیں جو ان مہتموں کی نازل ہوئی ہیں جن میں حق تعالیٰ نے نفع و ضرر کی امید اور دعا سے من دون اللہ کے ساتھ منع کیا ہے۔ چونکہ انبیاء اولیاء من دون اللہ میں داخل ہیں پس جس قدر آیتیں اور احکام بتوں کی شان میں نازل ہوتے ہیں۔ وہ انبیاء اور اولیاء اللہ کو بھی شامل ہیں۔ چونکہ بتوں سے مدد مانگنا اور ان کی نیاز کرنا شرک ہے اس لئے انبیاء سے شکایت یا اولیاء اللہ سے مدد مانگنا بھی شرک ہوگا۔

وہابیہ کا یہ استدلال اور یہ قیاس کہ انبیاء اور اولیاء اللہ اصنام کے حکم میں ہیں۔ غلط ہے۔ اس کی کئی وجوہ ہیں۔

اول شرک کے معنی نہ سمجھنا۔ دوسرے عبادت و استعانت کے معنی نہ سمجھنا۔ تیسرے الفاظ دعوت انتخاب جعل جو کہ ان آیتوں میں وارد ہے۔ ماوراء حدیث و تفسیر سے ناواقفیت کی بنا پر نہ جانتا۔ پھر ان الفاظ کے شرعی اصطلاحی معنی کبھی جانتے ہیں جس میں انہوں نے اپنا قیاس و ہیجاری کیا ہے اس کی تفسیر کا جائیگی۔

توحید و شرک

شرک جو توحید کا نقیض ہے وہ غیر خدا کے اقرار اور اعتقادِ سبحودیت میں منحصر ہے۔ نذر نیات اور بددعا کے

اور خدا کی وحدانیت کا اقرار

کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ انبیاء علیہم السلام اسی اعتقادِ توحید اور انجان شرک کی دعوت دینے کے لئے مبعوث ہوئے اور کلام اللہ اسی غرض سے نازل ہوا اور کفار سے پہلے وقتاً کلمہ توحید سے انکار کرنے میں ہوا نہ کہ نذر و نیاز میں جیسا کہ اللہ نے فرمادیا ہے۔ اذ اقبل لہم لا الہ الا اللہ یستکبرون ترجمہ۔ جیسا کہ رسول اللہ نے فرمایا امرت ان اتقوا الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ۔ ترجمہ:۔ اس سے یہ دعویٰ باطل ہوا کہ حاجتیں اور مرادیں پیر و پیغمبر کی نذر کا نام شرک ہے جس کے مٹانے کے واسطے قرآن اترا اور پیغمبر کافروں سے لڑے۔

یہ عقیدہ کہ معبود یا لا استقلال حکومت قدرت والا ہے۔ اور ہر شے کا خالق ہے اور اس عقیدے

مفہوم عبادت

کے ساتھ اس معبود کی انتہائی تعظیم کرنا عبادت کہلاتا ہے جیسا کہ قرآن میں لا الہ الا اللہ خالق کل شیء فاعبدوا۔ ترجمہ:۔ نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ تعالیٰ جو کہ ہر شے کا خالق ہے پس اسی کی عبادت کرو۔ جو تعظیم اس اعتقادِ الوہیت و معبودیت کے ساتھ نہ ہوگی۔ وہ عبادت بھی نہ ہوگی جبکہ غیر خدا کی تعظیم میں عبادت کے معنی متحقق نہ ہوں گے تو اس تعظیم میں شرک کہاں سے آیا خواہ وہ تعظیم انبیاء کی ہو یا کہ شریف کی ہو یا صفا مروہ و غیرہ شعاہ اللہ کی تعظیم ہو بلکہ ایسی تعظیمیں تو امور شرعی ہیں۔

Marfat.com

استغانت اور توسل

استغانت کے معنی کا مدد طلب کرنا ہیں خواہ کسی سے بھی یہ مدد طلب کی جاوے یہ

صفت عام ہے، خدا اور غیر خدا اور غیر خدا دونوں کو شامل ہے۔ خدا نے اس صفت کو عبادت کی طرف خاص نہیں کیا ہے بلکہ ہر شخص کو اجازت دی ہے کہ وہ نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ مخفرت طلب کیجئے۔ خدا سے بڑے گناہوں کے لئے اور مومنین و مومنات کے لئے واسد تخفض لیز نبلک و للمومنین و المؤمنات اس آیت میں پیغمبر کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ مخفرت میں مومنوں کی مدد کریں۔ دوسری آیت میں ہے۔ تو حبیبا۔ اور جو گنہ گار بڑے گنہ گاروں نے اپنی جانوں پر تم کیا۔ جیب تیرے پاس آئیں اور اللہ سے مدد فرما چاہیں اور رسول ان کی بخشش چاہے تو یقیناً تم اللہ کو تو یہ قبول کرنے والے اور رحم والا پائے گے۔ اس آیت میں صراحت ہے کہ گنہ گاروں کی تو یہ قبول ہوتا اور ان کا بخشا جاتا پیغمبر کی طرف رجوع کرنے پر اور پیغمبر کی سفارش پر منحصر ہے دوسری آیت میں یہ ارشاد ہوتا ہے۔ اذا دعاکم عبادکما عنی فانی اقرب اجیب دعوة الذاع اذا دعان قلیباً تجیبوا لی والیسیر منوا لی اعلمہم یرشدونہ ترجمہ :- اس آیت مبارکہ میں صاف طور پر یہ تعلیم ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے بندے مجھ کو بخش سیرا نہیں کرے پہلی آیتوں میں بھی ہدایت تھی کہ میرے بندے گناہوں کی مدد فرمائیں گے آپ کی جناب میں حاضر ہوں گے۔ آپ کی طرف متوجہ ہوں گے عرض حاجات کریں گے آپ کو چاہئے کہ آپ مومنین اور مومنات کے لئے بخشش طلب کریں۔

سب مومنین اور مومنات کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ استغانت

استفادہ بخیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے توسل و توسط سے حاصل کریں۔

خود بخیر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی امت کو خدا سے دعا مانگنے کا طریقہ
تعلیم فرمایا ہے جیسا کہ حسن حصین میں ہے۔ ومن ادب الدعاء ان يتوسل
الى الله بانبيائه وبالصالحين من عباده. یعنی دعا کے ادب
میں سے یہ ہے کہ تم اللہ کی بارگاہ میں انبیاء علیہم السلام سے اور اللہ کے نیک بندوں
کا وسیلہ اختیار کریں۔

اس میں تمام انبیاء اور صالحین سلف و خلف ماضی و حال سب شامل ہیں
کیونکہ عالم حیات ظاہری میں سوائے آپ کے دوسرا نبی نہیں تھا پس انبیاء سابقین
جو بظاہر اس عالم میں نہیں ہیں اس حدیث میں شامل کئے گئے ہیں، اس پر دلیل ایک
دوسری حدیث میں پیش کی جاتی ہے جو جذب القلوب میں منقول ہے۔ وہ یہ کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ بنت اسد اور حضرت علی علیہ السلام کی لحد میں لپٹ گئے
اور توسیع قبر و مغفرت کے لئے آپ نے دعا فرمائی۔ اللهم بحق نبيك
ولا انبياء الذين خلوا من قبلي اعفراها ووسع مدخلها
الحق۔ یعنی اے میرے اللہ اپنے نبی کے توسل سے اور ان نبیوں کے واسطے سے
جو چھو سے پہلے گزرے ہیں ان کو بخش دے اور ان کی قبر کو کشادہ کر دے۔

پس استغاثت ان نبیوں سے جو آپ سے پہلے گزر چکے تھے، آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل سے ثابت ہوئی اور اللہ کے نیک بندوں سے
توسل پہلی حدیث میں ثابت ہو چکا ہے۔

یہ جو کہا جاتا ہے انبیاء و اولیاء کو لفظ یا یعنی حرف ندا سے پکارنا
شُرک ہے۔ مثلاً یا شعیب القادر جیدانی اس زعم کے رد میں
ایک حدیث نقل کی جاتی ہے جو تمام کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقرر کیا

ہو اور ستور العمل ہے۔ اول طبرانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ فرمایا۔
 اذا ضل احدکم دابته وليس بهما نيس فليقل يا عباد الله اعيونك
 يا عباد الله اعيونك فان لله عباد لا تزولتهم .

یہ حدیث طبرانی سے حسن حصین میں مرقوم ہے۔ مبارک شاہ نے بعض
 سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور اس کے تمام مسافر محتاج ہیں۔ مشائخ
 یہ روایت ہے کہ یہ مجرب ہے، حصول مقصد اور کامیابی اس سے وابستہ ہے۔

(کذا ذکر الفتنی والعلیٰ)

دوسری حدیث جذب القلوب میں منقول ہے ایک نابینا رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر نہ کہوں کہے لئے طالب دعا ہوا۔ آپ نے اسے
 تعظیم فرمایا کہ وضو کرے، وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے اور یہ دعا پڑھے اس نے
 یہ دعا پڑھی اور فوراً اس کی آنکھیں روشن ہوئیں اور بیا ہو گیا۔ اللہم اسئلک
 والتوجه الیک بنیۃ محمد بنی الرحمة یا محمد الی التوجه
 بک الی اربک فی حاجتی ہذہ لیقضی لہالی اللہم اشفوفہ
 فی یعنی یا اللہ میں تیری طرف تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے جو تیری
 رحمت میں متوجہ ہوتا ہوں۔

یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اپنی حاجت میں جو یہ
 ہے تاکہ اللہ تعالیٰ میری اس مراد کو پورا کرے۔ یا اللہ تو اپنے نبی کی سفارش میرے
 حق میں قبول فرما۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے اور ایسا ہی بہشتی
 نے کہا ہے۔

کہ آیات ادبیا کی ایسی مثالیں قرآن و احادیث میں بہت ترس اور بے شمار موجود
 ہیں۔ اور چونکہ یہ اختیارات و تصرفات ادبیا اللہ کو منجانب اللہ عطا ہوئے

ہیں اس لئے ان میں منظمہ بشرک کہاں سے ہو سکتا ہے۔ ہاں ایسا گمان بھی کراماتِ اولیاء اللہ کا انکار ہے جس کو کتب عقائد میں ضروریاتِ دین میں سے کہا گیا ہے۔ کتابِ سنت میں اولیاء اللہ کی کرامات کا ثبوت ملنے کے بعد انکار کرامت نہیں بلکہ انکار کرامتِ سنت ہے۔ یہ لوگ ولی کے معنی سے بھی ناواقف ہیں اور خوارقِ عادات کے مفہوم سے بھی ضرور نہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ یہ لوگ کرامت کی اقسام خوارقِ عادات کی اقسام پر مطلع ہوں اور پہلے ولی اور صالح کے معنیوں سے آگاہ ہوں۔

مولانا چاچا کی قدس سرہ العزیز لفظیات المالس میں فرماتے ہیں

الواع خوارقِ عادات بسیار است چون ایجاد معدوم و اعدام موجود و انہار مستور و معنیات و سر امور ظاہری، و اجابت دعا، و دفع مسافرت بعیدہ و در مدت اندک و اطلاع بر امور غائبہ از حس و اخبار آں، و حاضر شدن در زمان و احوال مختلفہ و اجبار موکل و امانت اجبار و استماع کلام از نباتات و جمادات از تسبیح و غیرہ و احضار طعام و شراب در وقت حاجت بے سبب و ظاہر و دیگر اعمالیکہ خلاف قیاس و مخالف و اہمہ باشند۔ چنانکہ بہ آب رفتن و برہوا پریدن و تسخیر حیوانات وحشی این کرامت ہائے عامہ اند الحاشیۃ عنہم الغایبۃ الالہیۃ الی و ہبتہم التوبیق حتی خرقوا عوائل انفسہم قتلت الکرامت معتبرۃ عندہ۔ ترجمہ: کرامتوں کی شبیلیں بہت سی ہیں۔ جیسے ناپید کو پیدا کرنا، پیدا کو ناپید کرنا، غیب کی چھپی ہوئی باتوں کو ظاہر کرنا اور کھلی چیزوں کو چھپا دینا، ندا کا سنتا، دور دراز مقامات کا تھوڑی سی دیر میں طے کرنا۔ جو باتیں حواس سے غائب ہیں ان پر مطلع ہونا اور مطلع کرنا۔ ایک وقت میں مختلف مقامات پر حاضر ہونا۔ زندوں کو مردہ کرنا، مردوں کو

زندہ کرنا، جمادات، نباتات، حیوانات سے کلام سنا، ان کی تسبیح سے
 بغیر اسباب ظاہری کے کھانا پینا موجود کرنا۔ اور دوسرے ایسے کام جو ظاہر
 قیاس اور وہم کے مخالف ہیں۔ جیسے پانی پر چلنا، ہوا پر اڑنا اور وحشی جانوروں
 کو سحر کرنا یہ علم کرامتیں ہیں۔ کراماتِ خاصہ یہ ہیں کہ عنایتِ الہی ان کی رفیق
 ہوتی ہے جو ان کو توفیق عطا کرتی ہے جس سے وہ اپنے نفس کے رشتوں کو اس سے
 توڑ ڈالتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہی کرامت معتبر ہے۔

مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی "تفسیر فتح العزیز" میں ص ۱۰۰ اور
 ولی کے معنی لکھے ہیں۔

صالح، نیک، ہر دو قوتِ نظریہ و فکریہ اور تہ کمالِ انبیاء "پست تر
 اقتتادہ لیکن بہ سبب کمالِ متابعتِ ظاہری خود از معاصی
 پاک کردہ باشند و باطن خود را از اعتقادات
 فاسدہ و اخلاق ذمیمہ دور داشتہ و دل از یاد حق آ پنچناں پر کردہ باشند
 کہ گنہائش چیز دیگر راں نمازند و نام ولی ہر چند شاملِ ایں ہر گز نہ است
 یعنی انبیاء صدیقین، شہداء و صالحین از علاماتِ ولی است کہ حضرت
 حق ایشان را دوست می دارد و تکفلِ رزق ایشان می فرماید نہ بچیکہ ممتاز
 از سایر الناس می باشند۔ و از اعدائے خود ایشان را محفوظ می دارد
 و ایس ایشان می باشد و عزت و در نفوس ایشان تزلزل می و ہر کہ بسبب
 آن عزت بخدمتِ امرار و ملوک را منی نمی شوند و تہمت ایشان را بلند می فرمایا
 آلودہ بقارورات دنیا نمی شوند و دل ہائے ایشان را مستور می سازند
 پس ایشان را چیز یا معلوم می شود کہ غیر ایشان اندر بابِ نظر و فکر با آن نرسند
 خدا سپید ہائے ایشان را کشادہ می سازد پس بہ محنت ہائے دنیا و عیبیت

ہائے ان مردانِ قلب و دیگر تکلیفات و شدائد تنگ دل نمی شوند و نیز بر
ایشان ہیبت نمی دید کہ در قلب سرکشان و جباران تاثیر می کنند و برکت در کلام
و در انقاس و در افعال و در مکانات ایشان و در رسم صحبتان ایشان و اولاد و
نسل ایشان و زیارت و زندگان ایشان پے در پے ظاہر می گرداند و ایشان
را جائے مرتبہ می بخشد کہ دعائے ایشان مستجاب میشود و ہر گم در حاجت با ایشان
توسل نماید حاجت او روا میگردد و خصوصیات و علامات کہ ایشان را در عالم برزخ
و موقف قیامت و در عالم ملکوت می دہند از ان قبیل است کہ عوام مومنین
با ان استدلال تو اند کہ الا بعد مشاہدہ این عوالم تر جبہ۔ صالح اسکو کہتے ہیں کہ قوت نظری او
قوت فکری کے مرتبہ کمال سے پست درجہ میں ہوتی ہے لیکن بنیوں کی پوری پوری
اتباع سے وہ اپنے ظاہر کو کلام سے پاک کر لیتے ہیں اور اپنے باطن کو واسد عقیدوں
سے پاک کر لیتے ہیں، برے اخلاق سے خود کو دور رکھتے ہیں اور دل کو خدا کی یاد
سے اتنا پیر کر لیتے ہیں کہ کسی دوسری چیز کی سمانی اس میں ممکن نہیں۔ اگر چہ ولی گانا انبیاء
صدیقین، شہیدین تینوں کو شامل ہے مگر زیادہ تر اس کا اطلاق صالحین پر ہی
ہوتا ہے۔ چاروں فرقوں پر اطلاق ہوتا ہے۔ انبیاء و صدیقین، شہیدین اور صالحین
میں ولی کی علامتوں میں سے یہ بات بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دست رکھتا
ہے اس کے رزق کا قبیل ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے اس انداز میں تمام نوزح الساقی
میں ممتاز ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں سے اپنے ان دوستوں کو محفوظ
رکھتا ہے۔ خود خدا عزت میں ان کا انیس ہوتا ہے۔ ان کے باطن میں ایسی
عزت پیدا فرماتا ہے کہ وہ بادشاہوں اور امیروں کی خدمت انجام دینے پر راضی
نہیں ہوتے۔ ان کی ہمتیں بلند ہوتی ہیں کہ وہ دنیاوی گزٹیوں سے الودہ
نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو روشن فرما دیتا ہے۔ اس لئے انکو

دو چیزیں معلوم ہوتی ہیں کہ اول نظر و اول فکر کی وہاں تک رسائی نہیں ہوتی ۔
ان کے سینے کھول دیئے جاتے ہیں ۔ اس لئے وہ دنیا کی مصیبتوں سے ، کلمتوں سے
قرابت داروں کے مرنے سے اور دوسری تکلیفوں کی برداشت اور سختیوں کے
چھیلنے سے تنگدل نہیں ہوتے ۔ اللہ تعالیٰ ان کو رعب و دواب عطا فرماتا
ہے جس سے جبارین کے دلوں میں ان کا خاص اثر ہوتا ہے ، ان کے کلام میں
ان کے الفاظ میں ان کے افعال میں ان کے مسکنات میں ان کے پاس
بیٹھنے والوں میں ان کی اولاد میں ، ان کی نسل میں ان کی زیارت کرنے
والوں میں اللہ تعالیٰ ایک خاص برکت عطا فرماتا ہے جو پے در پے
ظاہر ہوتی رہتی ہے اور خود ان اولیاء کو وہ مرتبہ اور مقام عنایت
ہوتا ہے کہ وہ مستجاب الدعوات ہو جاتے ہیں بلکہ جو کوئی شخص کس
حاجت میں ان کا وسیلہ اختیار کرتا ہے ۔ اس کی حاجت پوری ہو جاتی
ہے ۔ اور جو خصوصیات اور علامات عالم برزخ میں موقوف قیامت
میں ، عالم ملکوت میں اولیاء اللہ کو عنایت ہوتی ہیں وہ اس قسم کی نہیں
ہیں کہ عام مسلمان ان سے استدلال کر سکیں ۔ ان سے وہی استدلال
کر سکتے ہیں جو ان عوالم کا مشاہدہ کر چکے ہیں ۔

تذرونیاز اندرون یا زبیں گمان شرک منکرین کو اس وجہ
سے کہ وہ تذریخا اور نذر غیر خدا میں فرق نہیں

کرتے ، حالانکہ دونوں کی تفصیل کلام اللہ میں موجود ہے ۔
فقہانے لکھا ہے کہ وہ چیز جس سے تقرب الی اللہ بلا واسطہ منظور
ہو ، مثلاً نماز روزہ ، حج ، تلاوت قرآن ، ہر قسم نذر عبادت کہلاتی ہے ۔
اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے غیر اللہ کے لئے جائز نہیں جیسا کہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وما انفقتم من نَفْسَةٍ اَوْ
مَنْذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ اِنَّ اللّٰهَ
يَعْلَمُهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنَ النّٰصْرِ

مولوی عبد القادر ترجمہ قرآن میں لکھتے ہیں کہ منت قبول کی دانی
نور واجب ہوگی اور نہ کرے تو گتہ گار ہے۔

چار قسموں میں منحصر ہے۔ (۱) نذرا الطاعنہ مثلاً روزہ،
نذرا ناز۔ اور اعتکاف جس کا ادا کرنا واجب ہے۔

(۲) نذرا معصیت۔ جو کام شرعاً حرام ہیں۔ مثلاً سرقہ، زنا،
وغیرہ۔ اس نذر کا ایفا واجب نہیں ہے۔

(۳) نذرا مکروہ۔ مثلاً ترکِ نفل وغیرہ۔ نفل مباح۔

(۴) نذرا مباح۔ اس نذر مباح کی پانچ قسمیں فقہائے زیان
کی ہیں اور ان کے جواز میں بالاتفاق فتویٰ دیا ہے۔

قسم اول: کوئی شخص اپنے دل میں یہ نیت کرے کہ میں اس قدر روزہ
نمانا و نفل ادا کروں یا اس قدر نقد یا جنس خدا کے نام پر صرفا کروں۔

قسم دوم: کوئی شخص اپنے دل میں یہ نیت کرے اور دعا کرے

کہ یا اللہ بجزمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا بربکت فلاں ولی میرا یہ مقصد پورا
ہو تو اس قدر کھانا تیری نذر میں فقروں کو کھلاؤں گا۔

قسم سوم: کسی بنی یا ولی کی روح کی طرف متوجہ ہو کر یہ کہے کہ یا نبی اللہ!

یا ولی اللہ تو جب فرمائیے اور اللہ سے میری مراد طلب کیجئے۔ اگر میری مراد
پوری ہوگی تو اس قدر نقد اور جنس اللہ کے لئے صرف کر کے اس کا ثواب

یہاں
میں
آل
کے
روزہ
ہے
کے
نذر
اب
نذر

اپ کی روح کو بخشوں گا۔

قسم چہ زرم: کوئی یہ کہے کہ اگر میری مراد فلاں بزرگ کی توجہ سے حاصل ہوئی تو
فلاں بزرگ کے فقروں اور مجاہدوں کو اس

قدر نقد اور جنس دوں گا یا فلاں قسم کا کھانا کھلاؤں گا۔ چاروں صورتوں میں حکم
شرعی یہ ہے کہ نذر صحیح ہے اور اس کا ایفاء واجب ہے، اگر ادا نہ کرے گا تو
گنہگار ہوگا بحکم مال الظالمین من الفساق یعنی خدا اور اس کے دوست
اس کی مدد نہ کریں گے۔

قسم پنجم: کوئی یہ کہے کہ اے اللہ میری یہ حاجت برآئے تو فلاں بزرگ
کی فلاں درگاہ کے خادموں اور بزرگوں کو کھانا کھلاؤں گا اور مسجد یا خانقاہ
میں روشنی کروں گا۔ یا پوریہ وغیرہ یا فرش وغیرہ کسی خانقاہ یا مسجد میں پیش کروں گا
یا اتنی شیرینی یا حلویہ وغیرہ فلاں بزرگ کی درگاہ میں پہنچاؤں گا۔ اس صورت
میں اختلاف ہے بعض فقہا کہتے ہیں کہ شرط اول اس میں نہیں پائی جاتی اور وہ شرط
اول نذر کا واجب ہونا ہے اور درگاہ میں شیرینی یا کھانا پہنچانا یا روشنی کرنا یا خانقاہ
کے فرش کی درستگی کرنا وغیرہ واجبات کی قسم سے نہیں ہے۔ اس لئے نذر صحیح نہ ہوگی۔
اور واجب ادا نہ ہوگی۔ عدم ایفاء سے کوئی گناہ بھی لازم نہ آئے گا مگر بعض فقہا
یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی نذر اللہ سے لئے ہے۔ اور نفع فقروں کے
لئے ہے اور کسی ولی کی درگاہ اور خانقاہ کا ذکر جو اس ضمن میں آیا ہے وہ حدیث
کے لئے ہے پس نذر صحیح ہے۔ اور اس کا ایفاء واجب ہے۔

نذر کی ایک قسم ہے بھی ہے کہ کس درگاہ میں جا کر فراس کے غلاف کو پیر کر
اس بزرگ کی روح کو مخاطب کر کے کہے کہ اگر آپ مجھے پیادیں یا میری فلاں
حاجت پوری کر دیں تو اس قدر نقد یا جنس بطور نذر ادا کروں گا۔ نذر کی یہ قسم بالاجتہاد

حرام ہے اور اس کا ادا کرنا بھی لازم نہیں۔ اور اگر کوئی یہ نذر ادا کرے تو اس نذر کی ہوئی چیز کا کھانا بھی ناجائز ہوگا۔ حالتِ ضرار میں فقیر و محتاج کھا سکتے ہیں۔ مالداروں پر اس کا کھانا قطعاً حرام ہے۔ ان احکام کی تفصیل فقہاء کی کتابوں میں موجود ہے (بحر الرائق)

پس فرقہ و پاپیہ حکمِ شرع کے خلاف کہتے ہیں کہ نذر و نیاز مطلقاً حرام ہے اور یہ کہ نذر کرنے والے مشرک ہیں۔ ان کا یہ دعویٰ بالکل باطل ہے کیونکہ نذر مباح کی پانچ اقسام کے معنی ہیں کہ نیاز، ہدیہ، مناجات اور سداقت اس میں شامل ہیں اور ان میں تقرب الہی اور پیا اللہ کے واسطے منظور ہوتا ہے اس طرح کی نذر میں جو کچھ نذر کیا جاتا ہے اس کو تحفہ، ہدیہ اور شکرانہ کہتے ہیں اور اس قسم کی نذر و نیاز کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے لئے خود مقرر کرتے ہوئے تاکید فرمایا ہے۔

يا ايها الذين امنوا اذا نجا جيتم الرسول فقوموا بين يدي
بجوكم صدقته ذالك خير لكم واظهره فان لم تجدوا فان الله
غفور الرحيم.

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! جس وقت اپنے دل کی بات رسول کے ہو تو پہلے نذر پیش کرو۔ یہ تمہارے واسطے بہتر ہے اور پائیے گی۔ اگر تم نذر کرنے کو کچھ نہ پاؤ تو اللہ بخشنے والا اور رحم والا ہے۔ اس حکم کے موافق دستور مقرر ہو گیا ہے کہ جس وقت کوئی شخص نبی یا ولی کے حضور میں اپنی حاجت پیش کر کے استعانت اور مدد طلب کرے تو لازم ہے کہ خالی نہ ہو۔ کچھ نہ کچھ سطر بیتی نیاز یا ہدیہ پیش کرے یا کوئی شکرانہ بشرط حصول مراد قبول کرے۔ اور مطلب حاصل ہونے کے بعد اس کو واجب سمجھ کر ادا کرے لیکن ادب یہی ہے کہ تقرب الی اللہ

کو ہاتھ سے نہ جانے دے، اذہم نے جو کچھ کہا ہے اس کے مطابق مولانا شاہ
عبدالغفری قدس سرہ کا مندرجہ ذیل فتوے اس بابت میں ہے۔

نذر اولیاء کہ برائے نفلے حوائج معمولی درموم است اکثر فقہاء اس
پی نپردہ دآں را بذر خدا قیاس کردہ حکم مردود بیت پر آوردہ اند کہ اگر نذر یا نقل
برائے ولی است باطل است و اگر برائے خدا است و ذکر ولی برائے
بیان معرفت است صحیح است لیکن حقیقتاً نذر آنست کہ ایصال ثواب
و ایدائے طعام و اتفاق و نفل مال بزور ہست کہ امر البیت مستنون و
اثر دئے احوال و صحیح نہایت است مثل ماورد فی الصحیحین من حال ام
سعد و غیرھا تذروہا میں صورت ملتزم می شود پس حاصل این نذر آنست
آن ؟ - مثلاً ہادی ثواب بذر اندالی روح فلاں و ذکر ولی برائے
تعیین عمل مندور است نیز برائے بیان معرفت میں نذر برائے
شان و متوسلان ولی می باشد از اقارب و خدام و امثال ذالک ہمیں است
منفصود نذر کنندگان بلا فایز و حکم دادہ صحیح یجب ایفاء لادہ قریبہ
معتبرہ فی الشرع ہرے اگر آن ولی را جلاں مشکلات بالاسلام
یا شفیع غالب بر خدا اعتقاد کند این عقیدہ او منجر بشرک و فساد می گرد
لیکن این عقیدہ چیزے دیگر است و نذر چیزے دیگر دیگر تہی جوابہ بلفظہ
ترجمہ :- اولیاء اللہ کی نذر جو حاجتیں پوری ہونے کے لئے مرسوم ہیں۔
اکثر فقہائے اس کی حقیقت کو نہ سمجھا اور انہوں نے اس نذر کو خدا کی نذر پر
قیاس کر کے یہ حکم مردود جاری کیا کہ اگر وہ نذر مستقل طور پر کسی ولی کیلئے ہے تو
باطل ہے اور اگر وہ نذر خدا کے واسطے ہے اور ولی کا ذکر صرف نذر کا صر
بیان کرنے کو ہے تو صحیح ہے لیکن اس نذر کی حقیقت یہ ہے کہ ثواب

پہنچانا، کھانا ہدیہ کرنا۔ میت کی روح کے لئے مال خرچ کرنا یہ ایک ایسا کام ہے جو صحیح مسنون ہے اور از روئے احادیث صحیحہ ثابت ہے جیسا کہ صحیحین میں ام سعد وغیرہ کے باب میں وارد ہوا ہے۔ اس صورت میں نذر کا التزام ہوتا ہے۔ اس نذر کا مطلب یہ ہے کہ کوئی نذر مانے کہ اگر مجھے شفا ہوئی تو میں اس نذر کا ہدیہ ولی یا بزرگ کی روح کو کروں گا۔ ولی کا ذکر اس نذر کے سلسلے میں عمل کے تعین کی طرف سے ہوتا ہے۔ نذر کے مصرف کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ اس نذر کا مصرف اس ولی کے لئے اور اس کے متوسلین کے لئے ہوتا ہے۔ اور ان ولی اللہ کے خاندانوں اور عزیز واقارب وغیرہ کے لئے۔ اور نذر کرنے والوں کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں اور اس نذر کے لئے حکم شرعی یہ ہے کہ یہ نذر صحیح ہے اور اس کا پورا کرنا واجب ہے۔ کیونکہ شرع میں ایسی نذر کا معتبر ہونا اور خدا کے قرب کا ذریعہ ہونا ثابت ہے ہاں اگر اس ولی کو بجائے خود مشکلوں کا حل کرنے والا یا خدا پر غلبہ کرنے والا شفیع اعتقاد کیا جائے تو عقیدہ شرک کی طرف لے جانے والا ہوگا۔ لیکن یہ عقیدہ دوسری چیز ہے اور نذر بالکل دوسری چیز ہے۔

(شاہ عبدالغریزہ کا جواب ان لفظوں میں ختم ہوا۔)
 یہ جو کہا جاتا ہے کہ اموات کسی چیز کے مالک ہونے کی قابلیت نہیں رکھتے کہ نذر و صدقہ لیں یہ سفر ہائے دنیا ہی حوزہ نہیں کرتے کہ حق تعالیٰ کہاں تمنا ہے جو اپنے لئے خمس زکوٰۃ، نذریں اور کفارے مقرر کرتے ہیں۔ اس سے مقصد غریب پوری اور فقرا نوازی ہے، اسی لئے انبیاء و اولیاء کی نذر بھی خلق خدا کی نفع رسائی پر ہے نہ کہ اپنے ذاتی فائدے پر چونکہ نذر و بیاد میں فقرا اور مساکین کا

نفع ہے اور خدا و رسول نے اس طریقہ کو جاری کیا ہے اس میں شرک کا گمان بھی کرنا ناہموں کی شوہر نفس اور بد بختی ہے۔

حق و باطل ماہر القادری اسمائے حسنیٰ اول و آخر کے منکر ہیں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اول و آخر ہیں بلکہ اول و آخر کا خالق ہے۔ فاران میں نقش اول کے تو وہ خالق تھے ہی اب حرف آخر "بیں اپنی تخلیقی قوت میں ظاہر کی ہیں۔ حرف آخر میں خدا کا انکار، رسول کی تمہین، بزرگان دین کی تذلیل، توحید کا مذاق تصوف کا تمسخر، قرآن سے استہزاء وغرضیکہ اعداء اللہ کی سب باتیں موجود ہیں۔ ہم اس حرف آخر کو "زہوق" سے تعبیر کرتے ہیں۔ البتہ حرف باطل کا جواب فردی ہے۔

اعتراف اول تاج میں سیدنا حضرت عمرؓ کی کرامات درج کی گئی ہیں۔ ہم خدا نخواستہ معجزوں اور کرامات کے منکر نہیں ہیں مگر زمانے کے تقاضوں کا لحاظ بھی ضروری ہے (فاران جون ۱۹۵۶ء)۔
جواب : (۱) ہم کو آپؐ نیت فرما رہے ہیں کہ زمانے کے تقاضوں کا لحاظ بھی ضروری ہے حالانکہ خاص اسی فاران میں آپؐ نے ان لوگوں کو یہودی جو کسی دین کہا ہے جو کہتے ہیں کہ زمانے کے تقاضوں کا لحاظ ضروری ہے۔ (ملاحظہ طلب فاران صفحہ ۵)

(۲) انسانی زندگی کی مختلف جہات ہیں۔ جس جہت میں بحث کی جاتی ہے وہی پہلو جاگرایا جاتا ہے۔ تاج "میں حضرت عمرؓ کی بہت ولایت پر کچھ لکھنا اور کرامات جو آپ سے سرزد ہوئیں ان کی صراحت نہ کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔"

(۳) کرامات کا ذکر ہی زمانہ کے خلاف مزاج ہے تو قرآن و احادیث

جو اس قسم کے ذکر سے بھرے ہوئے ہیں۔ ان کا کیا حشر ہوگا۔
اعتراف دوم | تاج میں بابا تاج الدین ناگپوری کو شہنشاہ
 ہفت اقلیم کہا گیا ہے۔ حالانکہ حدیث میں
 شہنشاہ خدا کا نام ہے۔

جواب : (۱) حدیث کا مطلب آپ نہیں سمجھے۔ حدیث میں شہنشاہ
 مطلق کہنے کی ممانعت ہے۔ خدا کو شہنشاہ ہفت اقلیم کہا جرم ہوگا (۲)
 (۲) شہنشاہ ہفت اقلیم قطب مدار عالم کو کہتے ہیں۔ بحوالہ شاہ
 ولی اللہ محدث دہلوی۔ شیخ محی الدین ابن عربی حکیم محمد علی ترمذی
 (۳) فاران نے خود بستان پھور قدسی مضمون شائع کیا ہے۔ اس میں
 شہنشاہ دو جہاں مالک کون و مکان "غیر اللہ کے لئے استعمال ہوا ہے۔
 ملا حظہ طلب (فاران سیرت نمبر) پھر تعجب ہے کہ شہنشاہ ہفت
 اقلیم پر معتز من ہیں۔

تاج میں بابا تاج الدین ناگپوری درجندہ اللہ علیہا
اعتراف سوم | کو پیغمبر زہرا کہا گیا ہے۔ قادیانیوں کے لئے قرودہ (فاران)

جواب : آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے ثابت کیا گیا کہ رسول اصطلاح
 شرعی کے علاوہ رسول اللہ، رسول عیسیٰ علیہ السلام رسول بلقیس کے
 لغوی معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ اس لئے پیغمبر زہرا اور پیغمبر خدا میں فرق
 نہ کرنا اور قادیانیوں کو قرودہ سنا ناظم اور بصیرت کا مذاق اڑانا ہے۔ (تاج)
اعتراف چہارم | فتوحاتِ مکہ کے ترجمہ کا یہ رنگ ہے ان
 جملوں کی خطرناکی کی کوئی انتہا نہیں ہے

وہ خدا کے پاک ذات ہی ہے جو بندوں کی صورت میں جب

چاہتا ہے اپنی اطاعت آپ ہی کرتا ہے : (فانان)
 جواب : (۱) واللہ خلقکم وما تعملون۔ اللہ تمہارا خالق ہے اور تمہارے
 اعمال کو بھی وہی خالق ہے۔ اس نسبت کی طرف توجہ دلائی گئی کہ فاعل حقیقی
 اللہ تعالیٰ ہے۔

(۲) دراصل یہ لاجول و لا قوت الا باللہ کی ترجمانی ہے۔ لاجول سے
 شیطان کا بھاگنا مشہور واقعہ ہے۔ وجہ فرار یہ ہے کہ مومن یا لادریہ مان لیتا
 ہے کہ گناہوں سے بچنے کی طاقت اور نیکیاں بجالانے کی قوت خدا ہی کے
 قبضہ قدرت میں ہے تو غیر اللہ کی حول و قوت کا وہ منکر ہو جاتا ہے شیطان
 طاقتیں اس مومن سے سزا ہو کر رہا وہ فرار اختیار کرتی ہیں۔

اگر تعصب اور ضد سے الگ ہو کر اعتراضات اور جوابات کو دیکھا
 جائے تو پہلی نظر میں آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اعتراض کے نہایت معقول
 اور مدلل جوابات پیش کیا گئے۔ ان کی روشنی میں ماہر صاحب کو اپنے
 تمام اعتراضات سے رجوع کرنا چاہیے تھا اور ان کی دینی امانت کا تقاضا
 یہ تھا کہ کسی حجاب اور جھجک کے بغیر اعلان کرتے ہیں کہ ...

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کرامتوں کا ذکر شائع کرنا کوئی گناہ کی بات

نہیں ہے۔

(۲) حدیث کے معنی انہوں نے غلط سمجھے، شہید شاہ سہنت اقلیم
 خدا کا نام نہیں۔ انہوں نے مطلق کو مقید پر حمل کرنے میں غلطی کی اور اپنی رائے
 کو مشائخ حدیث باور کرائے میں احتیاط سے تجاوز کیا۔

(۳) پیغمبرؐ کو پیغمبر خدا کے ہم معنی سمجھ کر قادیانوں کو شرودہ سنانے

کی غلطی ان سے بے جا طور پر سرزد ہوئی۔

ہم، تمام نیکیاں اور سبائیاں خدا ہی کی طرف رجوع کرتی ہیں اور یقیناً
خدا ہی فاعل حقیقی ہے۔

(۵) صرف مسئلہ وحدت الوجود پر وہ مطمئن نہ ہوئے تھے۔ اس حد تک
موضوع بحث محدود رہتا۔ مگر فسوس ہے کہ اعتراضات حق اور امانت دینی
کا تقاضہ پورا کرنے میں انہوں نے اپنی شکست کھچی۔ ان کو اپنی بات سچی ہوتی
نظر آتی۔ محض پاس سخن اور محارات کی راہ اختیار کرتے ہوئے انہوں نے بھر
تبصرے کے عنوان سے ایک مضمون لکھا جس مضمون میں انہوں نے
اپنی بحث کو ابتدائی اعتراضات تک محدود رکھنے کے بجائے بہت سی نئی
اور غیر متعلق بحثوں تک وسیع کر دیا۔

اور اس امر کو قطعاً نظر انداز کر دیا کہ جو ابتدائی اعتراضات تھے۔ ان کا نشانہ
جواب مل گیا اور ان کے خیال میں کوئی جواب نشہ تھا تو اس کی صراحت
ہم سے طلب کرتے۔ یا زبانی ہم سے رجوع کرتے۔ جیسا کہ ہم نے اس طرف
توجہ دلائی تھی۔

ہر علم و فن کی اصطلاحات بھی ہوا کرتی ہیں۔ کچھ مسلمات بھی ہوتے ہیں۔
اس فن کے مسلم البتوت ماہر فن بھی ہوتے ہیں جن کو مجتہد اور امام کے نام سے
پکارا جاتا ہے۔

پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ کچھ لوگ کسی علم و فن سے لگاؤ رکھتے ہیں اور کچھ
لوگ اس کے برعکس اس علم و فن سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے انسانی فطرت
کا تنوع اس امر کا منقذ ہے کہ تمام نوح انسانی ہم مذاق، ہم خیال، ہم مشرب
ہوں۔ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ فطرت انسانی کا یہ اختلاف مٹ جائے۔ وہ فطرت
انسانی کو نہیں سمجھا۔

ہم کو اس اختلاف سے جو فاران اذتان میں ہے کبھی کوئی تعجب نہ ہو اور تعجب
 اور حیرت صرف اس مقام پر ہے کہ وہ تصوف پر تنقید و تمجید فرماتے ہیں۔ اور تصوف
 کے مسلمات سے علم ہیں تصوف کی اصطلاحات اور انداز بیان سے مطلقاً
 بے خبر ہیں، تصوف کے ائمہ کیار کی عبارتوں پر اعتراضات فرماتے ہیں حالانکہ
 ان کے معنی تک نہیں سمجھتے۔ شیخ اکبر مولانا روم جانی علیہم الرحمۃ جیسی جامع شریعت
 و طریقت ہستیوں کے کلام پر اعتراض کرنے پر خدا ہین چمکتے۔ ہم نیک نیتی کے ساتھ
 یہ سمجھنے سے معذور ہیں کہ ان کا یہ اعتراض صوفیائے کیار پر نہیں بلکہ کتاب و سنت
 خدا اور رسول پر اعتراض ہے کیونکہ ان کا ماخذ کتاب و سنت ہی ہے۔ اعتراض
 کی کوئی مخالفت نہیں مگر اعتراض کرنے والے کی علمی قابلیت اور فنی استعداد
 اس علم و فن میں ہیں پر وہ لب کشائی کر رہا ہے ایک اہم حقیقت کا درجہ رکھتی
 ہے۔ جو شخص کسی علم و فن کا ایجاد خواں بھی نہ ہو وہ اس علم و فن میں کیا
 لب کشائی کر سکتا ہے۔؟ ظاہر ہے کہ یہ صورت جہل مرکب ہے اور خواہ مخواہ
 اپنے کو محقق طوسی باور کرانے کا شوق اس جذبہ کا محرک ہوتا ہے۔
 دوسری صورت اعتراض کی یہ ہو سکتی ہے کہ مقررین کو محض اللہ علیہ
 السلام کا کسی علم و فن سے بغض و عناد ہو اور اس کی جزئیات و کلیات سے بے
 بہرہ ہوتے ہوئے اس علم و فن سے اس کو نفرت اور بیزاری ہو۔ خواہ یہ
 نفرت اور بے زاری اس کی اپنی فطرت کے لحاظ سے جو سعادت و شقاوت
 ازلی کا نتیجہ ہے، ہو یا اپنے اعتقادات کے اعتبار سے ہو جو سعادت و شقاوت
 ازلی کے ظہور کی بنیاد ہیں۔

مدیر فارات کے متعلق پہلی صورت تو خارج از بحث ہے کیونکہ وہ علم
 تصوف سے نا آشنائے محض ہیں یہی نہیں کہ وہ تعلیم نہ پانے کے یہ بھی ہے

کہ تربیت بھی ایہیں حاصل ہوئی۔ اور بدقسمتی سے جن سویوں سے ان کا سابقہ پر اوہ بھی ہی قسم کے لوگ تھے۔ جن کا اظہار وہ بار بار فاران میں کرتے ہیں اور اس زلمے کو اپنے دور جاہلیت سے تفسیر کرتے ہیں۔ یہ سب محرومیاں اڑلی ہیں اور خدا کرے ابدی نہ ہوں۔

اب اس کے سوائے اور کوئی صورت نہیں کہ وہ تصوف سے محض بد ہمتی و عناد و متنفر اور بیزاری ہیں۔ اس لئے کہ اس بیزاری کا سبب ان کی ناکامی و محرومی ہے۔ یا اڑلی مشیت ہے۔

جس طرح وہ اپنے معتقدات کو حق سمجھتے ہیں و دوسروں کیلئے بھی اس حق کو تسلیم کرنا چاہئے۔

یہ کون سا اسلام ہے کہ وہ اپنے اور اپنے ہم جماعت لوگوں کے سوائے کسی کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے۔ کافر، مشرک، بدعتی اور یہودی، بخوبی ویدانتی سے ادھر کہہ گئے مسلمانوں کو وہ کوئی خطاب ہی نہیں دیتے اور یہ نہیں جانتے کہ جو لعنت مسلمان پر کی جاتی ہے وہ جھوٹ ہونے کی صورت میں کہنے والے کی طرف لوٹ آتی ہے۔

اس مرحلے پر ہر صحیح العقول اور سلیم المذاق انسان یہ رائے قائم کرنے پر مجبور ہوگا کہ اس قسم کے اعتراض کا منشاء تو علم آگاہی ہے اور نہ تحقیق حق بلکہ یہ اعتراضات تصوف سے بعض و عناد پر مبنی ہیں اور اس بعض و عناد کا سبب جو خود معترض نے بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ خود ایک مانہ میں تصوف اور اہل تصوف سے وابستہ رہے ہیں اور اپنی اس وابستگی کے دوران میں جو مشاہدات حاصل ہوئے ان کو تلخ تجربات کہا جاسکتا ہے۔ تصوف کی دنیا میں جو کچھ انہوں نے دیکھا ہے وہ "ناخن رنگ تھا قبر پرستی تھی"

گانجا اور جس پینے والے فقیر تھے تصوف کی دنیا میں جو کچھ انھوں نے سنا وہ تو آلی
 تھی، ڈھونگ اور طبلہ کا آواز ہی نہیں، طوائفوں اور قوالوں کی تانیں نہیں۔
 تصوف کی دنیا میں جو ذائقہ انھوں نے چکھا وہ بیزار اور تادم گیا رہو یہ شریفین کے
 کھانوں کا ذائقہ تھا، مزارات پر چڑھتے والے پھولوں اور گریبنوں کی خوشبو انھوں
 نے سونگھی اور استالوں سے ان کے نبوں نے، ان کی پیشانی نے لمس کیا۔ اس
 طرح ان کے جو اس قسم کے تصوف کی دنیا میں پہنچ کر جو تجربات حاصل کئے ان کو
 وہ اپنی دور جاہلیت کی زندگی کے گناہوں سے تعبیر کرتے ہیں وہ اپنی اس جاہلی
 زندگی کے گناہوں کا بار بار اعلان کر رہے ہیں اور اس جاہلی زندگی سے تائب
 ہو جانے کا اظہار بھی فرماتے رہتے ہیں۔

ہمیں ان کے تجربات پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اس کا ضرور افسوس
 ہے کہ خیریت قسمت سے یہ جاہلوں کے ہالے پڑ گئے جنہوں نے اپنے غلط طرز عمل
 سے ان کو بدگمان ہونے کا موقع دیا۔ مگر ساتھ ہی ساتھ ہم یہ کہہ سکتے ہیں
 رہ سکتے کہ الجینس الی الجینس بھیل۔ اگر باہر صاحب کو ان جہلدار سے کوئی فطری اور
 طبیعتی مناسبت نہ ہوتی تو ان کے بھندے میں کیوں بھندتے ہو؟ خریدنا۔ میں
 ایسے عوفیوں کا وجود عقلاً تو نہیں تھا جو ناچ رنگ، نشہ بازی، اور فریبستی،
 جس میں تلا نہ ہوں، قادری، نقشبندی خالوادوں میں کہیں ناچ رنگ اور نشہ
 بازی وغیرہ کچھ نہیں ہے۔ کماں اتباع شریعت ان کا مقصود ہے۔ ان کے یہاں
 ذکر، فکر، مشغل، مراقبہ، کی تعلیم و تربیت تمام خالوادوں میں عام ہے اس سے
 روگردانی اور فعالیت اور لہو و لعب میں گرفتاری نیک لوگوں سے ۱۶ من اور
 بولوں سے امتلا طیبہ خود اپنے مزاج، امتلا و طبع اور ذوق سے کس تعلق کتنا
 ہے انسان کے ذاتی ذوق کو اس میں بڑی حد تک دخل ہے کہ وہ کس قسم کا حلقہ

اپنی دستگی کے لئے انتخاب کرتا ہے؟ اور نہ یہ تو کبھی ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے
 کہ کسی طبقہ یا جماعت میں اچھے اچھے ہی افراد ہوں، برے نہ ہوں اور برے
 ہی برے ہوں اچھے نہ ہوں۔

پھر انسانی فطرت ہے کہ وہ جس چیز کو حاصل کرنا چاہتا ہے اس میں
 ناکامیابی اور نامرادی کے بعد اس کے دل پر یا اس غالب آجاتی ہے
 یہی حال بدیر فاران کا ہے کہ وہ تصوف کے کوچے سے نامراد واپس آنے کے
 بعد تصوف اور اہل تصوف سے قطعاً بالیوں ہو چکے ہیں۔ ہر انسان چونکہ فطرتاً
 معصوم ہے غالباً اسی لئے وہ کوئی التزام اپنے سر اٹانے نہیں دیتا۔ اپنی کوتاہیاں
 نظر نہیں آتیں اپنی جدوجہد کی خامیاں دکھائی نہیں دیتیں۔ محرومی اور
 ناکامی کا سارا التزام تصوف اور اہل تصوف کے سر منڈھا جاتا ہے۔
 سلوک الی اللہ میں جو شخص غلط رہنا انتخاب کرتا ہے وہ غلط راستوں پر
 بے ہودہ گردی کے بعد ناکام اور محروم واپس لوٹتا ہے تو ایسے شخص کا یہ
 خیال کہ وہ اب راسخ اور راست پر آ گیا دوسری خود فریبی ہے جس طرح تصوف
 کی دنیا میں پہنچ کر یہ شخص اہل رسم کے ساتھ وابستہ رہا اور اہل حقیقت سے
 نسبت حاصل نہ کر سکا بالکل اسی طرح منزل شریعت میں آ کر بھی یہ شخص
 ایک ایسی جماعت سے وابستہ ہوا ہے جو بدترین اربابِ بطواہر میں سے ہے
 اس جماعت میں حصولِ علم کے لئے کسی استاد کی ضرورت نہیں۔ اس جماعت
 کا امیر شاید پوری دنیا میں وہ پہلا شخص ہے جس نے کسی سے علم دین حاصل نہیں
 کیا۔ جو عربی نہیں جانتا اور اس کے باوجود وہ مجتہد اور مجتہد ہونے کا مدعی
 ہے وہ قرآن کی تفسیریں لکھتا ہے۔

دین کو خالص دنیاوی اور مادی سطح پر اس لئے لاکر کھڑا کر دیا ہے۔ روحانی اور

اسی لئے کہ
 کو مردہ
 میں اتنا
 فراکاد شمس
 برزخ طالع
 اور خرقہ
 باعث رواد
 میں ان کے
 یہ جماعت
 کے کہ

اخلاقی بنیادوں کا ستیاناس کیا جا رہا ہے۔ دماغوں کو مادی خطوط پر سوچنے
 کا مادی بنایا جا رہا ہے۔ روحانی اقتدار کو چھوٹے پیمانوں سے تعبیر کیا جا رہا ہے
 شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حضرت مجدد الف ثانی تصوف کی وجہ سے اس کی
 نظریں مورد الزام ہیں۔ تصوف کی بنیادی کو ہی تجدید دین کا کارنامہ قرار دیا گیا ہے۔
 مودودی صاحب نے تصوف کی جڑیں اکھاڑ کر پھینک دینے کا پروگرام بنایا
 اور ان کے ہم نواؤں نے اُمن کہا؟ ان اُمیوں میں سے ایک ماہر صاحب بھی
 ہیں۔ تصوف اور اہل تصوف کے خلاف زہر افشانیوں کی ایک خطرناک سزا
 جو معاندین کو خدا کی طرف سے ہمیشہ ملتی رہی ہے وہ دل کی موت ہے پھر
 سزا فوراً ملتی ہے۔ معاً ملتی ہے۔ ادھر ادبیا اللہ کی جناب میں گستاخی سرزد
 ہوئی ادھر دشمنانِ خدا کی فہرست میں نام لکھا گیا۔ ایمان سلب ہونے
 کے بعد ہر ایسا بے ادب اور گستاخ "مردہ دل" پیکر بے روح ہو جاتا ہے
 اسی لئے قرآن نے۔ دلی اور پنی کو جھٹلانے والے ستارے والے کفار
 کو مردہ کہا گیا ہے وہ زندہ تھے لیکن مردہ دل، "تھے علمائے حق کا اس مسئلہ
 میں اتفاق ہے کہ معاندت اور بیار لئد کا نتیجہ سورہ فاتحہ ہے۔ دشمنِ خدا کا دشمن
 خدا کا دشمن ہے دشمنانِ خدا کا ٹھکانہ جہنم ہے ان پر ماسی دینا ہیں جہنم کا
 برزخ طاری ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی اُگ میں خود جلتے رہتے ہیں کشف کرامات
 اور حرقِ عاداتِ علمی درجاتِ قبولیت۔ دعا، مقبولیتِ خدا۔ محبوبیتِ حق
 حاجتِ روائے خلاق کے واقعات جو دشمنانِ خدا سے ظہور پذیر ہوتے
 ہیں۔ ان کے ذکر سے بھی یہ عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں جلتے ہیں جلاتے
 ہیں جھلاتے ہیں سقر ان کہنا ہے قُلْ مَوْتُوا لِحَیْطِلْکُمْ اِنْ مَنَکُمْ
 سے کہہ دیجئے کہ تم اپنے نبیوں و غیب میں مرد۔

جس طرف دل کی موت کا نتیجہ کفر ہے اسی طرف نفاق بھی اس کا لازمی
 نتیجہ ہے۔ ان منافقین کا یہ قدیمی طریق چلا آتا ہے کہ زبان سے ہمیشہ
 یہ کہتے ہیں کہ ہم اولیاء اللہ کے منکر کب ہیں؟ معجزات و کرامات کے منکر
 کب ہیں وہ ناشدنی منافق ہے جو اولیاء اللہ اور کرامات اولیاء اللہ کا منکر
 ہو۔ مگر جہاں کسی دلی یا کرامت شدلی کا ذکر آیا اور یہ چیز اس کا پاب ہوئے۔ فوراً
 ہی نفاق ظہری ظاہر ہوتا ہے۔

کوئی ان سے پوچھے کہ تم اولیاء اللہ کے دشمن نہیں ہو تو ان کے نام سے
 کیوں چمکتے ہو ان کے ذکر سے تمہارا دم کیوں گھٹتا ہے ان کی کرامتوں کے بیان
 سے تمہیں کیوں بخار چڑھتا ہے ان کے تعارفات کا حال سننے سے تمہارے
 دل میں کیوں دھواں اٹھنے لگتا ہے!

اس زمانہ کے تمام صوفی بے عمل ہیں خلاف شریعت ہی نشہ باز ناچ
 و گگ کے دلدادہ ہیں، بدعتی اور مشرک ہیں ہم تھوڑی دیر کو ان لیے ہیں کہ
 اس زمانہ میں کوئی ولی نہیں ہے تو کیا اللہ کا اسم ولی (غوث باللہ) معطل ہے
 فیضانِ ولایت منقطع ہو گیا اب ولی نہیں ہوتے پہلے کبھی ہوا کرتے تھے۔
 چلو اس زمانے کو چھوڑ دو زمانہ سلف کے اولیاء اللہ کے لئے کیا کہتے ہو
 ان کو مانتے ہو؟ ان کی کرامتوں کے قائل ہو۔ اگر ہو تو پھر تقسیم القرآن میں یہ جو لکھا
 ہے کہ یدعون من دون اللہ سے اصحاب قبور و انبیاء صالحین مراد
 ہیں جن کو عالی معتقدین و اتانگہ بخش فریادرس، غریب نواز اور نجاشی
 کیا کیا کہہ کر پکارتے ہیں۔

مسلمہ طور پر ہندوستان پاکستان بلکہ عالم اسلام کے نزدیک و اتانگہ
 بخش اور خواجہ غریب نواز اور غوث پاک رحیم کائنات فریادرس کیا گیا ہے۔

تہ صرف ادیاء اللہ بلکہ جلیل القدر عظیم المرتبت ادیاء اللہ میں پھر ان کے خطابات
جو امت مسلمہ کے زبان زد ہیں اور وہ دوستانہ خدایان ناموں کے مشہور
مصروف ہیں۔ ان کو تم نے مشرکین کے اصنام سے نامزد کیا ہے یا نہیں۔

ادیکھو تفہیم القرآن اگر داتا گنج بخش اعز بہ لہاز ماہد عوث پاک ہی
ولی اللہ ہیں تو پھر کون سا دلہے جس کا نام پایا جاسکتا ہے۔
امت مسلمہ تو پھر کوئی نام پیش کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی۔ سلسلہ ^{مستقیم}
وقادریہ تو ختم ہوا اپنی ہرست شائع کرو جو آج تک تم نے اپنے سینہ پر کینے
میں چھپا رکھی ہے اور مسلمانوں کو تم اپنے بچے ادیاء کا نام نہیں بتلاتے۔ وہ
جن کا نام لیتے ہیں ان کو تم بتاتے، نہیں اور تم جن کی دلالت کے قائل ہو اس کو عام
مسلمان جانتے ہیں۔

ہم بتائیں تم کس کس کو دلی سمجھتے ہو۔ ابن تیمیہ تمہارا ولی ہے۔ عبد اللہ
نجدی تمہارا ولی ہے، اسٹیل وہ لو کی تمہارا ولی ہے۔

جب تمہارا امہ لک تمہارا مذہب تمہارا مشرب یہ ہے کہ تم مسلمانوں کو
واجب القتل سمجھتے ہو ان کی بہو بیٹیوں کو کتیرا بنا جا کر سمجھتے ہو عزرات ادیاء
اللہ کو منہدم کرنے والو، بار رسول اللہ کہنے والوں کو مشرک قرار دینے والو۔
مسجد نبوی میں گھوڑے باندھنے والو۔ سرزمین حرم پر قتل و غارت مافقتہ
تاج کرنے والو اور کھل کر مسلمانوں کے سامنے آؤ۔ کتاب و سنت کے
نام پر مسلمانوں کو گمراہ کر رہے ہو۔ اسلام کا لیبیل لگا کر خاریوں اور دہاؤں
کی تنظیم کر رہے ہو اور عام مسلمانوں کو بے وقوف بنا کر ان سے لاکھوں روپیہ
چندہ لے رہے ہو، قربانی کی کھالیں وصول کر رہے ہو۔ آئینتیں مع چانست
کے اٹھالے جاتے ہو۔ اور اس روپے سے مسلمانوں کو نفع پہنچانے کے

ان کو نقصان پہنچا رہے ہو۔ بددین اور بد عقیدہ بنا رہے ہو۔

موت قلبی اس مردہ دلی کا واضح ثبوت ان کے لٹریچر میں موجود ہے۔ تزکیہ قلبی جو مقصد نبوت میں شامل ہے

اور جس پر دین اور دنیا کی صلاح و فلاح کا دار و مدار ہے۔ مودودیت میں شجر ممنوعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ تزکیہ قلبی کو جو کسبِ سیاس، رہبائیت کی بدعت کہا گیا ہے۔ تزکیہ کی مخالفت میں مستقل مضامین لکھے ہیں۔ وہ تمام طریقے جو تزکیہ قلبی، صوفیائے کبار، اور اولیائے عظام نے مستحسن اور معمول قرار دیئے ہیں، ان کو یکسر لغو، بے کار، اور بدعت قرار دیا گیا ہے۔

”مدیر فاران“ فرماتے ہیں کہ تصوف اور طریقت وہی ہے جو ایام جاہلیت میں خود رقم الحرف مدیر فاران نے دیکھا تھا۔ جس کے لطیفوں پر وہ جاہلیت کے زمانے میں مجوم چکے ہیں۔ صوفیوں کو جی بھر کر گالیاں دینے کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ اپنے قول و فعل پر قرآن و حدیث سے دلیل لانا۔ ہر فرقہ ماہر گروہ، ہر جماعت کا یہ شیوہ رہا ہے۔ یہی کتاب اور سنت ہیں جن سے خوارج، نفیری، معتزلہ، علویہ، مجسمہ اپنے عقائد کا ماخذ کتاب و سنت ہی کو قرار دیتے ہیں۔

مدیر فاران کا اس تحریر سے کیا مطلب ہے۔ اور موضوع زیر بحث سے اس کا کیا تعلق ہے۔ واضح نہیں کیا گیا۔ کتاب و سنت سے دلیل پیش کرنا کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں بلکہ دین کا مدار علیہ کتاب و سنت ہی ہے قرآن کی کسی آیت کے رد میں نہ ماننا یہ ان تمام فرقوں کا شعار ہے جو باطل پرست ہیں۔ اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ تمام آیات و احکام میں جمع و توفیق ہے۔ برخلاف دوسرے فرقوں کے اول تو جدید یا محدودت ہونے کی وجہ سے

ان کا وجود ہی بدعت ہے پھر یہ کہ وہ بعض آیات کے منکر ہیں۔ بعض آیات کے مؤمن ہیں۔ مثلاً (۱) خوارج میں نے آیت حکم کو لیا اور یہ مطلب نکالا کہ حاکمیت صرف اللہ کے لئے ہے اور اس مطلب نے ان کو حضرت علی کی حکومت سے بغاوت پر مجبور کیا۔ حالانکہ حضرت علیؑ خلیفہ راشد تھے اور اہل الامر تھے۔ اس طرح خوارج نے ایک آیت کو مانا اور دوسری آیات کا انکار کیا۔ (۲) نصیری نے علیؑ کو خدا کہا اللہ کے اسم علی کی تصدیق کی لیکن مطلق کو مفید میں منحصر سمجھ کر کفر کیا۔

(۳) چہرہ ما لثناوت الا ایتا یثناہ اللہ کی تصدیق کی اور لیس لالسان الاما سہی کی تصدیق نہیں کی۔
(۴) قدسیہ تقدیر کے قائل ہو گئے اور لہا ما کسبت وعلیہا ما کسبت کو نظر انداز کر دیا۔

(۵) حلویہ اتحاوا، تجسم کے قائلین بھی ان آیتوں کے معتقد ہیں جو ان معنوں سے منشا بہ ہیں اور ان آیتوں کے قائل نہیں ہیں جو اطلاق اور تشریح سے متعلق ہیں۔ قرآن میں اللہ کا چہرہ، اللہ کا ہاتھ یہاں آیا ہے وہاں اللہ کا جسم و جسمانیات سے پاک ہونا بھی آیا ہے۔ پھر بعض آیات کو چھوڑنا بعض کو رکھنا یہی گمراہی ہے۔ کسی آیت کی کوئی تفصیل یا تاویل جو کسی دوسری آیت کے مخالف ہو قابل قبول نہیں۔ یہ اہل حق کا مسلک ہے۔ اہل باطل کا مسلک اس کے برعکس ہے۔

غرضیکہ مدیر فاران نے غیر متعلق باتوں میں اصلی بحث کو اٹھا دیا۔ ان کے جس قدر اعتراضات تھے ان کے جوابات ایک ایک کر کے دیئے جاتے تھے۔ اس کے باوجود مدیر فاران نے اپنی اشاعت اگست ۱۹۵۶ء پر تہ تبرہ

کے عنوان سے ایک مضمون لکھا۔ اصل مبحث سے دور ہو کر انہوں نے غیر متعلق
 باتیں چھیڑنے پر کسی اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ تمہید میں یہ دعویٰ کیا کہ "قاران" کی
 پالیسی بلکہ اس کا مقصد شاعت یہ رہا ہے کہ اللہ کے خالص اور سادہ دین
 کو اسی انداز میں پیش کیا جائے جس بے میل اور خالص و سادہ انداز میں وہ
 نازل ہوا ہے (حالانکہ یہ کام بنی کلمہ) اس بڑے بول کے بعد انہوں نے
 خود اپنی حق شناسی پر شبہ کیا ہے۔ اپنی اصابت رائے اور حدت و فکر کو خیر
 یقینی تسلیم کیلئے۔ زبان و قلم کی لغزشوں سے خود کا پاک نہ ہونا بیان کیا
 ہے۔ اس تضاد کا کوئی ٹھکانہ ہے کہ غیر معصومیت کا اعتراف بھی ہے اور بنی
 معصوم کا منصب بھی اپنے لئے تجویز کیا جا رہا ہے یعنی دین کو اسی انداز
 میں پیش کرنا جس انداز میں وہ نازل ہوا ہے۔ اللہ اکبر کیا جارت ہے؟ اس حلقہ
 کے بوجہ خالصانِ خدا کی زبان سے مقام "صدق و صفا" میں خود اللہ نے
 انا الحق اور انا اللہ فرمایا ان خالصانِ خدا کو مدیقاران نے گالیاں دی ہیں،
 کیوں اور کلمہ کفر کے الفاظ استعمال کئے ہیں اور یہ نہ سمجھا کہ منصور علیہ الرحمۃ اور حضرت
 بائزید سطاہی علیہ الرحمۃ (جن سے ایسے کلمات سرزد ہوئے ہیں) ان کے
 اقوال کی تاویل علمائے حق کا مسلک رہا ہے۔ اس کے بعد مدیقاران نے ایام جاہلیت
 کے واقعات، و مشاہدات اور تجربات تفصیلاً قلم بند فرمائے ہیں۔

بدلتی سے نہیں نہ کوئی صبح فقیر ملا اور نہ کوئی سچا سو فی نہ باخبر سالک
 نہ پیر و نہ ضعیف نہ کنت مجنس باہم جلس پر دازہ ان کو جو ملا وہ سب کا کار، گنہ گار
 نشہ باز، شرابی، چرسہ، بے نماز، مشرک اور بدعتی ہی ملا اور اپنے اس تجربہ
 کی بنا پر وہ طریقت کے کوچے سے ناکلم و نامراد واپس ہوئے اور آج اپنے
 تجربات کی بنا پر وہ حکم لگاتے ہیں۔ حنا و میل : احکام الہی میں تاویل نہ کرنے

لفظ
 کہ
 کہ
 لے
 اور
 اور
 اور
 اور

کو کفار و مشرکین کا شعار بتلایا ہے۔ شیطان نے سجد سے انکار کرتے ہوئے
 نافرمانی کے لئے دلیل ہی پیش کی تھی۔ مشرکین بتوں کو لپکتے تھے اور شرک کا عیب
 دور کر لینے کے لئے تاویلیں اور دلیلیں تراش لیتے تھے۔ ہر گمراہ کن قول کی تاویل ہو
 سکتی ہے۔

پھر کسی کو مخاطب فرض کر کے انھوں نے وحدت الوجود کا مذاق اڑایا
 ہے، اور یہ مثال دی ہے کہ تم آلو کے پٹھے ہو، کسی سے کہا جائے اور وہ اس گالی سے طیش
 میں آئے تو یہ تاویل جو پیر کی جاتی ہے کہ تمام مخلوقات کے اجسام میں ایک ہی روح جاری
 و ساری ہے قرآن کہتا ہے کہ - وَمَا صَدَقَ ابْتِغَاءُ فِي الْأَسْمَاءِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ
 رَفَعَهَا - قرآن میں دایہ حقیقت مشترک ہیں۔ میں نے گالی نہیں دی بلکہ وحدت
 روح کی حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ (فاران اگست ۱۵۷)

دیگر فاران خود ہی تاویل کو کفرانہ، مشرکانہ، بت پرستانہ اور ایسا نہ
 فعل قرار دیتے ہیں اور خود ہی اس فعل کا ارتکاب کرتے ہیں اور وہ بھی اس طرح
 کہ شیطان کو مشرمانے والی تاویل گھڑتے ہیں۔ اور کلام پاک کی آیت کا غلط استعمال
 کرتے ہوئے ذرا خوفِ خدا نہ اپار رہا مسئلہ تو حید تو اس کے دلنشین ہونے کے
 لئے نفس کا تزکیہ قلب کی صفائی، روح کی لطافت لازم ہے ایسا نفس ایسا
 دل جو ایسی ناپاک مثالوں سے توحید کو توجیر کرتا ہے۔ غیرت الہی اس پر اپنی توحید
 کو حرم کر دیتی ہے۔ چونکہ کلمہ طیبہ لفظ طیب سے مشتق ہے و طیب خوشبو کو کہتے
 ہیں کلمہ طیبہ کی وجہ تسمیہ ظاہر ہو گئی کہ اس سے خوشبوئے وصال آتی ہے۔ وحدت
 اور عینیت ثابت ہوتی ہے۔ کلمہ طیبہ کی ضد کلمہ خبیثہ ہے۔ خبیث ناپاک کو کہتے
 اور ناپاک کی میں بدل ہونا ضروری ہے۔ یہ بدلہ دوئی اور غیرت کی بدلہ ہے۔ مشرک
 اسی خدا کو جو بطلانی اور مسکانِ نقیبی کو جامع اور کثیر خیال کرتا ہے۔

اس لئے وہ کلمہ خبیثہ کا قائل ہے۔ اس ناپاک اور فحاشت کی وجہ سے مشرکین کو جس کی گناہ ہے اسے اللہ شرکون نجس۔

جعل عربی میں نجاست کے کٹرے کو کہتے ہیں۔ اس کٹرے پر اگر کسی طرف سے طوفان پڑے تو ہلاک ہو جاتا ہے۔ اس کی زندگی کا مدار بد بو پر ہے۔ خوشبو اس کے حق میں سم قائل ہے یہی حال مشرکین کا ہے کہ وہ اس کلمہ طیبہ کی ہوا سے بھی بچتے ہیں، جو لوہید اور عنیت کی خوشبو سے مشام جان اور روح ایمان کو معطر کرتا ہے۔ تاویل کو لحدانہ، کافرانہ اور شیطانی فعل قرار دینے کے بعد بدیر فاران نے دوسری جگہ ذرا ارتکاب کیا اور وہ بھی اس بھونڈے پن سے کہ اللہ کے لئے ایک خالق اور رب ہونا تجویز پاگئے۔ ملاحظہ ہو۔

هو الاقلے والآخر والظاہر والباطن قرآن کی اس آیت کا سادہ مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی اول و آخر ظاہر و باطن کمالی و ربیبہ۔ اگر کوئی اس کے ٹھیک لفظی ترجمہ دے وہی اول ہے وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے۔ کی معنویت پر اصرار کر کے تو پھر اس کا جواب یہ ہے کہ یہ منشا بہانہ ہیں اور حکمت کو چھوڑ کر منشا بہانہ تک پیچھے دہی لوگ لگتے ہیں جن کے دلوں میں کبھی ہونے ہے۔

(فلان اگست ۱۹۵۷ء)

یہی اللہ تعالیٰ کا اول و آخر ظاہر باطن ہونا بھی تسلیم نہیں اگر ٹھیک لفظی ترجمہ بلا تاویل کوئی کلام تمام کی صورت میں مانتا ہے تو اس کے دل میں کبھی ہے اور یہ آیت منشا بہانہ ہو جاتی ہے اور اگر کوئی اس تاویل کو جو بدیر فاران بیان کرتے ہیں بلا حین و چرا خدا کی مراد سمجھ کر اس پر ایمان لائے تو یہ قرآن کا سادہ مفہوم ہے اس قرآن فصیح کا اس سادگی اور پرکاری کا کوئی ٹھکانہ؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علم و بعیرت سے تو اس تاویل کو واسطہ ہی کیا ہے؟ معمولی عقل و فہم بھی بدیر فاران کو خیر باد کہہ چکے ایک

ہی آیت کو درمتشابہ قرار دیتے ہیں جس کی تاویل خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا
 پھر اس کی تاویل بھی اپنی طرف تجویز کرتے ہیں۔ جو ظاہر معنی کے بالکل خلاف ہے
 اور لقبول ان کے ٹیٹ ترجمہ کے منافی ہے۔ کوئی مسلمان جس کے
 دل میں ذرہ برابر ایمان ہو وہ قرآن کی آیات کے ساتھ ایسا مخلول نہیں کر سکتا
 جو یہ اللہ کے خالص اور ساوہ دین کو اس انداز میں پیش کرنے کے مدعی ہوتے
 ہوئے پیش کر رہے ہیں اس تمہید کے بعد ذکر کیجئے۔ حصول اول والا آخر والظاہر
 والباطن اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ ہیں۔ مدیر فاران کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اول
 آخر، ظاہر، باطن کا رب ہے۔ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اول آخر، ظاہر باطن سے
 اللہ کا کھلا انکار ہے۔

پھر اگر اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اول و آخر، ظاہر باطن کو تسلیم کیا جاتا ہے۔
 تو یہ بھی تسلیم کرنا لازم آتا ہے کہ اسمائے حسنیٰ اللہ تعالیٰ کا عین ہیں پھر جو شخص اللہ تعالیٰ
 کو اول و آخر، ظاہر باطن کا خالق و رب ہے۔ وہ خلق اللہ خالق کے لئے خالق رب کے لئے
 رب، خدا کے لئے خدا تجویز کرتا ہے۔

تیسری قباحت اس "فارانی تاویل میں یہ ہے کہ اول و آخر، ظاہر و باطن
 جو صفات الہیہ ہیں وہ مخلوق اور مرئوب قرار پاتی ہیں۔ اس طرح صفات قدیم
 کا حادث ہونا لازم آتا ہے۔

چوتھی قباحت اس تاویل سے یہ لازم آتی ہے کہ احادیث نبوی کی مخالفت
 ہوتی ہے ہم نے مدیر فاران کو اس غلطی پر متنبہ کیا تھا مگر وہ پاس سخن اور قصد میں مبتلا
 ہیں اور اس حدیث نبوی کی تاویل کرنے میں بھی کوئی باک نہیں کرتے اور تاویل کو خود
 ہی شیطانی فعل اعد کفار و مشرکین کا شعار بھی بیان کرتے ہیں۔

حدیث نبوی میں تاویل | حدیث: - والذی نفس محمد مبدیہ لہو انکم
 ویتم دیستم بحیل الی الارض السفلی

لہب علی اللہ ثم قراء عھوا لا قول ودا لا خز و الظاہر والباطن
وہو بکل شئی علیم۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے۔ اگر
تم ٹول کو رسی باندھ کر زمین زیریں تک لٹکاؤ تو وہ ڈول اللہ پر گرے گا۔ اس کے
بعد بطور استشہاد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ وہی اول ہے، وہی آخر
ہے، وہی ظاہر ہے، وہی باطن ہے، وہی ہر شے کے ساتھ حقیقی علم رکھتا ہے۔
کون نہیں جانتا کہ رسی باندھ کر ڈول کو زمین زیریں تک پہنچا جائے گا تو وہ
ڈول زمین زیریں پر ہی گرے گا مگر محض صادق اپنے قول "موکد بالقسم" میں زمین زیریں
پر گرنے کے بجائے لہب علی اللہ فرماتے ہیں جس کے یہ معنی ہیں کہ یقیناً وہ ڈول اللہ پر
گرے گا چونکہ مضمون حدیث جو کہ زمین زیریں کے ساتھ اللہ کی عنیت پر عبارتاً
اور دوسری ممکنات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عنیت کو دلالتاً ثابت کر رہا ہے۔ بظاہر بعد
ازہم اور قایل انکار مقولہ تھا۔ اس لئے نبی معلوم صلی اللہ علیہ وسلم نے اول تو اپنے قول
مبارک کو قسم کے ساتھ مؤکد فرمایا پھر اپنے ارشاد مبارک کی تائیدی شہادت میں
وہ آیت تلاوت فرمائی جو وجود باری تعالیٰ کی وحدت پر عبارتاً دلالت کرتی ہے۔ جس
کا ترجمہ یہ ہے کہ وہی اول ہے، وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے، وہی باطن ہے۔

د تاج ستمبر ۱۹۵۱ء

اول تو آیت کی عبارت غیر مبہم پھر اس کی تفسیر میں ارشاد بنویں مگر مدیرین
حدیث بنویں کی تاویل بھی آیت کی طرح کرنا فریضہ دینی سمجھتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے
کہ یہ حدیث جو اوپر نقل کی گئی ہے اس اللہ پر ڈول کرنے کا کوئی بھی یہ مفہوم نہیں لیتا
کہ اللہ کوئی جسم ہے جس پر ڈول جا کر گرے۔ اگر حدیث کے ظاہری الفاظ سے
کوئی یہ مفہوم نکالتا ہے تو اس کے یہ معنی ہوتے کہ ہم جو زمین پر چلتے ہیں تو مواد اللہ،
معاذ اللہ، ہمارے پاؤں اللہ پر جا کر پڑتے ہیں، اللہ پر ڈول کرنے

سے یہ مراد ہے کہ زمین کی آخری حد تک کوئی شے اللہ کے احاطہ علم و قدرت سے باہر ہے نہیں۔

(فاران)

(تلاخ)

اس تاویل کی صورت میں کلام نبوی کا بلیغ نہ ہونا لازم آتا ہے۔ بلاغت کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ قسم اس وقت کھائی جاتی ہے جبکہ کوئی کسی بات کا منکر ہو اور وہ بات شدید الانکار اور ناقابل یقین ہو اگر یہ صورت نہ ہو تو قسم کھانا بے فائدہ اور لغو ہوتا ہے اس کے بعد مضمون حدیث میں تامل لازم ہے۔ جو تاویل بدرہ فاران نے پیش کی ہے اس صورت میں اللہ پر ڈول کرنے کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ ڈول اللہ کے علم پر اس کی قدرت کے احاطہ میں آگے گا۔ اللہ کا علیم و قدیم ہونا کوئی قابل انکار بات نہ تھی اللہ کو علیم و قدیم پر سب مانتے ہیں۔۔۔ پھر اس سادہ مفہوم کو اس پیچیدہ اور خطرناک انداز بیان سے پیش کرنا اور قسم کھانا کوئی معنی نہیں رکھتا پھر اگر علم و قدرت کا اظہار ہی مقصود ہوتا تو امتیاز میں وهو بکل شیئی علیم وهو علی کل شیئی قدير کافی تھا۔ ہول اول والاخر والظاہر والباطن۔ سے کیا تعلق؟ محض شہو زواند قرار پاتے ہیں اور یہ بچیدار بلاغت ہے۔ ماہر صاحب تاویل کی صورت میں نعوذ باللہ کلام نبوی بلاغت سے گریبا نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جو شخص تاویل کو کفار و مشرکین اور ابلہوں کا شعار بتلاتا ہے وہ اس خدا کا در تک ہونے کی جرات کس طرح کرتا ہے؟ دین اور اسلام، کتاب و سنت سے بے جا رہے۔ کتاب و سنت کی عبارتوں میں جب الفاظ کے معنی ہر شخص اپنی سمجھ سے لے گا مجاز ہو گا تو کتاب و سنت کا مفہوم آخر کس طرح متعین ہو گا اس طرح علی اللہ بجا رہتے ہیں جو تہود ہے اس کے بجائے اپنی طرف سے یہ احاطہ علم و قدرت سے مراد لینا کلمات نبوی کو ناقابل اعتماد قرار دینا ہے۔ پھر انھیں یہ خیال نہیں کہ اللہ کو

صفاتِ علم و قدرت میں اور اللہ میں وہ "صفات" اور معانیات تجویز کر رہے ہیں۔

مدیرِ قاران نے اٹو کے پٹھے کی طرح "اس حدیث میں بھی اپنی طرف سے یہ معنی نکالے ہیں کہ ہم جو زمین پر چلتے ہیں معاذ اللہ ہمارے پاؤں اللہ پر جا کر پڑتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ مدیرِ قاران نے اللہ کا عقیدہ کہاں سے اخذ کیا ہے۔ بخدا اور رسولؐ جس عقیدہ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اس سے پناہ مانگی جاتی ہے، بے زاری کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اپنے خیال میں خدا کا کوئی ایسا تصور قائم کر رکھا ہے جس کا نام و نشان اس وسیع کائنات میں کہیں نہیں پایا جاتا ہر شے اس خیال میں وجود مستقل رکھتی ہے۔ سوائے خدا کے جس کا وجود ہم و خیال میں ہو تو ہو ورنہ عالم جس و شبہات سے تو قطعاً منفی ہے۔ انہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ اس قسم کی تشریح بھی شرک ہے۔ تعطیل ہے اور وجودِ باری کا صریح انکار ہے۔ اس حدیث سے ان کو اللہ پر چلنے کا خطرہ لاحق ہوا اور وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ حدیث مبارکہ جو زمین کے ساتھ اللہ کی عینیت عبارتاً ثابت کرتی ہے۔ دوسری ممکنات کے ساتھ دلالتاً عینیت ثابت کرتی ہے پوچھنا یہ کہتا ہے کہ اس حدیث کے یہ معنی ہوتے کہ ہم جو زمین پر چلتے ہیں تو ہمارے پاؤں اللہ پر جا کر پڑتے ہیں۔"

ایسا شخص جو ہم زمین اور اللہ کی تثلیث کا قائل ہے اپنی مشرکانہ ذہنیت کی بنا پر اس مضمونِ توحید کو نورِ اعلیٰ لوزِ حق سے قاصر رہے گا۔ پھر قرآنِ شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **هُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌُ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌُ** فارانی تاویل کی صورت میں وہی اعتراض وارد ہو گا کہ زمین پر ہم چلتے ہیں تو اللہ پر پاؤں پڑتے ہیں وہی کل شبہی لہ آیتہ نقل علی انه واحد ہر شے میں اللہ کی آیات ہیں جو اس کے واحد ہونے پر دلالت کرتی ہیں، مدیرِ قاران کہہ سکتے ہیں

کہ ذرات جو آیات الہیہ ہیں تو اسی پر ہمارے پاؤں جا کر پڑیں گے۔
 یہ مشرکانہ طریقہ فکر اہل توحید کے انداز فکر سے بالکل الگ نھلگ ہے۔
 اہل توحید و حقیقی کو صرف اللہ کے لئے خاص سمجھتے ہیں۔ اور اس صفت میں
 کسی کو خدا کے ساتھ شریک نہیں کرتے۔ موجودات کے ہونے نہ ہونے سے
 وجود حق کا زوال اور کمال وابستہ نہیں۔ موجودات کے لئے نہ کوئی وجود مستقل ہے
 نہ کوئی صفت نہ کوئی فعل نہ اثر۔

حقیقی وجود اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نبی
 صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے تمام مقولوں میں سب سے زیادہ سچا لیبید شاعر
 کے اس قول کو فرمایا ہے۔ الا کل شیئی ما خلا اللہ باطل یعنی سن لو کہ ہر شے
 بے حقیقت ہے سوائے اللہ کے۔ اور علمائے اہل حق کے یہاں یہ بات قرار پا
 چکی ہے کہ لا الہ الا اللہ کے معنی عام لوگوں کے نزدیک تو یہ ہیں۔ لا معبود
 الا اللہ یعنی اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں۔ اور خواص کے نزدیک لا
 مقصود الا اللہ یعنی اللہ کے سوا کوئی مقصود نہیں ہے۔ اور خاص الناس
 کے نزدیک لا مشہود الا اللہ یعنی خدا کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا اور جو
 نہایت کو پہنچ گئے رہتے ہو گئے ان کے نزدیک لا موجود الا اللہ یعنی اللہ کے
 سوا کوئی موجود ہی نہیں اور یہ سب معنی حق کے ہیں۔ ایمان کا مدار پہلے معنوں
 پر ہے۔ صلاح کا مدار دوسرے معنوں پر ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان سب معنی میں سے پورا پورا حصہ عطا فرمائے۔
 حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ نے بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور
 میں یہ اشعار پڑھے۔

فاشهد ان اللہ لا شئی بخیرہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک

و اذك ما مود علي كل غائب
 و انك ادنى امر سليمان شفاعته
 الى الله يا ابن الاكرمين الاطائب
 فكن لي شفيعاً يوم الالا و شفاعة
 سوادك ينفع عن سواد بن
 قاسم -

اللہ ہے اور اس کے سوا کوئی چیز نہیں
 ہے اور بیشک آپ تمام مغیبات
 کے امین ہیں اور بیشک آپ طیب
 و طاہر آباد امہات کے فرزند ہیں۔
 تمام رسولوں سے زیادہ شفاعت کے
 معاملہ میں اللہ سے قریب ہیں۔ آپ
 میرے سفارشی بن چلیے جس دن
 آپ کے سوا کوئی سفارشی سواد بن
 قاسم کو نفع نہیں پہنچا سکتا۔

”مسند امام احمد میں یہ روایت یوں ہی آئی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی شے نہیں
 ہے۔ سواد رضی اللہ عنہ کے اس قول سے سات باتیں ثابت ہوئیں۔

اول :- اللہ کے سوا ہر چیز کے وجود کی نفی

دوم :- حضور کے لئے علم غیب کا ثبوت ۔

سوا :- شفاعت کا عطا ہونا جیسا کہ حدیث شریف صحیح مسلم نے فرمایا

ہے کہ مجھ شفاعت عطا کی گئی۔

دوایہ کہتے ہیں کہ حضور کو ابھی شفاعت نہیں دی گئی۔ قیامت کے دن شفاعت

کاذن ملے گا اس سے ان کا مراد یہ ہے دنیا میں آپ سے فریاد نہ کی جائے کہ ابھی

آپ شفاعت پر قادر نہیں ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے من و علائقہ

دلوں اور مسلمان مردوں و مسلمان عورتوں کی بخشش چاہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا

ہے کہ اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں اور آپ کے حضور میں حاضر ہو کر خدا سے معافی چاہیں

اور رسول بھی ان کے لئے معافی مانگیں تو ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربان

پائیں گے۔

ان آیتوں کو دہریوں نے اس طرح پس پشت ڈال دیا ہے کہ جس طرح وہ ان آیتوں کو جانتے ہی نہیں۔

چہما سرشم: اسناد جلیل و ہلوی لے "تقویت الایمان" میں یہاں تک لکھ دیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی گناہگار کو بخشنے کا جملہ کرنا چاہے گا تو جس کو چاہے گا اسے شیعہ کر دے گا کسی کو بھی نصیب نصیب نہیں۔ مگر سواد بن قاری نے اس کے قول سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفا عتق سے یہ ثابت کیا ہے۔

پہنجم: سواد بن قاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کرنا فریاد کرنا ثابت ہے۔ وہابیہ کے عقائد کا اس میں رد موجود ہے جو حضور سے استغاثہ کرنا شرک کہتے ہیں۔

ششم: پہلے یہ کہا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سب سے قریب تر ہے۔ اس سے ترقی کر کے شفاعت کو حضور میں ہی مختص کر دیا اور یہی حق ہے۔ یہ ہے اور شفاعت کرنے والے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں شفاعت کرنے کے لئے حضور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی شفاعت کرنے والا نہیں جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کہ تمام انبیاء کی شفاعت کا میں مالک ہوں اور یہ بات میں کچھ فخر کی راہ سے نہیں کہتا۔

صہتم: ہاتھوں نے ثابت کیا کہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ پرکھو حضور انیس کے کام آئیں گے۔ اس میں پیشوا سے وہابیہ اسناد جلیل و ہلوی کا رد فرمایا جو یہ کہے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹی کے بھوکام نہ آئیں گے۔ پھر اردو لکھی کہ انہی کو انہی کے لئے ہے۔ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان شرطوں سے الفاظ کا عظیم نفع دیکھو اور بیشک حدیث ناظر ہے کہ نبی

صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ سب باتیں برقرار رکھیں۔ یہ سمجھ لو کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ جس دن اللہ جمع کرے گا رسولوں کو۔ ان سے فرمائے گا تمہیں کیا جواب ملا؟ عرض کریں گے کہ ہمیں کچھ علم نہیں۔ انبیاء کا یہ کلام اصل حقیقت پر مبنی ہے۔ انہوں نے اپنے علم کی بالکل نفی فرمائی کیونکہ سایہ جیب اصل کے سامنے اُتتا ہے تو اس کا کوئی وجود اور دعویٰ نہیں رہتا۔ ملائکہ نے کہا تھا کہ ہمیں کچھ علم نہیں مگر عبتاً تو نے ہمیں سکھلایا ہے ملائکہ کا یہ کلام حقیقت عطائی پر مبنی ہے مگر انبیاء کا کلام حقیقت نفس الامری پر مبنی ہے کہ انہوں نے اپنے علم ذاتی اور عطائی دونوں کی نفی فرمائی۔ ادب میں ملائکہ سے انبیاء علیہ السلام بڑھ گئے۔ ان سب پرورد و سلام۔

کوئی ایک بات ہو تو روکا جائے، لوٹا جائے۔ الف سے تک جہاں سب کچھ غلط ہو اور نحو ہو وہاں انسان کیا کرے؟ تمام بزرگان دین کو جھٹلایا پتلا رہا ہے۔ ان کو بدعتی، مشرک، خلاف شریعت لکھا جا رہا ہے۔ ان کے افکار کو غیر اسلامی طریق فکر اور یہودیت، ثنویت سے نسبت دی جاتی ہے۔

سطور ذیل میں ہم نے تمام بزرگوں کے اقوال لکھے ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ مدیر فاران کے قائلوں کے میل متغیر ہونے سے سادہ دین کے نمونے پیش کئے ہیں ملاحظہ ہوں۔

خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد۔

در سینہ نصیر الدین جز دوست نبی گنجہ

این طرفہ تماشا بین دریا بچباب اندر

(مدیر فاران)

وہاں کاموں و حباب سے جو ربط ہے خالق و مخلوق کے باہمی ربط کا اظہار

قیاس کرنا اسلامی انداز فکر کی عین ضد ہے۔ یہ مجوسیت، ویدانت اور پانت
کے افکار و نظریات ہیں جو عجیبی تصوف کے سانچے میں ڈھل گئے ہیں۔

(فاران اگست ۱۹۵۶ء سطر ۲۶، ۲۷ - صفحہ ۲۸)

(۲) حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ . من تو شدم تو من شدی .

فاران :-

اپنی بدعت کا پیراؤ ہے۔ ذوق ہے اور طبیعت و رجحان ہے کہ ایسے تمام
نکتے جو عبودیت اور خالق و مخلوق کے تعلق پر من تو شدم تو من شدی کا رنگ
پڑھانے ہوں مرغوب و پسندیدہ ہیں (فاران نومبر ۱۹۵۶ء سطر ۲۲ - ۲۳ صفحہ ۳۳)

(۳) مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ .

دوسرا بیت کم تر ازویاں شدند
دو جہاں کہ خمیہ برگردوں زدند

فاران :-

حدیث بتاتی ہے کہ شیطان آدمی کے جسم میں خون کی طرح دوڑتا ہے تو کیا
اس حدیث کی بنیاد پر یہ اعتقاد بھی رکھا جائے کہ اولیاء اللہ بھی انسانوں کے جسم میں
خون کی طرح دوڑتے ہیں یہ سوچنے کا انداز بھی غیر اسلامی ہے کہ فلاں مخلوق میں یہ قوت
پائی جاتی ہے تو انسان میں بھی اس قوت کا پایا جانا لازمی ہے ورنہ انسان اس
مخلوق سے کمتر سمجھا جائے گا۔ (فاران نومبر ۱۹۵۶ء سطر ۱۶ - ۱۷ صفحہ ۳۳ - ۳۴)

(۲۱ - ۲۲)

(نہمید) (۱) حدیث قدسی ہے کہ میں اپنے محبوب بندے کے ہاتھ پاؤں

سماعت بصارت بن جاتا ہوں۔ بی بیسمع ولی بیصوت۔

(۲) حضرت مولانا عبدالحق علی بن علی بن ابی طالب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

اولیاء اللہ سے رانا الحق، میں حق ہوں، پہچانی ما اعظم نشانی میں پاک ہوں میری

شان کیا ہی بڑی ہے وغیرہ۔ ایسے کلیات جو صادر ہوتے ہیں تو ایسے قول کا قائل
خود اللہ تعالیٰ ہی ہوتا ہے جو مرتبہ قرب میں اپنے محبوب بندے کی زبان سے برتنا
ہے جیسا کہ حدیث قدسی کا نشانہ ہے۔

(۳) ایک دوسری حدیث میں ہے الحق یبذل علی لسان عبدہ۔
(۴) مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اسی مرتبہ قرب کی تشریح فرماتے ہیں۔
گفتہ او گفتہ اللہ پر و گریہ از حلقوم عبد اللہ پر
(۵) بندہ مقرب کا کلام خدا ہی کا کلام ہوتا ہے گو وہ کلام بندہ کے
حلقوم سے نکلے۔

گر بندے ذات حق اندر وجود اب و گل را کے ملک کر دے سجود
(۲) اگر آدم خدا کے وجود سے موجود ہوتا تو اب و گل کو فرشتے سجدہ نہ کرتے

دو ہیں و دو مگ و دو مخمراں

خواجہ را در خواجہ خود معرواں

(۳) دو نہ دیکھو دو نہ کہو یاد نہ پڑھو، خواجہ کو اپنے خواجہ میں معوجہ لوز۔

گر جدا دانی از ایں خا جہ را

گم کنی ہم متن و ہم دیبا چہ را

(۴) اگر ولی کو اللہ سے تم نے جدا جانا تو کتاب الہی کا متن بھی تم سے

غائب ہو جائے گا۔ اور دیبا چہ بھی۔

مذہب معکوس باشد کار با شخمہ را در و آورد و در ہا

چوں سفینہاں را ببرد کار و کیا

لازم آید یقتلون الایبیاء

(۵) ایسا دور بھی آتا ہے کہ سب کام لٹے چلتے ہیں، ایسا پتھر کو توڑنے کو

ڈاٹنگ ہی نہیں بلکہ پچاسی دسے ڈالتا ہے۔

(۶) جب کمیونوں کے ہاتھ میں اختیار اور اقتدار آجاتا ہے تو بیوروکریٹوں کا قتل

کیا جاتا لازمی امر ہو جاتا ہے۔

چونکہ حکم اندر کتبہ خداں ہو

لاجرم ذوالنون اور ذوالمالا ہو

(۷) حضرت ذوالنون مصری مشہور تھے یعنی تھے صاحب مذہب تھے

وعدت الوجود کا نظارہ فرماتے تھے۔ آپ کو دیوانہ مشہور کیا گیا اور جیل میں بھیج

دیا گیا کیونکہ حکومت بے دینوں کے ہاتھ میں تھی۔

چوں قلم در دست خدارے ہو

لاجرم مشہور بہ دارے ہو

(۸) جب قلم خدار کے ہاتھ میں ہوتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہی ہوتا ہے

کہ مشہور علیہ مرتبہ کو پچاسی کا حکم ہو اور پچاسی دیجاتے۔ خدار بے وفائی کرنے

والا رہا تھی۔ مولانا روم نے منقولہ کو پچاسی واسے مفتی کو خدار سے لئے فرمایا

کہ وہ مفتی چوکتاب و سنت کا علم رکھتا تھا وہ اپنے دل میں اتنا الحق کو کلمہ حق

بھی جانتا تھا مگر ظاہر داری کا پاس کرتے ہوئے اس نے حق شناسی سے خدار سے

کی۔

فرعون نے بھی اتنا الحق کہا اور خدائی کا دعویٰ کیا۔ منقولہ نے بھی اتنا الحق

کہا جس کے یہ معنی ہیں کہ میں حق ہوں۔ مجال پیدا ہوتا ہے کہ فرعون اور مشہور کے

اتنا الحق میں کیا فرق ہے؟ مولانا روم اس فرق کو واضح کرتے ہیں۔

اوانا گفت وز خود آزاد شد

ایں انا گفت وز خود برباد شد

منصور نے انا کہا اور خودی سے آزاد ہو گئے۔ فرعون نے انا کہا اور خودی
میں گرفتار ہو کر برباد ہو گیا۔

ایں انا " را صد ہزاراں رحمت است

آن انا " را صد ہزاراں لعنت است

منصور کی انا پر ہزاروں رحمت اور فرعون کی انا پر ہزاروں لعنت
(۹) بات یہ ہے کہ ایسے کلمات میں ہمیشہ یہ دیکھنا چاہئے کہ کہنے والے
کی نیت اچھی ہے یا بری۔ اس کے بعد حکم لگاتا چاہئے کیونکہ تمام اعمال کا مدار
نیت پر ہی ہے۔ اَلْعَمَلُ بِالنِّيَّاتِ .

کیوں نہیں کیا؟ تو جواب میں کہا "فَمَا اعْوَجِبْتَنِي" آپ کے بہکانے
کی قسم "ابلیس" نے "اغوا" کی نسبت خدا کی طرف کی۔ ملعون ہوا اسی طرح
نوح علیہ السلام نے بھی "اغوا" کی نسبت خدا کی طرف فرمائی جیسا کہ قرآن میں
ہے۔ يَقَوْمَ لَا يَنْفَعُكُمْ نَفْسِي اِنْ اَسْرَدَا لَلَّهِ اَنْ يَّعْوِيَكُمْ .

یعنی اے قوم تمہیں میری نفیست کوئی نفع نہیں پہنچائے گی۔ اگر اللہ تعالیٰ
نے یہ ارادہ کیا کہ تم کو اغوا فرمائیے مگر نوح علیہ السلام حسن نیت کی وجہ سے مقبول
ہیں اور ابلیس نے نیت کی وجہ سے مردود ہے۔ حالانکہ فعل اغوا کی نسبت
خدا کی طرف کرنے میں دونوں برابر ہیں۔ مگر نیتوں میں زمین و آسمان کا فرق
ہے اور نیتوں پر ہی احکام جاری ہوتے ہیں۔

(۱۰) شیخ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

در آردی ایمن کہ ناگاہ سے گوید اتی انا اللہ

روا باغدا نا الحق اندر نختی چرا بند را از نیک نختی

مطلب یہ ہے کہ وادی ایمن میں آکر چشم تقصیر سے دیکھو تو

تمہیں درختِ اِنی اَنَا لِلّٰہِ ر میں اللہ ہوں کہتے ہوئے دکھائی دے گا۔
قرآن میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ درخت سے آواز آئی۔ لا اِلٰہَ اِنَّا فاعبدا لہِ اِنی میں ہی اللہ
ہوں پس میری عبادت کرو، پھر جبکہ انا الحق کی آواز درخت سے روا ہے تو کسی نیک
بخت سے کہوں کر روانہ ہوگی۔

صاحبِ گلشنِ راز، جو میری بھی اس طرف گئے ہیں کہ "انا الحق" کہنے والا
اللہ ہی ہے یہ اور بات ہے کہ اللہ کی صفت کلام کا ظہور بے زبان درخت
سے ہو یا زبانِ انسان خلیفۃ الرحمن سے۔

خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ہر کہ از وے نزد انا الحق ہر ہست او از جماعتِ کفار
شو بیاطن رہو بیت پر واز کن بظاہر عبودیت اقرار
اس تمہید کے بعد اور ان شواہد کی موجودگی میں دیکھئے کہ دین کو ساوہ
خالص رہے میل، تھری ہوئی جیسی مقبول بازار اصطلاحوں کے ساتھ پیش کرنے
دلوں کے دلوں میں توحید اور اہل توحید کا کیا مقام ہے۔؟

اس دیدہ دلیری کا بھی کوئی جواب ہے کہ بدعات جن لوگوں کا
اور رضا بچھونا ہوں سجدہ تعلیمی کی طرف جن کا رجحان ہو منصور اور سرمد
جیسے مجہول اور غیر ذمہ دار لوگوں کو جو اپنا پیشوا سمجھتے ہوں انا الحق جیسے لغو
اور خلاف توحید لغو، کو جذب و سوز اور کشف و شہود کا منظر جانتے
ہوں اور اپنے کو بیاطن رب لکریم کہتے ہوں۔

(۵) اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا شعر۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ مالک کے جیب کیونکہ محبوب و محب ہیں نہیں میرا تیرا
فاران ص ۳۲ نومبر ۱۹۵۷ء

اہل بدعت کیا کیا تحسین کرتے ہیں یہ سب طرح ہم آپس میں کہا کرتے
ہیں کہ ہم شتم و دوست دوست ہو تمہارا مال وہ ہمارا مال، محبوب و محب
ہیں آپہ پاپہا یا نہیں ہوا کرتا۔ کیا اللہ اور رسول کے ساتھ بھی اس قسم کی گفتگو
کے باوروں کی نسبت جائز ہے؟ اور تم ظریفی یہ ہے کہ جو اس قسم کے
عقائد رکھتے ہیں ان کے ناموں کے ساتھ خامی سنت اور قاطع بدعت
کے القاب استعمال کے جاتے ہیں۔

(۶) شاہ عبدالغریب ز محدث دہلوی۔

تمسک می کند جماعتی ازیں و در پیٹ
در انداختن گول و دیباہین بر فستجو ر

(قاران نومبر ۱۹۵۷ء)

جس طرح اہل بدعت کی پیش کی ہوئی آیات قرآنی اور ان کے
معتقدات کے درمیان کوئی ربط نہیں ہوتا۔ اسی طرح احادیث
کے ساتھ بھی اس قسم کا دروناک سلوک کرتے ہیں۔ مثلاً ایک حدیث ہے
کہ حضور د قبروں کے درمیان سے گزر رہے تھے حضور نے فرمایا کہ ان قبروں پر غراب
ہو رہا ہے۔ آپ نے قبروں پر وحشت کی دو شاخیں کاڑھیں اور فرمایا کہ جیب
تک یہ پھری رہیں گی طلبِ مغفرت کرتی رہیں گی۔ یہ فعل رسول اللہ کے ساتھ حضور
نقا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نے فرمایا ہے کہ میری بخشش بھی اللہ

(قاران)

کی رحمت سے ہوگی۔

”تاج“

کتاب و سنت کے نعرے لگانے والوں کا خالص نعرہ ہوا سادہ اور صاف

اسلامی عقیدہ سے ملامت فرمایا۔ حدیث شریفی کہ روایت کو نوٹ مردہ کر رہے ہیں کہ
 (پلاؤ مسئلہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری بخشش بھی اللہ کی رحمت
 سے ہوگی۔ اس حدیث مبارکہ کا مطلب یہی ہے جو ماہر صاحب سمجھے ہیں تو پھر سلمان
 اذیت کر لیں کہ اپنا ان اجماعی اور متفق علیہ مسائل کی جڑیں بھی ماہر صاحب نے کاٹ

دی۔

پہلا مسئلہ عصمت انبیاء کا شتم ہے کیونکہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی
 بخشش بھی ابھی معرض بحث میں ہے۔ جب اللہ کی رحمت ہوگی تو آپ کی بخشش
 ہوگی پھر بخشش جب ہوگی کہ کچھ گناہ بھی ہوں گناہ ہوں گے تو پھر عصمت کہاں۔
 دوسرا مسئلہ شفیع الحدیثیں (صلی اللہ علیہ وسلم) خود ممکن بخشش ہیں
 تو شفاعت کیا معنی رکھتی ہے (سید سید) سناتے لایرانہ سیانتا المنقرین لایرانہ
 کی نیکیاں مقربین کے بیانات ہوتے ہیں۔ اس قسم کی سب باتیں اللہ کے معاف فرمانے
 کا امکان قرآن میں فرمایا ہے۔ **لَا يَنْفَعُ الْكُفْرَانَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَآتَاكُمْ**
أَنْتُمْ كَمَا كُنْتُمْ معاف فرمانے کا قرآن فی اعلان غلط قرار پاتا ہے۔
 حضرت محبوب الہی : حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی کے یہاں
 جب سماع شہوت ہو تا تھا تو آپ کے مرید حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کا قدس
 سرہ وہاں آتا اور جاتے تھے اور مرشد کے معمول پر اتباع سنت کو ترجیح
 دیتے تھے۔
 (قاریان نومبر ۱۹۷۵ء)

یہ کتنی بڑی اہمیت ہے جو محبوب الہی پر غضوب الہی لگاتے ہیں۔ وہ
 ذات جو محبوب الہی مسلم ہو اس کا کوئی معمول خلاف سنت بھی ہو سکتا ہے؟
 پھر حضرت چراغ دہلوی پر یہ کتنا بڑا اقرا ہے کہ وہ بارگاہ محبوب الہی میں ایسی گتائی
 کریں کہ ان کو خلاف سنت سمجھان کی مجلس سے اٹھ کر چلے جائیں۔ اس خیال سے

بھی نسبت منقطع ہو جاتی ہے۔ عمل تو درکنار رہا۔ ان جاہلوں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ
حضرت چراغ دہلوی خود صاحبِ سماع تھے۔ محدثین کے نزدیک سماع کو خلاف
سنت کہنے والا گمراہ ہے۔ قاضی شوکانی منکرینِ سماع کو جاہل، گنوار اور
کاذب کہتے ہیں تفصیل کے لئے دیکھو داتا نمبر ۵۶، سماع کی حرمت میں
جتنی حدیثیں ہیں۔ وہ سب بناوٹی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع ثابت ہے۔ ماہر صاحب نے حضور
کے پیر مقدم میں انصار کی عورتوں نے جو خوشی کے گیت گائے اس حدیث میں
محدثات کا ترجمہ براہِ خیانت کس لڑکیاں غلط کیا۔ محدثات کا صحیح ترجمہ پردہ دار
خواتین ہیں۔

ماہر صاحب یہ بھول گئے کہ یہی خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی جن کو آپ
متبع سنت فرما رہے ہیں۔ ان کے اندازِ فکر کو آپ نے یہودیت، مجوسیت اور
غیر اسلامی فرمایا ہے حضرت کا اندازِ فکر تو یہ ہے۔

در سینہ نصیر الدین جزد دست نمی گنجد

ایں طرفہ تماشہ ہیں دریا، بحیاب اندر

آپ کا فتویٰ ہے کہ دریا کا جو موج و خیاب سے ربط ہے خالق و
مخلوق کے باہمی ربط کا اس پر قیاس کرنا اسلامی اندازِ فکر کی عین ضد ہے
یہ مجوسیت ویدانت اور باطنیت کے افکار و نظریات ہیں۔

(فارن اگست ۱۹۵۶ء، صفحہ ۲۸)

قل ليعبادي الذين اسرفوا على انفسهم لا تقنطوا من

رحمة الله .

(۱) حضرت امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ۔

عبادہ سے مراد عباد الرسول ہیں عباد اللہ کو عباد الرسول کہہ سکتے ہیں
 چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل یا عبادہ کا انحرارج ضمیر متکلم کا آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم (دیکھو شان امدادیہ صفحہ ۱۳۵)

۱۰۔ مولوی اشرف علی تھانوی ۔

حضرت حاجی امداد اللہ شاہ چرمکی رحمۃ اللہ علیہ کی تائید میں مولوی اشرف
 علی صاحب تھانوی فرماتے ہیں قرینہ بھی اسی معنی کا ہے کہ عبادہ سے عباد الرسول
 مراد ہوں کیونکہ آگے فرماتا ہے لا تقنطروا من رحمة اللہ یعنی اللہ کی رحمت
 سے ناامید نہ ہو۔ اگر عبادہ کا مراد اللہ ہوتا تو اللہ فرماتا من من رحمتی
 تاکہ مناسبت عبادہ کی ہوتی (دیکھو شایم امدادیہ صفحہ ۱۳۵)

فاران :-

اہل بدعت اس آیت کے ترجمے میں "ہی" کی ضمیر کا مرجع رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کو قرار دیتے ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ نے فرمایا تم کو
 اسے میرے بندو یعنی محمد رسول اللہ کے بندو۔ صرف اپنے فوق کی بنا پر قرآن
 پاک میں ایسی کھلی ہوئی معنوی تحریر نہیں کرتے ہیں اور ذرا برابر نہیں شرماتے بلکہ اتنی
 بڑی جبرمانہ جراتیں کر کے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح ہم عشق رسول کا ثبوت
 دے رہے ہیں۔ (فاران نومبر ۱۹۵۶ء ص ۲)

(۱۱) مولانا محمود الحسن شیخ الہند (دیوبند)

وہ لوگ جن کو یہ پکارتے ہیں وہ خود ڈھونڈ ڈھونڈتے ہیں اپنے رب تک وسیلہ
 کہ کون سا بندہ بہت نزدیک ہے اور امید رکھتے ہیں اس کا مہربانی کی اور
 ڈرتے ہیں اس کے عذاب سے بیشک تیرے رب کا عذاب ڈرنے
 کی چیز ہے۔

(۱۲) مولانا شبلیہ احمد عثمانی :- بخاری میں روایت ہے کہ کچھ لوگ دو جاہلیت میں جنات کی عبادت کیا کرتے تھے۔ وہ تین مسلمان ہو گئے اور پورے اپنے جہالت پر قائم رہے۔ ان کے تعلق میں یہ آیت نازل ہوئی :-

مطلب یہ ہے کہ تین کہنیوں کو تم معبود مستعان سمجھ کر لپکارتے ہو وہ خود اپنے رب کا قرب پیش از پیش تلاش کرتے ہیں۔ ان کی دوا و دوش صرف اس لئے ہے کہ خدا کی نزدیکی حاصل کرنے میں کون آگے نکلتا ہے۔ ان میں جو زیادہ مقرب ہیں وہی زیادہ قرب الہی کے طالب رہتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ کسی سب سے زیادہ مقرب بندے کی دعا وغیرہ کو حصول قرب کا وسیلہ بنائیں۔
(تفسیر مولانا شبلیہ احمد عثمانی)

(۱۳) شاہ عبدالرحیم صاحب۔ وابتغوا لیہ الوسیلۃ اس آیت سے فرضیت بیعت پر دلالت کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ وسیلہ ہی مراد عمل صالح نہیں ہو سکتا کہ خطاب اہل ایمان سے ہے۔ عمل صالح اتقوا اللہ میں شامل ہے۔ ایمان اور اتقا کے بعد وسیلہ و وسوئۃ ہونے کا حکم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل خود پیغمبر علیہم السلام نے خدا سے دعائیں گئے کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے۔ جیسا کہ محسن مصعبین میں ومن آتوا رب الذی عان متوسل بانبیائہم والہم الحسین من عبادہ یعنی دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ ہم اللہ کی بارگاہ میں انبیاء اور اولیاء کا وسیلہ اختیار کریں اور حضور کے قول و فعل کو استنادت انبیاء باقبل سے ثابت ہے۔

اہل بدعت الوسیلہ سے انبیاء اور اولیاء کا توسل مراد لیتے ہیں۔

(فاران نومبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۳۱)

(۱۴) مولینا جامی قدس سرہ : لا شئہ شاترہ ہم ذات من حیث
ذات از ہمہ اسما و صفات معری است و از جمیع لشیب و اضافات مبرا۔
(لوح جامع جامی)

یہ عطلین کے عقائد ہیں جو اپنے خود ساختہ نظریہ تعطیل کی رو میں یہاں
تک کہہ گئے ہیں کہ اللہ کو ہم احد و احد ہی نہیں کہہ سکتے کہ ایک کہہ ہم ذات
حق کو مقید کرتے ہیں،

دعویٰ جامی قدس سرہ

آن را کہ فنا شیوہ و فقر آ بین است
لے کشف و یقین نہ معرفت نے یقین است

رفت اور میاں ہمیں خدا مانو خدا

الفقر اذا تم طمو اللہ ای است (لوح جامع جامی)

(فاران اگست ۱۹۵۶ء)

اس رباعی کی معنویت سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا یہ نری شاعر

شوشی ٹکری ہے۔

وہ تمام مضامین لطائف اور نکتے جو عبود و معبود کے فرق کو مٹاتے ہیں
یا شبہ میں ڈالتے ہیں یکسر باطل ہیں اور اس معاملہ میں کسی بڑے سے بڑے
صوفی کی بھی بات نہیں مانی جاسکتی۔ (فاران)

(تاج)

کلّ شئی در الاک و جہا بالک اسم فاعلہ ہے جس کا معنی یہ ہیں۔
کہ سوائے ذات شے کے ہر شے بالفعل یا کسب ہے۔ کل من علیہ فاران و پر تھا
سوائے خدا لجلال والا کرام ہر شے فنا پذیر ہے۔ بقا و دوام ذات یاری

تعالیٰ کے لئے ہے۔ فقرا س فنا کی تصدیق والی ہے فقیر ذاتِ حق کے مقابلے میں نہ
 خود کو موجود دیکھتا ہے نہ کسی اور کو موجود پاتا ہے صفات و صفات اللہ کا اثبات
 اور غیر اللہ کی ذات و صفات کی نفی لایزالہ الا اللہ کا مطالبہ اور توحید کا تقاضا
 ہے۔ خدا کے لائحد اور بندوں کے استقلال و وجود کا عقیدہ کس قدر مشترک
 مادہ پرستانہ اور باہلانہ ہے تو یہ تو یہ عبادت و معبود میں بغیر ہمت و دلوں کے
 وجود میں استقلالِ طریقت کی تجوید و عجز ماری کو مستلزم ہے۔ تعویذ باللہ
 تصادق

(فاران اگست ۱۹۵۶ء)

شرع کو واضح جانی پر تبصرہ فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔
 یہ کتاب اپنے معانی اور غماض کے اعتبار سے بہت ادا ہے۔ ہر
 فارسی جاننے والا اس کے معانی کی تہہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ فاضل مترجم فارسی
 کے مشہور عالم ہونے کے علاوہ تصوف کا خاصہ ذوق رکھتے ہیں ان کا مطالعہ بھی
 وسیع ہے اس لئے لوائح جانی کے ترجمہ میں وہ کامیاب رہے ہیں۔ یہ کام
 خود اپنی جگہ ایک مفید کارنامہ ہے۔

کتاب کے سفر میں خاص الفاظ کے معنی اور تصوف کی عام اصطلاحات
 کی شرح درج ذیل ہے جو بڑے کام کی چیز ہے۔
 مولانا جانی قدس سرہ وحدت الوجود کا غلبہ ہے لہذا لوائح جانی
 کے بعض مقامات خاصے محلے غور میں۔

(فاران نومبر ۱۹۵۶ء)

ذہین شاہ صاحب کو کون سمجھائے کہ حضرت شیخ ابیر محیی الدین اور دیگر
 صوفی بزرگوں کی وہ تحریریں جو انتہائی نازک نکال درجہ کی پیمپہ بلکہ خطرناک

ہیں اور ان کا اظہار نہ کوئی دینی ضرورت ہے اور نہ دنیوی ضرورت ہے۔ ان کو
 اردو میں منتقل کر کے وہ ایک بہت بڑے فتنے کا دروازہ کھول رہے ہیں۔
 (فاران ۵۶ء)

تاج :

جامی علیہ الرحمۃ جن پر بقول "فاران" وحدت الوجود کا غلبہ ہے اور
 ان کی کتاب لوائح جامی جو بقول "فاران" مخانی اور غوامض کے اعتبار سے بہت
 اذوق ہے اور جس کے بعض مقامات خاصے محل غور ہیں۔ معطلہ کے عقائد سے
 لائحہ شانزدہم کو تعبیر کرتے ہیں۔ اس کا ترجمہ کامیاب مفید کارنامہ اور پڑھنے
 کام کی چیز ہے اور مدیر تاج کلام صوفیانہ کا ترجمہ کریں تو فتنہ کا دروازہ کھلنا
 ہے یا للعجب اس کی دینی ضرورت نہ دنیوی ضرورت جیسا آدمی ویسی بات
 تبصرہ نگاری کی دیانت سے زیادہ تعلقات کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

(۱) قل لا املک لنفسی نفعاً ولا ضرراً الا
 ما یشاء اللہ۔ اے محمد آپ کہہ دیجئے کہ میں نہیں

ملک اپنے بڑے کا نہ بھلے کا مگر جو چاہے اللہ۔

(۲) قل لا املککم من اولی اس شداء۔ اے محمد آپ

کہہ دیجئے میرے اختیار میں نہیں تمہارے نقصان و ضرر اور نہ راہ پر لانا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اللہ کی بارگاہ میں اور تقرب۔

کس کو حاصل ہو سکتا ہے جب حضور کے اختیارات قدرت کی یہ کیفیت

ہے تو پھر دنیا میں وہ کون سا اللہ کا چہیتا ہے جو کائنات میں مختار و متصرف

ہونے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس جگہ اہل بدعت کی طرف سے فحاشی اور

عطائی کی تفریق پیدا کی جاتی ہے۔ مگر اس خیالی شیش محل پر بھی قرآن بھر پور

ضرب لگاتا ہے۔ (۳) قل لا أقول لكم عدی خزائن اللہ۔ محمد
 آپ کہہ چکے کہ میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس ہیں خزائن اللہ کے
 جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی خدا کے دیئے ہوئے خزائن
 نہیں ہیں تو پھر ان لوگوں کو جو حضور کی خاکِ پاک کے برابر بھی نہیں ہیں ہم کس
 طرح داتا مالک و مختار اور شہنشاہ ہفت اقلیم مان لیں۔ (قازان)
 تاج :-

تینوں ایٹوں کا مطلب خدا رسول، کی وجہ سے وہ نکالا گیا جس میں
 اہانت رسول لگتی ہوتی ہے۔ آپ کو کسی قسم کا کوئی اختیار ہونا۔ آپ کا مطلقاً
 صاحب تصرف اصرار ہونا سبھی انسانوں میں بیان کیا گیا ہے۔
 لوگوں کو وہ اپنے لئے کا اختیار بھی نہ ہونا یہی واضح کیا گیا ہے اصل رعایا
 مسکات پرھولیں اور اس بددینی اور بے ایمانی کا اندازہ کر لیں جو اس
 مورد بیت کے مبلغ و داعی مدیر قازان "کا حکم ہے پھر یہ معنی زوری اور
 ڈھٹائی کہ۔

ہماری تحریر میں کوئی معنوی قرینہ اور مزید اشاریت اس بات کی
 نہیں نکلتی کہ ہم خدا نخواستہ مجھ سے اور کرامات کو قرآن کے خلاف سمجھتے
 ہیں۔

دروغ گویم پر روئے تو کا مصداق نہیں تو کیا ہے؟
 جب ذاتی اور عطا کسی قسم کا کوئی اختیار تصرف اور مقدرت رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم میں ہی تسلیم نہیں اور کوئی تسلیم کرتا ہے تو وہ اہل بدعت
 ہے اور قرآن بقول قازان "اس خیال پر پھر پورے ضرب لگاتا ہے تو مطلع صاف
 ہو گیا۔ دیکھ لیجئے اس سے زیادہ صاف اور صریح الفاظ میں تصریحات و اختیارات

کیا انکار اور بھی ممکن ہے۔

اختیارات و تقرقات کے علاوہ اور معجزات کیا ہیں؟

خرائن اللہ | او نہیت مقایم خرائن الاسفح مجھے زمین کے خزانوں کی کجیاں دی گئیں۔ اس حدیث مبارکہ کی تاویل کرتے ہوئے

میر تقی فاران کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ زمین اسلامی مقبوضات میں آنے والی تھی اس کی پیشینگوئی ہے چونکہ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ کے خزانے حضور کے پاس نہیں۔ اس عقیدہ کی تردید میں حدیث پیش کی گئی جس میں واضح طور پر روئے زمین کے خزانوں کی کجیاں عطا ہونا بالوضاحت موجود ہے پھر بھی وہ بتی کی آواز پر اپنی آواز بلند کرتے ہیں۔ ہم ایک اور حدیث پیش کرتے ہیں شاید وہ اس کے بعد اپنی مجرمانہ ضد سے باز آجائیں۔

اعطیت الکنزین الاحس والایض (آخر جہ مسلم عن ثوبان)

یعنی مجھے دو خزانے سرخ (سونا) اور سفید (چاندی) عطا فرمائے گئے۔

(۴) اللہ پر رزق دادنا قسم (۳) او تیت ہفتا تیار کل شیئ

اللہ اور رسول کو اپنا پہنچانے والوں کا یہ اعلیٰ طریقہ فکر ہے کہ جو ارشادات خاصان خدا تو اصحاً تعلیمات ہوئے ہیں، ان ارشادات کو ان کی بے اختیار اور بے اقتداری کے ثبوت میں بطور حجت پیش کرتے ہیں۔ پناہ بخدا پناہ بخدا

غیر تقلیدیت | دین کے معاملہ میں جب یہ صورت پیش آئے کہ ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہو اور دوسری طرف

کسی بزرگ کا معمول تو غیرت ایجابی کا یہ تقاضہ ہے کہ سنت رسول پر ہی عمل کرے معیار حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ (فاران ص ۳۸ نومبر ۱۹۵۶ء)

تاریخ | غیر تقلیدیت کا یہی مسلک ہے (وہ تراویح کی نماز کو عذر کی بدعت کہتے ہیں۔ علیکم بسنتی و سنت الخلقاء الراشدین المرسلین)

خلفاء الراشدين سے زیادہ کون مزاج شناس دین ہوگا۔ کون متبع سنت ہوگا؟ صحابہ کبار سے زیادہ سنت رسول کو کیا دیر فاران سمجھ سکتے ہیں؟ الصحابی کا لہجہ کیا بہم اقتل یتم اھتل یتم میں یہ اعلان موجود ہے کہ صحابہ کی اقتدار میں منحصر۔

مسلمان لکھ لیں کہ مدیر فاران کا مسلک کیا ہے نہ وہ منفعی ہے نہ شافعی نہ مالکی نہ حنبلی، نہ خلفائے راشدین کا تتبع نہ اصحاب کبار کا پیرو۔ یہ صرف مودودی صاحب کے اندھے مقلد ہیں ان کے چند فقرے رٹ لئے ہیں انکو اپنی تحریر و تقریر میں بار بار دہراتے رہتے ہیں بغیر مقلدیت کا یہ اعلان بھی بالکل مودودی صاحب کی ہم لڑائی ہے۔ انداز بیان بھی کتنا ملتا جلتا ہے۔ ملاحظہ ہو یہی مضمون مودودی صاحب کی جماعت اسلامی کی انتخابی مہم میں موجود ہے :-

اگر صحابہ کرام یا بزرگان سلف میں سے کسی کا عمل ایک طرف ہو اور اللہ اور اس کے رسول کے صاف صاف احکام دوسری طرف تو ہمارے لئے یہ کسی طرح جائز نہیں ہے۔ کہ خدا اور رسول کے فرمان کو چھوڑ کر کسی بزرگ کے عمل کو اپنے لئے قانون زندگی قرار دیں۔

(ترجمان القرآن ص ۳۲۸)

ماڈرن اسلام آف مودودی کی یہ وہ چند خصوصیات ہیں جو تاریخ اسلام میں انقلابی دعوت کے نام سے پکڑی جائیں گی جہاں ابھیں لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مقطوع النسبت کرنا ہوتا ہے تو اللہ جیوں کے مقابلے میں رسول کو اللہ کے حریف کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں جہاں ان کو بزرگان دین اور صحابہ کبار کی تقیص و توہین کرنا ہوتی ہے تو اس کام کے لئے اللہ اور رسول کا محاذ ایک طرف فرض کرتے ہیں اور اس کے مد مقابل صحابہ کبار اور اہل بیت اللہ کا محاذ فرض کرتے ہیں۔ پھر دونوں میں مقابل بھی نہیں۔ تفارض فرض کرتے ہیں اور پھر

یہ فیصلہ صادر فرماتے ہیں کہ ہم تو اللہ اور رسول کی طرف ہیں اور صحابہ کبار و بزرگان دین کے حزب مخالف ہیں اس طرح وہ دین میں پارٹی پارٹی یا لٹیکس کی شیطانی پالیسی پر عمل پیرا ہیں یہ کہیں اللہ کا اس کے رسولوں سے مقابلہ بتایا جاتا ہے کہیں اللہ رسول کے ارشادات ایک طرف اور صحابہ کبار و بزرگان سلف کا عمل دوسری طرف باور کرایا جاتا ہے۔ صحابہ کرام و بزرگان دین کو اللہ اور رسول کے صاف اور صریح احکام کا نہ صرف مخالف بلکہ حامل کہا جا رہا ہے۔ اس سے بڑی کوئی توہین صحابہ کبار و بزرگان دین کی تصور میں نہیں آسکتی ہے (خدا کی پناہ ہزار بار خدا کی پناہ) اگر ان لوگوں کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو تو صحابہ کبار و بزرگان سلف کے جوتوں کی خاک کو بھی اپنے علم و تحقیق کے سرمہ سے زیادہ بصیرت افزا دیکھیں۔ چہ چاہیں کہ ان کو خدا اور رسول کے صاف و صریح احکام کے خلاف عمل پیرا ہونے کا سمجھیں۔ صحابہ کبار اور بزرگان دین پر خدا اور رسول کی مخالفت کا الزام عائد کرنے سے ہزار درجہ بہتر یہ ہے کہ اپنی بے بصیرتی اور کم علمی کا اعتراف کیا جائے اور اپنی بر خود غلطی و بیعت کو ملزم تسلیم کیا جائے۔ زعمِ اجتہاد کو ذرا نیچا دیکھنے دیا جائے۔

اغناہم اللہ ورسولہ | پھر اغناہم اللہ ورسولہ سے یہ کہاں ثابت ہو رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عطا

فرماتے تھے۔ یا قیامت تک کے لئے تمام انسانوں کو غنا اور آسودگی دینے کا منصب اللہ نے رسول کے سپرد فرمایا ہے (قاران)

تاج | "غنی" اللہ کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پاکؐ کو اپنی صفت غنا میں شریک کیا ہے۔ صرف اس دینا کے پر وے پر ہی

نہیں بلکہ تمام کائنات میں جہاں جہاں بھی اللہ کی صفت غنا کا ظہور ہوا ہے۔ مخلوق کو مال، دولت، آسودگی اور مایحتاج عطا ہوئی ہے۔ اور قیامت تک

عطا ہوگی۔ وہ سب عطیات اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہی منسوب ہوں گے۔
یہ عطیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا فرمانا مدیر فاران کی سمجھ میں
نہیں آتا۔ اسی طرح کفار کی سمجھ میں خدا کا عطا فرمانا بھی نہیں آتا۔ وہ اپنی ذاتی عیب
بہرہ کسب و اکتساب کو اپنی آسودگی اور مال و دولت کی علت سمجھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ماہر صاحب کی توحید میں شرک کی متحمل ہی نہیں ہو سکتا
کہ وہ صفات الہیہ سے رسول کو موصوف سمجھیں مگر اس کا کیا علاج ہے کہ خود ان
تعالیٰ فعل غنا کو صرف اپنی ذات سے مخصوص نہیں فرماتا۔ بلکہ اپنے محبوب رسول
صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی فعل غنا کا قائل ارشاد ہوتا ہے۔ مدیر فاران کی سمجھ میں قرآن
کی یہ صراحت نہیں آتی تو رسول کا نام اس آیت سے حذف کرویں۔ اس طرح
اسلامی انقلاب اور تجدید کے کچھ روشن کار نامے بھی تو ہونے چاہئیں
ان توحید خالص کے مدعیوں کو کون سمجھائے کہ یہ پوری کائنات اور
مساوات لوح و قلم عرش و کرسی شمس و قمر شجر و حجر بحر و خشک و تر جن و بشر جنات
سفر غریبہ تمام مخلوقات کا وجود صدقہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود
باوجود کا آپ اصل عالم و آدم ہیں اگر اصل مفرد ہو تو فروع مفرد ہو جائیں
میں تو سب کچھ ہے۔ آپ نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم | ابن تیمیہ کو رحمتہ اللہ علیہ
اور شیخ اکبر حضرت محی الدین

ابن عربی کے نام مبارک کے ساتھ رحمتہ اللہ علیہ حذف فرما کر مدیر فاران
نے دینی نقائص ادا کیا اور پھر اپنے پیشوا ابن تیمیہ کے عقائد فاسد
کو اپناتے ہوئے اپنا رسول کا ارتکاب زلیخا سے کہا ہے۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے متعلق وہ تکلیف دہ نہایت ہیں

رافیقین نے اپنے رسول کا اہتمام کیا تھا، پھر فاران نے دہرایا۔ اور رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو معرض بحث میں لاتے ہوئے لکھا۔

وحی کے آنے تک حضور شہید اضطراب میں رہتے ہیں۔ ورنہ اتنے
 ناضرب رہنے کی کیا ضرورت تھی حضور ہمت کی افواہ سنتے ہی فرما سکتے
 تھے کہ میں نبی ہوں۔ اور نبی کے سامنے مشرق و مغرب کے احوال و احوال
 نکتہ شاف ہوتے ہیں۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ عائشہؓ اس ہمت سے پاک ہیں۔
 (فاران نومبر ۱۹۵۶ء ص ۳۵)

حضور کو علم غیب تھا یا نہیں اس پر ایک غصہ سے بحث چلی آتی
 ہے۔ بڑی بڑی کتابیں اس موضوع پر لکھی گئیں غیر مقلدین اور وہابیوں کا
 ہی عقیدہ ہے جو ماہر صاحب نے ظاہر کیا ہے۔ دلیل بھی یہی ہمت ہے۔
 ماہر صاحب نے پیش کیا ہے۔

ہم یہاں صحابہ کبار رضی اللہ عنہم جمعین کا طرز عمل بیان کرنے پر اکتفا کرتے
 ہیں۔ قارئین کو اختیار ہے کہ وہ دیر فاران کو قبول کریں یا صحابہ کبار کو مقتدا
 بنائیں۔

صحابہ کبار تمام امور علمیہ میں اکثر یہی عرض کرتے تھے۔ اللہ ورسولہ
 علم۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول آپ سب سے زیادہ جانتے والے ہیں، علم
 غیب کا صیغہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے مگر صحابہ کرام اس صفت سے
 سوا اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی موصوف فرماتے ہیں۔

”حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو میرے لئے اٹھایا تو اس
 اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے۔ سب کو ایسے دیکھ رہا ہوں جیسے
 اپنی اس تفصیلی کو“

اس حدیث کی تفسیح میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد
 عبارت ہے تمام علوم کئی اور جزوی کے حاصل ہونے پر اور ان کو احاطہ فرمائیے
 بہ۔ یہ تفسیح اس حدیث کی ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس کا
 اور زمینوں میں جو کچھ ہے سب میں نے جان لیا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ
 عنہ اور ابوذر اور رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ ذکر ہے کہ زمین و آسمان کے درمیان
 جو پرندہ پر مازن ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حال سے ہمیں خبر دیدی
 یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے ہر شے بیان فرمادی کہیں مفصل کی
 مجمل، امام احمد قسطلانی "مواہب" میں فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی شک
 نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو اس سے زیادہ اطلاع بخشی اور حضور
 پر اولین و آخرین کے علوم منکشف فرمائے۔

امام بو صیری اور امام ابن حجر مکی بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام قاضی علاء
 قاری، علامہ منادی نے "شہسوار" شرح جامع صغیر امام سیوطی میں فرمایا
 ہے کہ جب پاک روحیں جسمانی تعلقات سے آزاد ہوتی ہیں تو عالم بالا سے
 مل جاتی ہیں تو ان کے لئے کوئی پردہ نہیں رہتا۔ وہ سب کچھ ایسا دیکھتی اور
 سنتی ہیں جیسا کہ سامنے سب کچھ ہو رہا ہے۔

ابن حجر مکی نے "مدخل" اور امام قسطلانی نے "مواہب" میں
 فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات و وفات میں کچھ فرق نہیں۔ حضور
 امت کو دیکھ رہے ہیں۔ ان کی حالتوں، نیتوں، احوال اور اول کے
 خطروں کو پہچانتے ہیں اور یہ سب حضور پر بالکل روشن ہے۔ کوئی پوشیدہ
 نہیں،

قرآن میں ہے ان اس سلسلک مشاہداً و مبشر

یعنی اسے نبیؐ نے ہم نے ہمیں حاضر و ناظر بنا کر بھیجا ہے۔

کتاب شفاء میں علامہ عیاض نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ جب خالی گھروں میں جاو جن میں کوئی نہ ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرو۔ علامہ علی قاری جو مشہور محدث ہیں۔ اس کی تشریح میں سلام پیش کرنے کی وجہ یہ لکھتے ہیں کہ آپ کی روح پاک تمام مسلمانوں کے گھروں میں تشریف فرما ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوت میں فرماتے ہیں کہ دنیا میں آدم سے لے کر صور پھونکنے تک جو کچھ ہے سب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ پر ظاہر کر دیا۔ یہاں تک کہ اول سے آخر تک تمام احوال آپ نے جان لئے آپ تمام اشیا کو جانتے ہیں۔ صفات الہیہ، افعال الہیہ اور اسرار الہیہ کا اور تمام علوم ظاہر، باطن، اول و آخر کا آپ نے احاطہ فرمایا۔ اور ہر علم والے سے اوپر علم والے ہو گئے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی "فیوض الحرمین" میں فرماتے ہیں۔
"مجھ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی سے اس کا فیضان ہوا کہ بندہ کس طرح اپنے مقام سے مقامِ قدس تک ترقی کرتا ہے اور ہر چیز اس پر روشن ہو جاتی ہے، جیسا کہ معراج کے واقعے سے آپ نے اس کی خبر دی۔"

آپ نے ملاحظہ کیا کہ حضورؐ اپنے غلاموں کو بھی ایسے علوم سے نوازتے ہیں جس سے سب کچھ روشن ہو جاتا ہے۔ چہ جائیکہ وہاں یہ خود حضورؐ کے علم میں شہد کرتے ہیں لَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الذَّلٰلِیۡتِ۔

صورتِ آدمؑ قدرت کا شاہکار ہے فطرت کا ایک نقشِ جمیل ہے۔ صفاتِ خلافتی کا بہترین نمونہ اور تخلیقی کارنامہ ہی نہیں بلکہ جلتی جاگتی سنہ بولتی تصویر ہے۔ شاہِ غیب نے اس قدر آدمؑ آئینہ میں اپنے آپ کو دیکھا

کھل کر دیکھا۔ سامنے آکر بے حجاب ہو کر دیکھا یہ دیکھا کہ وہی دیکھ رہا ہے اور وہی دیکھا جا رہا ہے۔ وہی شاہد ہے۔ وہی شہود ہے۔ جہاں و جہاں کماں کی جو صورت تصویرِ علم ازلی میں کھینچی ہوئی تھی۔ غیب کے خزانوں میں چھپی ہوئی تھی۔ خاک پر اس کا خاکہ بنا یا گیا۔ نوری مخلوق سے کہا گیا۔ میں نزل کو روں کر لو ازنا چاہتا ہوں۔ پس تو بندگی سے ہم و دش ہم آغوش کرنا چاہتا ہوں۔ زمین پر اپنا جانشین قائم مقام نمائندہ بنا کر بھیجنا چاہتا ہوں اس کو دیکھ کر دش والے عرش والے کو جان جائیں۔ اس کو دیکھ کر میں یاد آؤں۔ اس کو جاننے سے میں جانا جاؤں۔ اس کو پہچانتے سے میں پہچانا جاؤں۔ فرشتوں کے سامنے آدم کا نقش نا تمام تھا۔

بلایک متبیر ہوئے کہ پیکرِ خاکی منظرِ پاکی کس طرح ہو گا؟ خاک تیرہ آئینہ الازکیون کر ہو گی، کثافت کو لطافت سے کیا واسطہ؟ عنیف کو قوی سے کیا نسبت؟ بندہ خدا کا نمائندہ کس طرح ہو سکتا ہے، کمزور انسان وہ بار امانت کس طرح اٹھائے گا؟ جس کو زمین و آسمان زسہار کے فرشتوں نے علم کے سامنے علم پیش کیا۔ انسانی کمزوریاں بیان کیں۔ اسی پر بس ہمیں کیا۔ اپنے تقدیس کے دعویٰ کو بڑھایا۔ بارگاہِ الہی سے فرشتوں کی تادیب ہوئی۔ مقامِ آدم، کا علم تم کو نہیں ہم کو ہے۔ شرفِ انسانی کو تم نہیں جانتے ہم جانتے ہیں۔ ہمارے علمی خزانے میں کیا کیا صورتیں ہیں۔ کیا تم بتا سکتے ہو؟ فرشتوں نے لاطمی کا اعتراف کیا۔ وجہ ظاہر ہے کہ ملائکہ کی فطرت بعض اسمائے الہیہ کی منظر ہے مثلاً سبوتِ قدوس اس لئے وہ خدا کی تقدیس و تسبیح ان ہی ناموں سے کرتے بھی اور اپنی ناموں کو جانتے بھی تھے۔ مگر آدم کی طرف تمام اسمائے الہیہ منو تہ تھے اس لئے اس کی فطرت تمام اسمائے الہیہ کی منظر واقع ہوئی تھی

اور اس طرح وہ تمام اسمائے الہیہ کا عالم تھا۔ آدم کے اس شرف پر فرشتے
سرسجود ہوئے۔ اس سجدہ میں تعجیل حکم بھی تھا۔ اور اعترافِ برتہ بھی۔
مگر ابلیس نے سر تسلیم خم نہ کیا، جھکنے کے بجائے سرکشی اختیار کی۔ شرفِ انسانی
کے رد و قبول کا یہ سلسلہ آدم سے تا ایندم بدستور جاری رہا۔ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کے دیکھنے والوں میں بھی ملائکہ اور شیاطین کی امتیازی خصوصیت
نمایاں ہے۔

ہر کہ او در دے پہ پود نداشت

دیدن روئے نبی سودے نداشت

دید بوجہل و پیمبر را بگفت

زشت نقتی کز نبی ہاشم گفت

(۱) مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ شقی ازلی ہیں ان پر فلاح
و پہبود کے دروازے بند ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

کو دیکھ کر بھی فیضیاب ہونے سے محروم ہی ہے (۲) ابو جہل نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو دیکھ کر یہ کہا کہ نبی ہاشم میں آپ سے زیادہ کوئی بد صورت نہیں ہو
سکتا (سعاذ اللہ) یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ ایک روز حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کی خدمت میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ اور آپ کے
روئے مبارک کو دیکھ کر آپ کے جمالِ حق کا کی تعریف کی اپنے فرمایا کہ ابو بکر صدیق تم سچ
کہتے ہو۔ اس کے بعد ابو جہل حاضر ہوا اور آپ کو بد صورتی کا طعنہ دیا تو اس کے
جواب میں بھی آپ نے صدقت فرمایا۔ یعنی اسے ابو جہل! تم سچ کہتے ہو۔
سوال پیدا ہوا کہ صدیق کی بھی آپ نے تصدیق فرمائی۔ اس کا جواب آپ نے حضرت
نے کیا دیا مولانا سے سنئے۔

ترک و ہندو من اس بیند کہ امر سننا

گفت من آئینہ ام مصقول دو سننا

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اللہ نے اربعین بنا یا ہے دیکھنے
 والا اپنی ہی صورت مجھ میں دیکھتا ہے۔ ابو بکرؓ نے اپنے حسن و جمال کا خط و
 خال کا میرے اربعین میں مشابہہ کیا اور ابو جہل نے اپنے پھونڈے ناک لٹکتے
 اور گھناؤلی صورت کا اس ہی اربعین میں معاہدہ کیا۔ وہ لوگ لڑتے اپنے آپ
 ہی کو دیکھا۔

نظر اپنی اپنی نقیب اپنا اپنا

اولیاء اللہ اور اعداء اللہ

اُمّتِ محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتسلیم من مصائب ہیں
گرفتار رہے ان مصیبتوں میں سب سے بڑی مصیبت وہ ہے جو اسلام کے
نام پر مسلمانوں پر طرح طرح سے مسلط ہے۔

مشہور ہے کہ ابلیس بڑا عبادت گزار تھا، روئے زمین کا کوئی چپہ
نہ تھا جہاں اس نے سجدہ نہ کیا ہو مگر جب حکم دیا گیا کہ آدم کو سجدہ کیا جائے
تو اس حکم کے مقابلہ میں اس نے انکار کر دیا وہ لاتعداد سجدے اُکارت گئے
عبادتیں رائیگاں ہوئیں، کثرتِ عبادت اور کثرتِ سجدہ کا تقاضا تو یہ تھا کہ نفس
میں تنزل و انکسار، عجز و نیاز پیدا ہو۔ مگر ہوا یہ کہ فطرتِ ابلیسی میں غرور
و پندار، اناہیت و رعونیت، صالحیت و برتریت کے چراشم پرورش پائے رہے
یہاں تک کہ بارگاہِ ربّ العزت میں انکار و استکبار کے ساتھ انا خیر منہ
کہا، اپنی برتری کے دعوے کو بڑھایا۔ خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَ خَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ
احتجاجاً کہا کہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے۔ میں روشن ہوں
وہ تاریک ہے۔ یہی مکابره آدم سے تا اب دم ہر دور میں ہوتا آیا ہے۔ حق و باطل
کا وہ دور کہ جو آدم و ابلیس سے شروع ہو کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو جہل پر ختم
ہوا، انا قیامت جاری رہے گا۔

حضرت آدم کا ابلیس دشمن تھا، نوح کی قوم نوح دشمن تھی حضرت داؤد

کے زمانہ میں جالوت کا طاقتور دشمن تھا حضرت سلیمان کا صخرہ دشمن تھا حضرت موسیٰ کا فرعون دشمن تھا حضرت عیسیٰ کا بخت نصر دشمن تھا حضرت ابراہیمؑ کے مقابلہ میں نرود تھا حضرت ختم المرسلین کے مقابلہ میں ابولہب تھا۔

حضرت ابوبکر و عمر عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے دشمنان موجود ہیں حضرت عید بن عمر کا ایک دشمن تھا جب آپ پاس سے نکلتے تو وہ گھوکتا۔ عبد اللہ ابن عمر کو درانی منافق کہنے والے لوگ موجود تھے۔

حضرت ابن عباس کا دشمن نافع بن اریق تھا، ہمیشہ آپ کا مذاق اڑاتا تھا کہ آپ بخر جانے بوجھے قرآن کی تفسیر فرماتے ہیں۔
حضرت سعید بن وقاص کو اکثر جہالی کو ذلتا کرتے تھے حالانکہ آپ عشرہ
میشرہ میں سے تھے لیکن حضرت عمر سے شکایت کی کہ آپ اچھی طرح قرآن مجید
پہیں پڑھتے ہیں۔

انکو مجتہدین کے مصائب بھی پوشیدہ نہیں۔

حضرت امام ابو حنیفہ کے ساتھ کیا سلوک ہوا؟ حضرت امام شافعیؒ کو
اہل عراق و مصر نے کیا کیا اذیتیں پہنچائیں؟ حضرت امام حنبلیؒ کو ستایا گیا۔
ایذا دہی و تشدد وغیرہ کے دلخراش واقعات کسے معلوم نہیں؟ امام بخاری
کو لوگوں نے کتنی ایذائیں پہنچائیں۔ ابو عبد الرحمن سلمیٰ، احمد بن حنبلہ اور شیخ
عبد الغفار قوسی وغیرہ سقات کا بیان ہے کہ حضرت بائزید بسطامیؒ کو سترہ بار
بسٹام سے بکھلوا یا گیا۔ اس میں کچھنا سمجھنے والوں کا ہاتھ تھا۔

حضرت ذوالنون مصریؒ کو گھڑ پاؤں باندھ کر مصر کے گلی کوچوں میں آپ
کا جلوس نکالا گیا۔ زندیق زندیق کہتے ہوئے لوگوں کے جتھے آپ کے پیچھے

پیچھے چلے جاتے تھے، اظہار وحدت الوجود کے آپ مایم تھے۔
 حضرت سمعون محب تستری ایسے بزرگ کو لوگوں نے بدنام کیا، ایک عورت
 کو روپیہ دے کر لوگوں نے آپ کی بدنامی پر آمادہ کیا، آپ اس وجہ سے سال بھر لوگوں
 کی نظروں سے اوجھل رہے۔ حضرت سہیل بن عبد اللہ تستری کو لوگوں نے
 خارج البلد کیا، آپ اپنے شہر سے بصرہ میں نکال دیے گئے، امامت اور پزیرگی
 کے باوجود ان کو لوگوں نے کافر بتایا، یہاں تک کہ آپ اپنے گھر واپس نہ آئے بصرہ
 ہی میں رہے اور بصرہ ہی میں انتقال ہوا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو بڑے بڑے گناہوں سے مطلع کیا گیا
 چند الفاظ کی وجہ سے جو ان کی کتابوں میں پائے گئے تھے آپ پر کفر کا فتویٰ
 دیا گیا۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ پر لوگوں نے اکثر کفر کی گواہی دی۔
 جب وہ علم توحید بیان فرماتے تھے تو آپ کی تکفیر کو لوگ "دین" سمجھتے تھے
 یہاں تک کہ آپ نے مجبور ہو کر گھر کے تنگ و تاریک گوشہ میں قیام فرمایا۔
 اور وہاں اسرار توحید بیان فرمائے لگے اور اسی حالت میں آپ کا انتقال
 ہوا۔ حضرت جنید، رویم، سمعون، ابن عطار اور مشائخ عراق کا ابن دانیان
 سخت دشمن تھے یہ ان لوگوں پر بڑے بڑے بہتان باندھتا تھا، کہتے تھے کہ
 انہوں نے اور جب کبھی ان مشائخ کبار کا وہ ذکر سنتا تھا تو اس کا ہرہ غصہ سے سرخ
 ہو جاتا تھا۔

حضرت محمد بن الفضل بلخی کو لوگوں نے بلخ سے نکال دیا، ان کا مذہب اہلحدیث
 کا تھا وہ آیات صفات اور اخبار الہی کو بلا تاویل ظاہر معنی پر حمل کرتے تھے اور
 جو معنی اس کے علم الہی میں یوں اس پر ایمان رکھتے تھے۔

جب لوگوں نے ان کو شہر بدر کرنا چاہا تو فرمایا کہ تم حیب تک میرے گلے میں رسی باندھ کر شہر میں نہ پھراؤ گے اور یہ اعلان نہ کرو گے کہ یہ بدعتی ہے اس کو ہم شہر بدر کرتے ہیں۔ اس وقت تک میں شہر سے نہ نکلوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جب بازاروں میں آپ کو ذلت و رسوائی کی حالت میں آپ کا جلوہ نکالا جا رہا تھا، آپ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا، اے اہل بلخ! اللہ نے تمہارے دلوں سے اپنی معرفت نکال لی۔ بلخ کسی زمانہ میں صوفیوں کا مسکن تھا اور وہ سب یہی کہتے تھے جو میں کہتا ہوں ان میں سے کوئی بھی نکالا گیا مگر میں آج نکالا جا رہا ہوں۔

حضرت ابو عثمان مغربی کو مکہ معظمہ سے لوگوں نے نکال دیا، حالانکہ وہ بڑے مجاہد بڑے عالم اور صاحب حال بزرگ تھے، آپ کی پشت پر تار پانے تمارے گئے۔ اونٹ پر بٹھلا کر شہر بدر کی گئی اور مکہ معظمہ سے نکال دیا گیا، نواد آکر رہے اور وہیں وصال ہوا۔

امام ابو بکر نابلسی کے فضل و کمال اور استقامت فی الدین کا شہرہ ملک مغرب سے مصر تک تھا، آپ کو زندقہ کہہ کر بدنام کیا گیا۔ بادشاہ سے کہہ کر آپ کو الماٹانگ دیا گیا اور کھال کھنچوائی گئی۔ جس وقت کھال کھنچی جا رہی تھی تو یہ خشوع و خضوع سے تدبیر و تفکر کے ساتھ تلاوت قرآن فرماتے جا رہے تھے قریب تھا کہ اس صدمہ سے لوگوں کے قلوب پاش پاش ہو جائیں اور خلیق میں ہنگامہ برپا ہو جائے۔

اسی طرح شیخ نسیمی کی کھال کھنچوائی گئی اس وقت آپ توحید کے اشعار پڑھ رہے تھے، عین اسی حالت میں آپ نے پانچ سو اشعار بحسبہ تصنیف کئے اور پوست کھینچنے والے کو دیکھ دیکھ کر مسکراتے رہے۔

حضرت ابو مدین کو بھی لوگوں نے بدنام کیا۔ زندیق کہا۔ شہر بدر کیا۔
 آپ کو قہستان بھیجا گیا۔ وہاں انتقال کیا۔
 شیخ ابوالحسن کو لوگوں نے ملک مغرب سے مصر میں نکال دیا اور سب
 نے بالاتفاق ان کے زندیق ہونے پر گواہی دی۔ مگر اللہ نے ان کو بچایا۔
 عزالدین بن عبدالسلام کو سب لوگوں نے کافر کہا اور بادشاہ وقت کو انکی
 مخالفت پر آمادہ کیا۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ پر لوگوں نے کفر کی گواہی دی اور پاگل خانہ
 میں آپ کو بھیجا گیا۔ تاکہ لوگ آپ سے نہ ملیں۔
 ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
 چراغِ مصطفوی سے شرارِ بوہی

مدتے معکوس باشد کار ہا	شحنہ را وزد آورد بردار ہا
چون سفیہان را بود کار و کیا	لازم آمد یقتلون الانبیاء
چونکہ حکم اندر کت زندان بود	لاجرم ذوالنون در زندان بود
چوں قلم در دست خدا ہے بود	لاجرم منصور بردارے بود

اس دور میں بداعتقادوں کا حضرت بابا تاج الدین ناگپوری حضرت
 قطب عالم شاہ صوفی عبدالرحمن لکنوی سے یہی معاملہ ہو تو کیا تعجب ہے۔

فقہہ جدید

سناچھے میں ڈھالنے کی اصطلاح آج کل زوروں پر ہے۔ غیر مسلم مفکرین اس فکر میں ہیں کہ مسلمانانِ عالم کی زندگی کو کس طرح موجودہ حالات کے سناچھے میں ڈھالنا جائے۔ اسی طرح مسلم مفکرین اس دھن میں لگے ہوئے ہیں کہ زمانہ اسلام کے سناچھے میں ڈھلنے کو آمادہ نہیں ہے تو آئیے اس مقام ہی کو موجودہ زمانے کے سناچھے میں ڈھال دیں تو بازمانہ بسا ز۔ کے نزدیک اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے ابنائے زمانہ اسلام پر اس دور کس پر سی میں طرح طرح سے احسان فرمایا ہے۔ تاکہ اسلام کو مزاج شناس زمانہ ہونے کی توفیق حاصل ہو۔

ہوئے کس درجہ فقہانِ حرم بے توفیق؟

آج کسی غیر مسلم کو یہ جرأت نہیں ہو سکتی کہ داتا گنج بخش، عزیب نواز، نوٹ اعظم، علی متکلیشا ایسے بزرگانِ دین کی شان میں گستاخی کرے یا توہینِ امیر مضمون شائع کرے۔ دنیا میں جب کبھی ایسا ہوا ہے مسلمانوں نے پر جوش احتجاج کیا اور اس قدم کا گستاخانہ ٹیڑھ چر دیا بردہ ہو کر رہا مگر پاکستان میں خود مسلمان اس خدمت کو کاہنہ چھو کر انجام دے رہے ہیں اور کسی کے کان پر جوں تک نہیں رنگتی۔

مودودی صاحب کی "تفہیم القرآن" کا اس سلسلے میں نام بیجا جاتا ہے اور ان کے لٹریچر میں آپ کو وہ سب چیزیں مل سکتی ہیں جو غیر مسلم کی طرف اگر لٹریچر میں تو ان کو مسلمان جلا کر مانیں مگر چونکہ یہ سب کام اسلام کو موجودہ زمانہ کے مطابق

ماننے کے نام سے ہو رہا ہے، اس لئے غریب مسلمان اسلام کی شکست
در سخت کا خاموشی سے تماشا دیکھ رہے ہیں۔

انکارِ حدیث کی مہم بھی مودودیت سے دو قدم آگے ہی ہے اسکا لہذا ^{العین}
بھی یہی ہے کہ اسلام کو ماورن آپ ٹوڈیٹ لباس میں لا کر حکومت کی کرسیوں پر
بٹھایا جائے، تفسیر، فقہ، حدیث، اقوال و اثرات کے جھبیلوں میں مسلمان کیوں
بڑھیں، قرآن کافی ہے، مگر قرآن کافی ہونے کے کیا معنی ہیں؟ یہ ان لوگوں سے
پوچھئے جو خود کو اہل قرآن کہتے ہیں۔ وہ آپ کو بتائیں گے کہ قرآن کا مطلب جو اگلے
زمانے کے مسلمانوں نے سمجھا وہ غلط تھا۔ آج کل کا ترقی یافتہ دماغ قرآن کو ان سے
بہتر سمجھتا ہے۔ شراب کی حرمت قرآن سے ثابت نہیں، پانچ وقتوں کی نماز قرآن
سے ثابت نہیں۔ نماز کی عام اجتماعی صورتیں قرآن سے ثابت نہیں، اور اسی قسم
کے بیشمار حقائق قرآنی آپ پر پیش کئے جائیں گے۔

آخر یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ صرف اس لئے کہ موجودہ زمانے میں شراب نوشی
فیشن بن چکی ہے۔ شراب ممنوع قرار دینے سے ہماری روشن خیالی، ترقی پسندی،
پر حرف آئے گا، اور ہم ترقی یافتہ اقوام یورپ امریکہ وغیرہ کی نظر میں قدامت پسند
رحبت پسند ثابت ہو جائیں گے۔ اس طرح ہم دو طرفہ مصیبت میں گھرے ہوئے
ہیں، ایک طرف ہم غیر مسلم ممالک و اقوام کی نظر میں خود کو مسلمان کہتے ہوئے ٹھہراتے
ہیں، دوسری طرف پاکستانی مسلمانوں کے سامنے خود کو مسلمان کہتے ہوئے ہمیں
شرم نہیں آتی، اسلئے شراب نوشی (ترک نماز وغیرہ کے جرائم جو ہماری عادت بن چکے
ہیں اور جن کو عام مسلمان آج تک جرائم ہی سمجھتے ہیں) ان کو جرائم ہی کی فہرست
سے خارج کر دیاجائے، تو مسلم، غیر مسلم کے امتیازات ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ مسلمانوں
کے پاس جو فہرست جرائم ہے وہ ناقابلِ ترمیم ہے۔ مگر اس کا ناقابلِ ترمیم ہونا

جن احکام الہی سے ثابت ہوتا ہے ان احکام کا مجہد قرآن ہے اس لئے قرآن بدل نہیں جاسکتا۔ بدلا جاسکتا ہے تو اس طرح کہ اس کی تعبیر اجماع امت کے حوالہ کی جائے چنانچہ نسخ قرآن کی یہ ہم بڑے زوروں سے جاری ہے۔ یہ ساری کوشش اتنی مقبول ہے کہ اسلام کو سائیکے میں ڈھالنے والوں کا جو پور ڈ حکومت نے بنایا ہے اس میں پرویز کا نام ہے۔ علماء و اسلام احتجاج پر احتجاج کر رہے ہیں۔ شتوائی نہیں ہوتی، اس منزل میں لوگوں کا یہ گمان کہ پرویزی تحریک حکومت کے زیر سایہ پروان چڑھ رہی ہے کیا یقین سے نہیں بدل جائے گا۔

مودوبیت اور پرویزیت کے بعد ایک مہین اور سنجیدہ ادارہ ثقافت لاہور بھی تجدیدی فرائض انجام دیر رہا ہے۔ یہ ادارہ پرانی فقہ کو نئے زمانے کی ضروریات کے مطابق نہ پا کر دور جدید کے لئے جدید فقہ کی تدوین کا محرک ہے، بلکہ جدید فقہ کس طرح مرتب ہوتی ہے، اس کی داغ بیل ڈال کر دکھارے گا۔ مثلاً شمارہ مارچ ۱۹۵۸ء میں ادارہ ثقافت لاہور نے دو اہم مسائل پر فقہی انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ پہلا مسئلہ سود کے متعلق ہے دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کسی غیر مسلم کو اسلامی ملکیت میں کوئی کلیدی منصب سونپا جاسکتا ہے یا نہیں؟

پہلے مسئلے میں کوشش کی گئی ہے کہ سود کی حرمت جو مسلمانوں کے دین میں قطعی طور پر ثابت ہے، وہ قطعی نہ ہے، مزید یہ ہو جائے، تجارتی و کاروباری سود کو حرمت کے دائرہ سے نکالنے کی جدوجہد بڑے سلیقے سے کی گئی ہے۔ دوسرے مسئلے میں قرآنی آیات سے پہلے تو یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ اس پر کی رو سے کسی غیر مسلم کو اپنا راز دار بنانا ممنوع ہے (۳-۱۱۸) پھر کہا گیا کہ ہجرت کے سلسلے میں حضرت عباس بن عبدالمطلب نے ایمان لانے سے

پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے راز کی حفاظت کی۔ عبداللہ ابن
 ابیطہ جہ مشرک تھا اس کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا راز دار
 بنایا کہ فلاں دن غار ثور کے پاس سواریاں لے کر آجانا۔
 ان مثالوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ غیر مسلم کو
 راز دار بنایا جاسکتا ہے۔

پھر دو مثالیں دی گئی ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ ایک بدری صحابی حاطب
 ابن بلتعہ نے وہ راز فاش کر دیا جو مکے میں خفیہ داخلہ کے متعلق ان کے علم میں تھا۔
 دوسری مثال یہ پیش کی گئی ہے کہ بنی قریظہ کے متعلق جو فیصلہ ہوئے والا
 تھا وہ حاطب ابن بلتعہ کے دل میں راز نہ رہ سکا۔

ان مثالوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ راز داری کا
 معاملہ ایسا ہے کہ بہت سے مسلمان راز اگل دیتے ہیں اور بعض غیر مسلم راز داری
 کا حق ادا کرتے ہیں۔

پھر نتیجہ نکالا گیا ہے کہ :-

پس جب اہل اسلام میں ایسے افراد ہو سکتے ہیں جن سے بعض راز
 فاش ہو جائیں تو اہل کفر میں بھی ایسے لوگوں کا ملنا ممکن ہے جو راز داری
 میں وفادار ثابت ہوں۔

آخر میں پھر فیصلہ دیا گیا ہے

اکہ قابل اعتبار غیر مسلم کو اسلامی مملکت میں کوئی اہم منصب بھی

سورنایا جاسکتا ہے۔

کچھ شراہٹ دیا گیا ہے، مثلاً تجزیہ، فرائض، فراست مومنہ جن سے قابل

اعتماد ہونا مستحسن ہوتا ہے۔

ارادۃً بالتفاؤل و مثالیں ایسی دی گئی ہیں جن میں غیر مسلموں نے راز کی حفاظت کی ہے۔

اسی طرح دو مثالیں ایسی دی گئی ہیں جن میں مسلمانوں نے راز کی حفاظت نہ ہو سکی۔ پھر امکان کے لئے بحث کر کے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے۔

ممکن ہے کہ بہت سے مسلمان راز کو اگل دیں۔

ممکن ہے کہ بعض غیر مسلم راز داری کا حق ادا کر دیں۔

حالانکہ ممکن ہمیشہ دونوں متضاد جہات پر مشتمل ہوتا ہے، اس لئے جہاں

ممکن ہے کہ بہت سے مسلمان راز کو اگل دیں وہاں یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی مسلمان

بھی راز کو نہ اگلے اور جہاں یہ ممکن ہے کہ بعض غیر مسلم راز داری کا حق ادا کر دیں

وہاں یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی غیر مسلم راز داری کا حق ادا نہ کرے۔ امکان کی دونوں

جہات عقل کے نزدیک مساوی ہیں کسی جہت کو بھی ترجیح دینے کی عقل کے

پاس کوئی وجہ موجود نہیں ہے۔ مگر حیب وحی الہی سے واضح ہو گیا کہ کسی غیر مسلم کو

راز دار نہ بناؤ تو عقل کے نزدیک جو امکان کی دونوں جہات میں مساوات تھی

وہ قائم نہ رہی۔ وجہ ترجیح حاصل ہو گئی

تجربے سے کہ وحی کو چھوڑ کر تجربات، قرآن اور فراست مومنین کے چھیلوں

میں پڑنے کا مشورہ دیا جا رہا ہے۔

تجربات ہر شخص کے مختلف ہو سکتے ہیں۔ ایک ہی شخص کسی کے تجربے

میں اچھا کسی کے تجربے میں بُرا ثابت ہو سکتا ہے وہ حالات جن میں تجربہ ثابت

ہو گیا۔ سبب لیتے رہتے ہیں حالات کے ساتھ خیالات بدلتے رہتے ہیں، امکان

کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔

قرآن بھی عقل انسانی کی اصابت و عدم اصابت سے غلط اور صحیح زائید

رکھتے ہیں، عدلت سے جو معلول کا علم آتا ہے آثار سے جو مؤثر کا علم آتا ہے، اسباب سے جو مسبب کا علم آتا ہے وہ محتمل صدق و کذب ہوتا ہے۔

فراست مومنینا۔ فراست مومنینہ کی صورت کشف ہے، الہام ہے۔ یہ صاحب کشف و الہام کے لئے حجت ہے دوسروں کے لئے حجت نہیں۔ کیونکہ اسکو وحی کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ وجہ ظاہر ہے کہ کشف و الہام بعض اوقات غلط بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ولی کے لئے عصمت شرط ہے۔

پھر جب ہم دیکھتے ہیں کہ صحابیوں سے پیش کردہ مثالوں میں حفظ راز نہ ہو سکا تو قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان کو راز دار بنانے میں فراست مومنینہ کا رفرما تھی؟ یا افشائے راز میں فراست مومنینہ کا فقدان تھا؟ جب قرون اولیٰ میں فراست مومنینہ کی مثالیں اس قسم کی ملتی ہیں تو آپ اس زمانہ میں فراست مومنینہ سے کیا توقع رکھتے ہیں۔

آخر یہ دردمومول ہی کیوں لیا جاتا ہے کہ صاف و صریح ارشاد خداوندی کی موجودگی میں ہم تجربات قرآن اور فراست کے احکام بجا لائیں، حکم الہی مارینے میں وارد ہوا ہے۔ ہجرت کے واقعات مکی زندگی سے متعلق ہیں اسلئے حکم اور عمل میں تضاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر یہ جزئی اور وقتی نوعیت کے معاملات ہیں۔ ان سے کلی اور دائمی حکم منسوخ یا مجروح نہیں کہا جاسکتا۔ اگر ان روایات سے حکم الہی کو منسوخ کرنا مقصود نہیں ہے تو پھر اس کے یہ معنی نہیں کہ حکم الہی سرانکھوں پر مگر بندہ کرے گا وہی جو سمجھیں آئینگار۔ چنانچہ یہی ہوا کہ قرآن کی آیت جوں کی توں موجود رکھی رہی اور یہ فیصلہ بھی صادر ہو گیا کہ اس قابل اعتماد و غیر مسلم کو اسلامی مملکت میں کوئی اہم منصب

سو پناہ جاسکتا ہے، حالانکہ غیر مسلم کو "قابل اعتماد" یا رازدار بنانے سے خدا نے
 مسلمانوں کو منع کیا ہے، مگر جبکہ خدا کے ہندو مسلم حکومت بنانا چاہیں اور
 اس کی ستر قرآن سے پیش کرنے کی آرزو رکھتے ہوں تو روایات پیش کرنے کے
 بجائے ادارہ نفاذ کو مخلوط حکومت کی تائید میں یہ آیت قرآنی پیش کرنا سچی
 تَوَلَّيْجُ اللَّيْلِ فِي النَّهَارِ وَتَوَلَّيْجُ النَّهَارِ فِي اللَّيْلِ۔
 رات میں دن کا، دن میں رات کا تواج۔ نور و ظلمت کفر و اسلام
 کا تواج اللہ تعالیٰ کے روزمرہ میں داخل ہے۔

غیر اللہ کیا ہے ؟

”غیر اللہ“ کے معنی سمجھنے میں علماء ظاہر سے خطرناک اور فاحش غلطیاں ہوئی ہیں
 اس غلط فہمی کے نتائج اُمتِ مسلمہ کی فرقہ بندیوں اور جماعت ساز یوں کی صورت
 میں ہمارے سامنے ہیں، دوسری طرف علماء ظاہر کا پیش کیا ہوا اسلام چند ہیجان اور
 کھوکھلے عقائد اور رسوم کا مجموعہ ہو کر رہ گیا ہے، جس میں کوئی روح نہیں پائی جاتی۔
 علماء ظاہر کے نزدیک موجودات کی تمام اقسام جمادات، نباتات، حیوانات اور
 ان کے پیشواں مظاہر سب ”غیر اللہ“ کے حکم میں داخل ہیں۔ عرش، فرش، زمین، آسمان اور
 جو کچھ ان میں ہے وہ سب ”غیر اللہ“ ہے۔ باعتبار تشریح یہ عقیدہ اپنی جگہ پر بالکل درست
 ہے کہ خدا جہات، سمات، شکل و صورت، جسم و حیثیت سے پاک ہے، مگر نیک نیتی
 کے ساتھ وہ یہ یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کو تشریح میں محدود کر رہے ہیں اور یہ بالکل اسی
 قسم کا جرم ہے جو ہندوستان کے پنڈتوں سے سرزد ہوا ہے۔ فرقہ صرف یہ ہے
 کہ پنڈتوں نے خدا کو تشبیہ میں منحصر کیا تھا اور علماء نے خدا کو تشریح میں منحصر کر دیا
 ہے۔ لا محدود کو محدود سمجھنا مطلق کو مقید اعتقاد کرنا، یہی کفر و شرک ہے۔ خواہ حدود
 تشریح میں مقید کیا جائے، یا حدود تشبیہ میں مقید کیا جائے۔ خدا کو محدود کرنے
 میں پنڈت اور علماء دونوں برابر ہیں۔

کتاب و سنت میں دونوں گروہوں کے اعتقادات سے بیزارگی کا اعلان صریح
 موجود ہے۔ ہم عام فہم انداز میں اس دقیق مسئلہ کو اس طرح دقیق بیان کر سکتے ہیں

کہ تشریح اور تشبیہ دونوں کسی حالت میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتی تشریح
 عین تشبیہ ہے اور تشبیہ میں تشریح ہے۔ ہاں اسے اس قول کی تائید میں آیا اس
 آیت مبارکہ کی تلاوت کریں لیس کَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ۔ کوئی
 چیز اس کی مثل نہیں اپنی تشریح سے اور وہ سَمِيعٌ وَبَصِيرٌ ہے یہ تشبیہ کا
 بیان ہے۔ شیخ البرہانی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

اللہ کے بندوں کے لئے مشابہہ میں صرف دو ہی نسبتیں ہیں (۱) تشریح

۲) تشبیہ۔

تشریح۔ تشریح کیا ہے؟۔ یہ حق کی وہ تجلی ہے جو لیس کَمِثْلِهِ شَيْءٌ کے
 انداز میں ظاہر ہے جس کی کوئی مثال کسی شے سے نہیں دی جا سکتی۔

تشبیہ۔ دوسری نسبت تشبیہ اس تجلی کو کہتے ہیں جو ان اقوال سے ثابت ہے
 (۱) اَعْبُدْ رَبَّكَ كَمَا تَرَاهُ

اپنے رب کی اس طرح عبادت کر جیسے کہ
 تو اس کو دیکھ رہا ہے۔

اللہ کا رُوحی کے قبضہ میں ہے۔

(۲) وَهُوَ فِي قَبْلِةِ الْمُصَلِّي

(۳) اَيُّهَا تَوَلَّوْا نَمَّ وَجْهَهُ اللّٰهُ

تم جب بھر بھی منہ کرتے ہو اللہ کا چہرہ ہے۔

”نَمَّ“ طرف ہے اور ”وَجْهَهُ اللّٰهُ“ (اللہ کا چہرہ) اللہ کی ذات ہے)

ان آیات اور احادیث مبارکہ میں جو الفاظ وارد ہوئے ہیں، ان کا اطلاق اپنی معنوں
 کے ساتھ محاورات پر ہوتا ہے اور خالق پر بھی ہوتا ہے۔ مواقع کلام میں ان
 الفاظ کا اطلاق اپنے معنوں کے ساتھ نہ ہو سکتا، تو پھر سننے والوں کو ان الفاظ
 کے سننے سے کیا فائدہ ہوتا؟ جبکہ وہ یہ نہ معلوم کر سکتے ہوں کہ ان الفاظ سے نہ جانے
 اللہ کی کیا مراد ہے؟ اللہ تعالیٰ نے تو کوئی تشریح نہیں فرمائی کہ یہ الفاظ اپنے مشہور
 معنوں کے علاوہ کسی اور معنی میں مستعمل ہوئے ہیں اور یہ کہ ان الفاظ سے کوئی ایسے

معتنی مراد ہیں جو اس محاورہ زبان کے خلاف ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف نازل فرمائی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا تو یہ ارشاد ہے کہ ہم نے ہر ایک رسول کو اس کی قوم کی زبان ہی میں بھیجا تا کہ وہ پیغام رسالت اسی زبان میں سمجھا دیا جائے۔ معلوم ہوا رسول جو پیغام لایا وہ اپنی قوم کی زبان اور لغت ہی میں لایا تا کہ قوم پیغام کو سمجھ لے۔ اس کے برعکس کبھی کسی رسول نے اپنے پیغام کی ایسی شرح نہیں کی جو اس قوم کی لغت اور محاورات کے خلاف ہو۔ اس لئے وہ معنی اجوان الفاظ سے مفہوم ہونے میں راہ اور جن سے اللہ تعالیٰ نے خود کو نسبت دی ہے، ان کی تشریح ہرگز ایسے معنوں سے نہ ہوگی جس میں کو وہ اہل زبان نہ سمجھ سکیں جن کی زبان اور لغت میں وہ الفاظ نازل ہوئے ہیں پھر جو لوگ ان الفاظ کے معنی اہل زبان کے مقررہ اصولوں کے خلاف مراد لیتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ اللہ کے کلمات کو اپنے مقام سے ہٹاتے ہیں۔ (يُخَرِّقُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهَا) بِمِثْرِ قُوَّةٍ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ط

یہ تخریفات ہر بناء سے مخالفت ہے اور یہ مخالفت ہر بناء سے جہل، ان معنوں میں جو نسبت ہے، اس کی حقیقت پر مطلع نہ ہونے کے سبب سے ہے اور سلف صالحین کا بالاتفاق یہی عقیدہ ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔

جب یہ امر واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے تنزیہ و تشبیہ کی دونوں نسبتیں شروع سے ہیں تو تمہیں اپنے قلب کی طرف متوجہ رہنا چاہئے اور اپنی عبادت میں ان دونوں نسبتوں کا لحاظ لازم ہے۔

اس سلسلے میں اہل کلام نے جو کچھ کہا ہے محض ان کی عقل انہا بیباں اہل کلام ہیں، ان کو یہ وہم ہوا ہے کہ نسبت تشبیہ سے خلق اور خالق میں مشابہت لازم آتی ہے۔ حالانکہ یہ محض ان کی نادانی اور حقیقت سے بے خبری ہے

کیونکہ تشبیہ و تنزیہ دو لون ایک دوسرے سے کبھی جدا نہیں ہو سکتی یہی حق ہے
مثلاً حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی
صورت پر پیدا کیا جیسے قرآن شریف میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنے
دونوں ہاتھوں سے بنایا۔ اہل کلام اس نسبت کی حقیقت پر مطلع نہ ہوئے جو اللہ
تعالیٰ آدم علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی اس نسبت کی سمجھ میں نہ آیا کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی صورت
بھی ہو سکتی ہے؟ انھوں نے اللہ تعالیٰ کو تنزیہ میں محدود سمجھتے ہوئے "مشابہت" کے
وہم سے حدیث شریف کے یہ معنی مراد لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو آدم کی صورت پر پیدا
کیا گویا صورتہ کی ضمیر کو اللہ کی طرف رجوع کر کے بجائے آدم ہی کی طرف رجوع
کر دیا۔ یہ دورانہ کار اور بے معنی تاویل کے خوف سے اور اللہ کی نسبت تشبیہ کو نہ
جاننے سے پیدا ہوئی۔ اسی طرح آیت قرآنی میں یَدَیْنِ یعنی دونوں ہاتھ سے دست
قدرت مراد لیتے ہیں۔ حالانکہ "یَدَیْنِ" تشبیہ ہے اور دست قدرت واحد ہے
— اس طرح تشبیہ کی رعایت سے ایک نعمت کا ہاتھ، دوسرا رحمت کا ہاتھ قرار
دیا جانا بھی درست نہیں کہ یہ دونوں چیزیں تمام موجودات کو عام ہیں۔ پھر اس تاویل
میں آدم کے لئے کونسا شرف حاصل ہوا؟ حالانکہ قرینہ صرف شرف آدم کا اظہار ہے آدم
کو شرف عطا کرنے کا قرینہ اس حال میں موجود ہے جبکہ ابلیس نے آدم سے شرف ہونے
کا ادعا کیا تو اللہ نے فرمایا کہ (وہ آدم) جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا
(جس کو سجدہ کرنے سے) (اے ابلیس) تجھ کو کس نے منع کیا؟ اس سے لازم آیا کہ
"یَدَیْنِ" دونوں ہاتھوں سے وہ معنی مراد ہونگے جس سے شرف آدم ظاہر ہو
کیونکہ قرینہ حال انہی معنوں کا طالب ہے۔ چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ خلق انسانی کی طرف
تشبیہ و تنزیہ کی دونوں نسبتیں متوجہ ہوئیں تو اولادِ آدم کا ظہور تین کامل مرتبوں
میں ہوا۔ اگر وہ اول وہ ہے جو ان دونوں نسبتوں کو جامع ہے۔ دوسرا اگر وہ، ذلیل

Marfat.com

کیونکہ
کے

عقلی اور نظر فکری سے ان نسبتوں کے معنوں سے واقف ہے۔ تیسرا گروہ ہے جو محض وہ معنی مراد لیتا ہے جو معنی نازل شدہ الفاظ ان کو عطا کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ چوتھا گروہ علماء دین میں نہیں ہے پس

مقابلہ اور انحراف | مقابلہ یا انحراف صرف تنزل الہی کی جہت سے ہی ممکن ہے جو محض خیالی ہے جیسا کہ بنی علیہ السلام کے اس ارشاد میں ہے کہ اپنے رب

کی اس طرح عبادت کرو جیسے کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ اس میں معبود کا مقابلہ ہے اور اس مقابلہ سے انحراف تنزیہ ہے اور یہ انحراف تنزیہ میں گو ہے اور یہ

کہتا کہ وہ تشبیہ ہے محدود ہے یہ تنزیہ سے انحراف ہے جو تشبیہ سے منسوب ہے سب سے زیادہ کامل وہ لوگ ہیں جو تشبیہ و تنزیہ دونوں کے قائل ہیں

بندہ کا میل کی منزل تشبیہی اور تنزیہی نسبتوں کے درمیان ہوتی ہے۔ جہاں ان دونوں نسبتوں میں سے ہر ایک کی نسبت خود اس کی ذات کے مقابل ہو۔

اور یہ ظاہر ہے کہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے ناقابل تقسیم ہے اور جو ذات اہل تقسیم ہے وہ تعریف سے بالاتر ہے۔ کیونکہ تقابل ہر نسبت کا ایک دوسری

جداگانہ نسبت ہی سے ممکن ہے اور یہاں کوئی دوسری چیز نہیں صرف اسی کی ذات ہے جیسے جو ہر۔ جو دو جوہروں یا دو جسموں کے درمیان ہو۔ ان میں سے ہر ایک مقابلہ میں صرف

وہی امر ہے۔ جو ان کی ذوات کے فی ما بین مشترک ہے کیونکہ جو چیز تقسیم قبول نہیں کرتی وہ حکم عقل دو مختلف جہات بھی نہیں رکھتی۔ خواہ وہ ہم سے اس کے خلاف متخیل

کیوں نہ ہو۔

اسی طرح انسان اپنی حقیقت اور اپنے لطائف کے اعتبار سے ذات حق کے مقابل ہے۔ باعتبار تنزیہ حق ہے اور اس وجہ سے اللہ کے نزول کے یہ

معنی ہیں کہ حق نے اس مرتبہ میں اپنے آپ کو ان صفات سے موصوف فرمایا جن سے

تشبیہ موسوم ہوتی ہے۔ حالانکہ تشبیہ تنزیہ کے مقام میں ایک دوسری نسبت ہے۔ جس طرح "حق" ہر دو نسبتوں سے موصوف ہونے ہوئے بھی اپنی ذات اور احدیت میں یکتا ہے اور نسبتوں کے تعدد سے اس کی ذات کے متعدد ہونے پر حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ اس کی ذات ان متعدد نسبتوں سے تقسیم پذیر ہو سکتی ہے۔ اسی طرح بندہ کامل کے لئے حق کے مقابلہ میں ان دونوں نسبتوں میں دو جہات مختلف نہیں ہیں۔ یہ مقابلہ دراصل حق سے حق کی کثیر نسبتوں کا ہے اور تمام کثرت انہیں دو نسبتوں کی طرف راجع ہے جن کو تشبیہ اور تنزیہ کہا گیا ہے۔ اس لئے کوئی صفت ایسی نہیں ہے جو نفس موصوف پر زائد ہو بلکہ ہر صفت، عین واحد ہے۔

ہمارا معدن کلی وجودی ہے اور ہمارا ظہور اس سے نسبتوں کے اعتبار سے ہوا ہے خود اس کے لئے اعیان نہیں ہیں۔ کیونکہ حق کے لئے ایک عین ہے بندہ کا عین علمی یا ثبوتی ہے وجودی نہیں ہے اس لئے بندہ کا عین اپنے معدن سے باہر نہیں آیا اور اپنے اصل معدن یعنی علم حق سے وہ جدا نہیں ہوا۔ لیکن حق نے اس کو لباس وجود پہنا دیا ہے اس لئے اس کا ظاہر اپنے "باطن" کا وجود ہے اور اس کا وجود اپنے موجد کا عین ہے۔ پس سوائے حق کے کچھ بھی ظاہر نہیں ہوا۔ عالم ظہور میں کوئی غیر حق نہیں ہے اور بندہ کا عین اپنی اصلیت پر باقی رہ گیا نہ بندہ کو اپنی ذات کا علم ہے نہ اس حقیقت کا علم ہے جس نے اس کو خلعت وجود پہنایا۔ لیکن اس نے اپنی امثال کی معرفت سے استفادہ کیا۔

اس عالم میں بعض نے محض عالم کو دیکھا تو اپنے رب کے وجود سے غیبت کی نسبت میں دیکھا پس جس نے اپنی ذات میں خدا کی آنکھ سے نظر کی اور کوئی امتیاز قائم نہیں کیا اس نے ایسی چیز سے انحراف کیا جس سے اس کو انحراف لازم

تھا۔ ایسا بندہ عین حق میں جہل سے موصوف ہے۔ اور اس حال میں اس صفت کی وجہ سے اس پر یہ حکم عائد ہوگا کہ وہ صفت وجود سے موصوف ہی نہیں ہوا، کیونکہ جہل ہی کا نام عدم ہے۔

(۱۱) جس نے اپنا مشاہدہ یہ بیان کیا کہ مَا رَأَى إِلَّا اللَّهَ اللَّهُ هُوَ

اہل مشاہدہ نے اللہ کو دیکھا۔

(۱۲) دوسری معرفت وہ ہے جس میں عارف یہ کہتا ہے کہ میں آنکھ بند کئے بیٹھا رہا مگر جب آنکھیں کھولیں تو میری نظر کسی چیز پر بھی نہیں پڑی فَمَا رَأَيْتُ إِلَّا اللَّهَ سوائے خدا کے میں نے کچھ نہیں دیکھا یعنی میں نے پھر اللہ کو نہیں دیکھا کثرت اشیا کے اچھان اپنی جگہ ہونے سے بھی معرفت حق پر سرگرم ہو کر اثر انداز نہیں ہوتے۔

(۱۳) تیسری معرفت وہ ہے جس میں عارف کہتا ہے (مَا رَأَيْتُ شَيْئًا) میں نے کوئی شے نہیں دیکھی (۱۴) معرفت وہ ہے جس میں عارف کہتا ہے کہ میں نے کوئی شے نہیں دیکھی مگر یہ کہ میں نے اس شے سے پہلے اللہ کو دیکھا یہ مشاہدہ ۵ تجدیدی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ شے سے پہلے اللہ کو دیکھا وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس شے کے بعد میں اللہ کو دیکھا اس شے میں اللہ کو دیکھا اس شے کے پاس اللہ کو دیکھا وغیرہ وغیرہ

ان معارف کا نتیجہ تحدید ہے اور یہ نزولاً نسبت ہے جس کو تشبیہ کہتے ہیں۔ حقیقتاً وہی معارف الٰہی ہیں جن کا ذکر ہم نے پہلے کیا ہے کہ بندہ کا رسل کو دونوں نسبتوں کے درمیان اپنا مقام رکھنا چاہئے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ اب یہ ہے وہ معارف جو نسبت تنزیہی سے حاصل ہوتے ہیں ان کو بیان نہیں کیا جاسکتا، نہ وہ عبارت میں آسکتے ہیں نہ کوئی اشارت ان کی طرف

صحیح ہو سکتی ہے۔ پس معرفت کا انحصار تین باتوں میں ہے۔

(۱) معرفت تشریح (۲) معرفت تشبیہ و تخیل (۳) وہ معرفت جو شہاد
اپنے مقام سے ان دونوں نسبتوں کے مابین عطا ہو وہ تیرے وجود کا عین نہیں
ہے مگر تیرا عین ہے۔ تیرے وجود کا عین تو وجود حق ہے اور وجود حق کو تجھ سے
نسبت نہیں دی جاسکتی۔

ان حقائق کی روشنی میں بلا خوف تردد یہ کہا جاسکتا ہے کہ **مِنْ دُونِ اللّٰهِ**
یعنی غیر اللہ کا مفہوم سمجھنے میں علماء ظاہر سے نہایت خطرناک اور فاحش غلطیاں
سرزد ہوئی ہیں۔ وہ نیک نیتی کے ساتھ سمجھنے سے قاصر ہیں۔ کہ وجود حقیقی صرف
خدا تعالیٰ کے لئے ہے۔ غیر اللہ کا وجود حقیقی نہیں حکمی اور اعتباری ہے۔ اس وسیع
کائنات میں ایک ذرہ کے متعلق بھی یہ تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ یہ ذرہ اپنے وجود
کے احاطہ میں اللہ کے ذاتی احاطہ سے باہر ہے جو ایسا کہتا ہے وہ خدا کے واجب
تعالیٰ کا منکر ہے اس کو شجرے سے منسوب کرتا ہے۔ خلوے کے ذات محال ہے۔ پھر
جو یہ کہتا ہے کہ اللہ نہیں ہے یہ ذرہ ہی ذرہ ہے وہ کافر مطلق ہے۔ جو یہ
کہتا ہے کہ اللہ کے سوا کچھ بھی نہیں ہے اللہ ہی اللہ ہے اس نے اللہ کو
جاننا پہچانا اور مانا۔ اللہ کو جاننے کے یہ معنی ہیں کہ تم غیر اللہ کو نہ پہچانو یہی
کمال عرفان ہے۔

اللہ کو ماننے کے یہ معنی ہیں کہ تم غیر اللہ کو نہ مانو۔ یہی کمال ایمان ہے۔
مگر یہ علم، عرفان، ایمان اللہ کے خاص بندوں کے ساتھ خاص ہے۔ ہر دور
میں انسانوں کی کثرت سے حقائق سے لاعلم رہی ہے (اکثر الناس لا یعلمون)
اس لئے ہر دور میں علم، عرفان، ایمان کی باتیں کہی گئیں۔ کم سنی گئیں۔ کم مانی گئیں
کہا جاتا ہے کہ ان باتوں کو منوالے کے لئے اللہ تعالیٰ نے تقریباً ایک لاکھ چونتیس ہزار

بنی وقتاً توفیاً دینا میں صحیح ہے اور اس کرۂ ارض پر بسنے والی انسانی آبادی کے نام پر زمانہ میں ہر ملک میں ہر قوم میں اپنا پیغام بھیجا۔ مجھے جانور مجھے پہچانو۔ مجھے مالو۔ ہر بنی کا اپنی امت سے یہی مقولہ رہا۔

یا قوم اعبدوا اللہ ما کم من الٰہ غیر اللہ۔ اے قوم اللہ کی عبادت کرو تمہارے لئے کوئی معبود اللہ کے سوائے نہیں ہے۔ یہاں تک کہ بنی آخر الزماں مبعوث ہوئے اور آپ نے تمام نوزع انسانی کو قیامت تک کے لئے اللہ کا آخری پیغام سنا دیا۔

اٰمُرُكُمْ بِالْقَائِلِ النَّاسِ حَتّٰی اَنْ يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ ہم اس پر مامور ہیں کہ لوگوں سے اس وقت تک جنگ کریں جب تک وہ یہ نہ کہیں کہ اللہ ہی اللہ ہے۔ یہ کلمہ طیبہ خدا کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کے باہم خط امتیاز کھینچتا ہے۔

کفر و اسلام میں یہی کلمہ فارقی ہے جو شخص اسلام قبول کرتا ہے، دائرہ اسلام میں داخل ہونا چاہتا ہے اس کو آپ سب سے پہلے یہی کہیں گے سچے دل سے کلمہ پڑھ لو۔ کلمہ طیبہ پڑھنے ہی آپ اس کو مسلمان ہو جانے کی مبارک باد اور اہل ایمان ہونے کی بشارت دیتے ہیں، جنت کی خوشخبری سناتے ہیں۔ پہلے پہل یعنی آغاز خطاب ہی کلمہ توحید سے ہوتا ہے اسلام کے حصار میں داخلہ کی شرط اولین یہی ہے۔ میدان جنگ میں آپ کافروں سے جہاد کرتے ہیں۔ عین اس وقت جبکہ آپ کی تلوار کسی کافر کا رشتہ حیات قطع کرنے والی ہے وہ کلمہ طیبہ پڑھ لیتا ہے تو آپ کیا کریں گے؟ کیا اس کو قتل کر دیں گے نہیں۔ آپ تلوار میان کریں گے۔ بھائی کی طرح اس کو سینے سے چٹالیں گے۔ حالانکہ چند لمحات پہلے آپ اس کے خون کے پیاسے تھے۔ اس پر اب آپ اپنا خون چھڑکنے کو تیار ہوں گے۔ اس کی جارح اس کا مال اس

عزت و آبرو آب آپ پر حرام ہو جائے گا، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ غور کرو۔

ابھی اس نے قرآن نہیں پڑھا، احادیث کا علم حاصل نہیں کیا، فقہ نہیں سیکھی، وہ نہیں جانتا نماز کیا ہے؟ کیوں پڑھی جاتی ہے؟ اس میں کیا کیا پڑھا جاتا ہے۔ قیام، قعود، رکوع، سجود، استقبالِ قبلہ، نیت، تحیت، سلام، تعدد رکعات، فرض، سنت، نفل، غزنیہ تمام تفصیلات سے وہ لاعلم تھا۔ اسی طرح روزہ، حج و زکوٰۃ وہ نہیں جانتا، کہ ارکانِ دین میں سے ہیں، ان پر عمل کر کے منزلِ نوا بھی بہت دور ہے پھر کیا وجہ ہے کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہی اللہ کے قلعہ میں اس کا بے روک ٹوک داخل ہو جاتا ہے کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ حِضِّي حِضِّي فَهِيَ دَخَلَ حِضِّي أَمَّنْ عَدَايَ - لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ میرا قلعہ ہے جو میرے اس قلعہ میں داخل ہو گیا وہ میرے عذاب سے محفوظ ہو گیا۔

یوں تا تو یہ چاہئے کہ جو شخص داخلِ اسلام ہو چاہے پہلے اس کو اسلام سے واقف کیا جائے۔ خدا کی ذات و صفات کے متعلق کچھ سوچ بوجھ دی جائے، رسولوں نبیوں، صدیقیوں، شہیدوں اور صالحوں کے مسائل معلوم ہوں۔ محرمات، منہیات کی فہرست اور اچھے کاموں کا پیر و گرام اس کو بتا دیا جائے، مگر ایسا نہیں ہوتا، ہوتا یہی ہے کہ ادھر کلمہ پڑھا اور ادھر مسلمان ہو گیا۔ آخر کلمہ پانچ ارکانِ دین میں سے ایک رکن ہی ہے۔ یا پورا دین ہی ہے۔ پھر یہ کیوں ہوتا ہے کہ کلمہ پڑھنے سے غیر مسلم پر مسلمان ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے؟ مسلمان ہونے کا حکم نہیں لگایا جاتا۔

بنی الا سلام علی خمس شہادۃ ان لا اله الا الله وان محمد رسول الله اسلام پانچ چیزوں پر مبنی ہے کلمہ شہادت، دویم نماز قائم کرنا، سوگم و اقام الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ و الحج و صوم رمضان (متفق علیہ) زکوٰۃ دینا، چہارم حج، پنجم رمضان کے روزے۔

پھر جس طرح داخل اسلام ہونے میں اس کلمہ کا اعتبار ہے اسی طرح دنیا سے نجات ہونے وقت بھی جب سفر زندگی ختم ہوتا ہے۔ تو ایک مسلمان مسافر کے لئے منازلِ آخرت میں بہترین زادراہ ہی کلمہ طیبہ ہے۔ آخری سالس لینے والے کا آخری کلام ہی کلمہ طیبہ ہو تو وہ مسلمان مراد اسلام پر اس کا خاتمہ ہوا۔

معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کی زندگی کلمہ طیبہ ہی سے شروع ہوتی ہے۔ اور کلمہ طیبہ ہی پر ختم ہوتی ہے۔ زندگی کے اول و آخر میں ظاہر و باطن میں کلمہ طیبہ ہی کا اعتبار ہے۔ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو شخص کلمہ طیبہ کا سچے دل سے قائل ہو گیا مسلمان ہو گیا۔ اگر وہ ایمان لانے کے فوراً بعد مر گیا۔ درحالیکہ وہ باقی ارکانِ دین کو بجالانا تو دور کنار جان بھی نہ سکا ہو تو بھی وہ مسلمان مراد برخلاف اس کے فرض کیجئے ایک شخص دین اسلام کے متعلق علم حاصل کرتا ہے، کتاب و سنت کے مطالعہ میں عمر صرف کرتا ہے، اسلام کے بنیادی ارکان معلوم کر لیتا ہے بظاہر نماز پڑھتا ہے۔ روزہ رکھتا ہے، حج کرتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے مگر خفیہ میں فساد ہے۔ کلمہ طیبہ کا صدق دل سے قائل نہیں ہے تو کیا اس کے اعمال ذرہ برابر بھی کارآمد ہو سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں کہ منافقین نمازیں پڑھتے تھے روز سے رکھتے تھے، غرض کہ تمام امور دینی میں مسلمانوں کے دوش بدوش رہتے تھے۔ مگر ان کے تمام اعمال اگارت گئے صرف اس وجہ سے کہ صدق دل سے کلمہ گو نہ تھے۔ ثابت ہوا کہ ایمان ہی وہ اساس ہے جس پر اعمال کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ جہاں بنیاد نہیں عمارت کہاں؟ یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ایمان کا دار و مدار کلمہ طیبہ پر ہے۔ یہ کلمہ دو حکم پر مشتمل ہے۔ پہلا حکم سلبی ہے جو برا ایجابی۔ سلبی غیر اللہ پر واقع ہو گا اور ایجابی اللہ پر واقع ہوا۔ تمام ائمت کے نزدیک کلمہ طیبہ دافعِ اشراک ہے۔ مشرکین اگر دعو خدا کرتے ہیں تو دعو خدا نہیں ہو سکتے۔ تنویر

خدا سمجھتے ہوں تو سو خدا نہیں ہو سکتے خدا سے وحدہ لا شریک مشرکین کے افعال
 افعال، خیالات و اعتقادات سے بری ہے، پاک ہے، بلند ہے، برتر ہے سوال
 یہ ہے کہ حیب کسی کے دو سمجھنے سے دو۔ تین سمجھنے سے تین اور تین سو ساکھ سمجھنے سے
 تین سو ساکھ خدا نہیں ہوتے تو ہم کہتے ہیں کہ شرک حقیقتاً ممنوع ہے۔ پھر اللہ
 تعالیٰ کی ذات و صفات میں کسی کو شریک قرار دینے کے کیا معنی ہوتے۔ اگر
 مشرکین کے خداؤں کا لا تعداد لشکر اکیلے خدا پر چڑھائی کر کے عرش پر قابض و مشرف
 ہو جائے یا کسی باہمی جنگ و صلح کے نتیجے میں خدائی اختیارات آپس میں تقسیم ہو جائیں
 تو شریک باری تعالیٰ بھی کوئی حقیقتاً کہلا سکتا ہے۔ لغو ذبالہ منہا عقل و نقل اس
 امر پر متفق ہیں کہ واجب الہک سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ ذات واجب الوجود باری
 تعالیٰ عزاً سہمہ ہے اس کے سوائے جو کچھ ہے وہ ممکن ہے۔ ممکن واجب کے قبضہ
 قدرت میں مقہور و مغلوب ہے ممکن کا کوئی وجود نہیں۔ وجود اصلی واجب کا ہے
 و صوب کا کوئی وجود نہیں اصلی وجود آفتاب کا ہے چاندنی کوئی وجود نہیں رکھتی
 چاند ہے تو چاندنی ہے چاند نہیں تو چاندنی بھی نہیں۔ مخلوق کوئی وجود نہیں رکھتی۔
 وجود حقیقی کا فیضان ہی تو ہے اگر یہ نہیں تو مخلوق بھی نہیں۔ "مشرکین" بہت
 سے خداؤں کے قائل یوں تو ہوا کریں "خدا سے واحد ان کے بہت سمجھنے سے بہت
 نہیں ہو جاتا۔ اس لئے مشرکین کا گمان کثرت، اور مشرکین کے مفروضہ خداؤں کی
 کثرت اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر کچھ اثر انداز نہیں ہو سکتی ہے۔ خدا سے
 واحد و قہار تمام کائنات پر مشرکوں پر مشرکوں کے خداؤں کے خداؤں پر خالی حکمراں
 ہے لو کانت فیہما الہة الا اللہ لفسد فی السماء و الارض و انما من معبودین
 غیر اللہ ہوتے تو زمین و آسمان فاسد ہو جاتے۔ حالانکہ لا تتعدد معبودین باطل ہے
 موجود ہیں۔ مگر زمین و آسمان فاسد نہیں ہوئے معلوم ہوا کہ وہ مظاہر الہی جنکو

مشرکین غیر اللہ سمجھ کر پوجتے ہیں حقیقتاً غیر اللہ نہیں ہیں ورنہ فساد لازم آتا۔ شرکین کا یہ زعم کہ ان کے دیوتا اور معبود اہنام وغیرہ خدا کے سفائر کوئی وجود رکھتے ہیں۔ یہی گمان مدار شرک ہے غیر اللہ کے وجود کا عقیدہ غیر اللہ کی موثریت کا موثر ہے۔ اور غیر اللہ کی موثریت کا عقیدہ ہی شرک و کفر کا مڑی ہے۔

جبکہ شرک حقیقتاً ممنوع ہے تو پھر مشرکین کو مشرکین کہنے کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب اس کے سوائے کچھ نہیں ہو سکتا کہ مشرک اس خدا کے واحد کو جو جو پ اطلاق اور امکان یعنی کو جامع ہے اپنے زعم میں کثیر خیالی کرتا ہے۔

ذات و صفات الہی میں وحدت کا اثبات صرف مومن باللہ ہی کر سکتے ہیں جو نفس و آفاق میں نہ غیر اللہ کو جانتا ہے، نہ پہچانتا ہے، نہ مانتا ہے۔ ایک ایسی حقیقت ہے جو کبھی دلنشیں نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ دامن دل، ماسوا اللہ کے گردو غبار سے پاک و صاف نہ ہو۔ مشرکین کے خیال میں خالق کائنات نہیں، کائنات موجود ہے۔ اس کائنات میں ات گنت چیزیں موجود ہیں۔ ہر چیز میں گونا گوں تاثرات موجود ہیں۔ ہر چیز ایک جدا گانہ رسم کے ساتھ موجود ہے۔ ہر شے جدا گانہ افعال خواص، آثار، اور احکام رکھتی ہے۔ اس لئے وہ جو اس خم جو اس عالم محسوسات کے زندانی ہیں، صورت اشیا میں الجھ کر رہ جاتی ہیں اور حقیقت اشیا کی راہ ان پر نہیں کھلتی۔ اللہ تعالیٰ غیور ہے، یہ غیرت الہی ہے کہ ایک حقیقت کے چہرہ پر نیک صورتوں کے نقاب ڈال دیے ہیں تاکہ نامحرم کی آنکھوں کے سامنے حقائق بے نقاب نہ آنے پائیں۔ شرک امر و جہدی نہیں، عدی ہے، اسی لئے قرآن نے شرک کو زعم اِنْفِکِ اِخْتِلَاف۔ اعتراء بھتان۔ وغیرہ ایسے کلمات سے تعبیر کیا ہے۔ جن کا وجود صرف خیالی اور وہی ہو سکتا ہے، جو کوئی وجودی حیثیت

نہیں رکھتے بلکہ معنی اسلیٰ اضافت رکھتے ہیں جیسا کہ قرآن حکیم میں وارد ہے **وَكُومٌ**
فَخَشِرُهُمْ جَبِيحًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا آيِنُ شُرَكَائِكُمُ الَّذِينَ
كُنْتُمْ تُزْعَمُونَ (الانعام) جس دن ہم ان سب کو محصور کریں گے اور مشرکوں
 سے پوچھیں گے کہ تمہارے مرعومہ شریک کہاں ہیں۔

ثابت ہوا کہ شرک مشرک کی ذہنی اور خیالی کیفیت کا نام ہے مگر جب کہ
 موقف حساب میں شرک پر احتساب ہو گا اور مشرکین کو فرج جرم سنانی جائیگی کہ وہ
 تمہارے "خیالی شریک" کہاں ہیں تو مشرکین حساب میں قسم کھا کر کہیں گے کہ ہم مشرکین
 میں سے نہیں تھے۔ **ثُمَّ لَكُمْ تَكْوِينُ وَتَنْبِيْهِمْ اَلَا اِنَّ قَالُوْا وَاللّٰهُ ذَيْبًا مَا كُنَّا**
مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (الانعام) ممکن نہیں کہ قیامت کے دن جبکہ انسانی اعضاء و اجزاء
 سچی شہادت ادا کرنے پر مامور ہوں گے۔ تو مشرکین خدا کے سامنے خدا کی جھوٹی
 قسم کھا کر جھوٹا بیان دیں۔ علم الہی میں ان کا مشرک ہونا ثابت ہو اور وہ اپنی ہرارت
 ظاہر کریں گے۔ اس لئے تسلیم کرنا پڑے گا کہ مشرکین پر آخرت میں جب یہ حقیقت
 منکشف ہوگی کہ حقیقت واحد کائنات کے بے شمار مظاہر کی صورت میں جلوہ
 فرمائی اور مشرکین اپنے زعم سے نغدہ ہیں گرفتار ہو کر وحدت سے محجوب
 رہے مظاہر پستی میں مبتلا ہو گئے تو وہ قسم کھا کر عرض کرینگے کہ ہم مشرکین میں سے
 نہیں تھے۔ اس اعتبار سے معبودان باطل بھی بعض صفات الہیہ کے مظہر تھے مگر
 نام ان کی طرف جہت حق سے متوجہ نہیں ہوئے بلکہ ان کو نیز حق سمجھ کر ہم نے
 جہت باطل کو مرکز توجہ بنایا اور یہ گمان کیا کہ خدا کے سوا کسی کوئی اور معبود بھی
 موجود ہے۔

آخرت میں جب حقائق بے نقاب ہو کر سامنے آئیں گے تو یہ کھل جائیگی
 کہ مشرکین نے جہاں جہاں خدا کی نفی اور غیر اللہ کا اثبات کیا تھا۔ حقیقت حال ان

کے خلاف تھی، اول، آخر، ظاہر، باطن، اللہ ہی اللہ تھا اس وقت مشرکین اپنے آپ کو جھٹلائیں گے، اپنی کیفیاتِ نفس کی خود تکذیب کریں گے **النَّظْرُ كَيْفَ كُنَ بَرًّا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ** (الانعام) ترجمہ اور پچھلے کس طرح اپنے نفس پر چھوٹ عائد کیا اور کھو گئیں ان سے وہ باتیں جو تراشنے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ خیال نے جس قدر خدا، گھڑے ہیں وہ ہم نے پیکر تراشی کی ہے۔ توجید سے اغراض کر کے کثرت میں الجھ کر خیالی غیریت کی پریشانی کی ہے۔ عالم آخرت میں مشرکین کا مشاہدہ ان کے عقائدِ باطلہ کی تردید کر دیکھا۔

تفہیم القرآن | غیر اللہ کا مفہوم نہ سمجھنے کی وجہ سے مودودی صاحب نے انبیاء صالحین کی جناب میں ترک ادب کیا ہے اور حقائق

سے لاعلمی کا ثبوت فراہم کر دیا ہے جہاں انہوں نے آیت مندرجہ ذیل کی ترجمانی کی ہے، **رَأَى الَّذِينَ بَيْنَ يَدَيْهِ عُرُوسًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ كَالْمَخْلُوقَاتِ كَسَيِّئَاتِهِمْ يُخْلَقُونَ نَفْسًا غَيْرَ أَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ** مودودی صاحب نے حکم لگایا ہے کہ انبیاء صالحین مِّنْ دُونِ اللَّهِ کا مصداق ہیں۔

اقوال تمہور مشرکین سے ثابت ہے کہ اس آیت میں **مِنْ دُونِ اللَّهِ** سے مراد لکڑی، پتھر کی مورٹیاں ہیں

(ملاحظہ طلب تاج ستمبر ۱۹۵۶ء و جنوری ۱۹۵۷ء) ہم کہتے ہیں کہ انبیاء و صالحین ہی نہیں بلکہ کوئی مسلمان بھی مِّنْ دُونِ اللَّهِ کے حکم میں شامل نہیں ہو سکتا۔ ہمارا یہ دعویٰ ازرو و سے قرآن کریم ثابت ہے **أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَلْتُمْ وَ مِّنْكُمْ وَ كُمْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِلَهًا لَّا سَوْلَ لَهُ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَ نَبِيَّاتِهِمْ وَاللَّهُ جَبَّارٌ عَلَيْهِمْ** (التوبہ رکوع ۸) (ترجمہ) کیا جانتے ہو کہ چھوٹ جاؤ گے اور ابھی معلوم نہیں کیا اللہ نے ان سے جو لوگ لڑے

ہیں اور نہیں پکڑا انہوں نے سوائے اللہ کے اور اس کے رسول کے اور مسلمانوں کے کسی کو خصوصی دوست کا ریمانہ اور اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے تمہارے سب کاموں کی اس قرآنی صراحت سے متعین ہو گیا کہ اللہ رسول اور مومنین کو پکارنا قرلی قرار دینا منشاء الہی کے موافق اور مقتضائے ایمانی کے عین مطابق ہے۔ اہل ایمان آپس میں ایک دوسرے کے خصوصی دوست اور کاریمانہ ہیں۔ ہمارا یہ دعویٰ از روئے قرآن ثابت ہے وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ (التوبہ) اللہ تعالیٰ کا نام قرلی ہے مگر اس نے اپنے نیک بندوں کو بھی یہ نام عطا فرمایا تاکہ اسم قرلی کی حقیقت ظہور پزیر ہو ایسا نہیں ہے کہ خدا لئے صفت ولایت میں شرک کی اجازت دی ہو بلکہ حقیقتاً ولی و نصیر اللہ ہی ہے۔ مگر عادت الہیہ ہے کہ ولایت و نصرت کا ظہور ہمیشہ اولیاء اللہ کے دم قدم سے ہوتا ہے وَلَا يَجِدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا (النساء) — اہل ایمان کے لئے اللہ ولی ہے، رسول ولی ہے اہل ایمان ولی ہیں اِنَّمَا وَلِيَ كُمْ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا (المائدہ آیت ۵۵) (ترجمہ) تمہارے ولی تو حقیقت میں اللہ اور اللہ کا رسول اور اہل ایمان ہیں

قُلْ اَغَيْرِ اللَّهِ اتَّخَذُ وُلِيًّا بَلَاءُ آیت ۱۳

غیر اللہ کو ولی بنانا (ترجمہ) کیا میں غیر اللہ کو ولی مان لوں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پہلی آیت میں جہاں اللہ کے ساتھ رسول اور مومنین کو ولی تسلیم کیا گیا ہے وہاں رسول اور مومنین کی حیثیت "ولی" ہوتے ہوئے "غیر اللہ" کی ہے یا نہیں؟ اگر وہ غیر اللہ میں تو ایک جگہ غیر اللہ کو ولی بنانے کی تعلیم دی گئی ہے اور دوسری جگہ نہد بد واقع ہوئی، تعارض ہوا، پھر یہ تعارض کیا کسی اور طریقے سے رفع ہو سکتا ہے۔ سوائے اس کے رسول اور مومنین کی ولایت کو اللہ کے اسم قرلی کا ظہور قرار دیا جائے اس طرح اگر اولیاء اللہ کو غیر اللہ سمجھا جائے تو قرآن شریفین غیر اللہ کی طرف متوجہ ہو گیا

اجازت نہیں دیتا اَحْسِبَ الَّذِيْنَ مِنْ كُفْرٍ وَاَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ
 مِنْ دُوْنِيْ اَوْلِيَاءَ اِنَّا اَحْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِيُكْفِرِيْنَ كُفْرًا (الکہف رکوع ۱۹)
 ترجمہ - کیا پھر بھی ان کافروں کا یہ خیال ہے کہ مجھ کو چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا
 کارساز حاجت روا قرار دیں۔ ہم نے ان کافروں کی دعوت کیلئے دوزخ کو تیار
 کر رکھا ہے۔ (مولانا اشرف علی تھانوی)

اس آیت مبارکہ میں اللہ کے بندوں کو اولیاء قرار دینا کافروں کا مشغلہ اور
 جہنمی فعل قرار دیا گیا۔ مگر میں دُوْنِيْ کی قید لگا دی گئی ہے جس کا صاف مطلب
 یہ ہے کہ کافر خدا کے بندوں کو جہاں فری قرار دیتے ہیں وہاں ان کو ولی حقیقی یعنی
 خدا کا خیر سمجھ کر ان کی طرف متوجہ ہونے ہیں۔ کفر و شرک ان کا یہی گمانِ غیریت ہے جو
 مظاہر الہیہ سے خدا کی نفی اور غیر خدا کے اثبات پر مشرک کو مجبور کرتا ہے۔ نہ اللہ
 کے بندوں کا اولیاء ہونا اعلانِ قرآنی کے مطابق مشہور و مسلم ہے اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءِ
 اللّٰهِ كَاخْوَانٌ عَلَيْهِمْ وَاَلَهُمْ دِيْنٌ نُّوْنٌ۔ پہلی آیت میں اللہ کے بندوں
 کو اولیاء قرار دینے والوں کے لئے کفر کا خطاب اور جہنم کی سزا بیان ہوئی۔
 دوسری آیت میں اولیاء اللہ کی شان و عظمت کا اعلان کیا گیا اور بہت سی آیت
 میں صراحت کی گئی کہ مومن ایک دوسرے کے ولی ہیں۔ غور کیجئے غیر اللہ کو ولی
 قرار دینے میں، مسلمان اور کافروں میں برابر ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ کافر اللہ کے
 اسمِ ولی میں غیر اللہ کو شرکاً اعتقاد کرتا ہے اور مومن اللہ کے اسمِ ولی کی تجلیات
 کو اولیاء اللہ کے آئینہ میں مشاہدہ کرتا ہے۔

ثابت ہوا کہ شرک امرِ زعمی ہے۔ شرک باری تعالیٰ نفس الامر میں کوئی وجود
 نہیں رکھتا۔ صرف مشرک کے ذہن میں اور خیال میں موجود ہوتا ہے اس احوال کی طرح
 جو ایک چراغ کو دو چراغ ایک چاند کو دو چاند دیکھتا ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

دو مبین و دو مگو و دو مخوان خواہم را اور خواجہ خود محموداں

گر خدا دانی ازاں این خواجہ را گم کنی ہم متین وہم دیباچہ را

قابل دونی کو کلمہ دونی سے پر سیر لازم ہے، انبیاء اور اولیاء کو ذات الہی میں سمجھنا چاہئے اگر کسی مظهر صفات کو تم نے ذات سے جدا سمجھا تو کتاب حقیقت کا متن اور دیباچہ دونوں ہی غائب ہو جائیں گے۔

مورود صی صاحب نے انبیاء اور صالحین کو "اموات غیر اعیاء" کا مصداق قرار دیا ہے حالانکہ (۱) حیات انبیاء علیہم السلام کا مسئلہ امت کا اجتماعی مسئلہ ہے کہ انبیاء زندہ ہیں (۲) شہداء زندہ ہیں بل اعیاء و لکن کا

تشعروت (۳) اور یس علیہ السلام اپنے جسم کے ساتھ زندہ اور باقی ہیں جو اس دنیا میں آسمان چہارم پر مقیم ہیں یہ ساتوں آسمان بھی عالم دنیا ہی میں شامل ہیں اسی طرح حضرت الیاس اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام بھی اپنے جسم کے ساتھ اس

دنیا میں زندہ ہیں۔ چوتھے رسول حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ ہمارے نزدیک نہیں اوروں کے نزدیک ان کا رسول ہونا مختلف فیہ ہے یہ سب اپنے جسموں کے

ساتھ دنیا میں باقی ہیں۔ حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ چاروں اوتاد ہیں ان میں سے دو امام ہیں ایک قطب ہے جو اللہ کی نظر گاہ ہے یہ تاقیام قیامت دنیا میں باقی رہیں گے۔ ان میں جو قطب ہے وہ دین کے ستونوں میں سے

ایک ستون ہے۔ وہی حجر اسود کا رکن ہے ان چاروں اوتاد میں سے ایک سے اللہ تعالیٰ ایمان کی حفاظت کا کام لیتا ہے دوسرے سے ولایت کی حفاظت کا کام لیتا ہے تیسرے سے نبوت کی حفاظت کا کام لیتا ہے چوتھے سے رسالت کی حفاظت ہوتی ہے اور ان سب سے بحیثیت مجرعی دین حقیقی کی حفاظت ہوتی

ہے (تشرحات المکیہ ج ۲) ان نشوونما کی موجودگی میں انبیاء اولیاء علیہم السلام

کو آصوات غیر احياء (مردے ہیں نہ کہ زندہ) کا مصداق قرار دیا جاسکتا ہے۔
 افسوس ہے کہ مورودی صاحب نے یہ خطرناک غلطی کی۔ پھر ستم بالائے ستم
 یہ ہے کہ بفرض محال انبیاء علیہم السلام (خاک بدین گستاخ) مرکہ مٹی کا ڈھیر ہو جاتے
 ہوں اور حیات انبیاء کے بالے میں جو احادیث ہیں ان کے وہ منکر بھی ہوں تو کیا
 وہ منکر قرآن بھی ہیں؟ جو انبیاء کو بلا استثناء مردوں کے حکم میں شامل کرتے ہیں؟ کم
 از کم جو انبیاء زندہ ہیں جن کو موت ہی نہیں آئی ان کو تو حسب اعلان قرآن مستثنیٰ قرار
 دیا جانا ضروری تھا اور یہ دیکھنا تھا کہ مثلاً قرآن مجید میں عیسیٰ علیہ السلام کو قتل
 و صلیب سے بچا کر آسمان پر زندہ اٹھائے جانے کا اعلان موجود ہے، پھر اسی
 قرآن مجید سے عیسیٰ علیہ السلام کو آصوات غیر احياء مردہ قرار دینا کس قدر غیر
 ذمہ دارانہ اور مجرمانہ حرکت ہے۔

اگر آصوات غیر احياء سے انبیاء مراد ہوں تو اللہ تعالیٰ سے یہ نسیان مسووم
 ہو گا کہ وہ نبیوں کے زندہ ہونے کا اعلان کر چکا ہے اسے بھول گیا (لغو ذیالذکر)
 کم از کم عیسیٰ علیہ السلام کو پکارنے والے تو اس آیت کے مخاطب ہو ہی نہیں سکتے
 کہ عیسیٰ علیہ السلام "آصوات" میں شامل نہیں بلکہ ان کو لا یخلقون شیئاً
 کا مصداق قرار دیتے ہیں۔ بھی آیات قرآنی مزاحم ہوتی ہیں۔ کیونکہ فعل خلق کا مصدر
 بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اذروئے قرآن ثابت ہے انی اخلق لکم
 کھیت الطیر۔ اعلیٰ معتقدین جو عیسیٰ علیہ السلام کو منسکاکشا، فریادرس
 و اتانگنج بخش اور غریب نواز ہی نہیں بلکہ سمجھتے ہیں کہ مسیح خدا ہے۔ یا خدا کا
 بیٹا ہے۔ وہ اس آیت کے مفہوم سے خارج ہو جائیں گے۔ کیونکہ انبیاء کو
 بلا استثناء مورودی صاحب نے مردے قرار دیا اور یہ ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ
 کہ عیسیٰ علیہ السلام کو قرآن پر ایمان رکھنے والا کوئی شخص مردہ قرار نہیں دے سکتا

اسی طرح انبیاء کو "اصوات غیر اجزاء" قرار دینے کے بعد کسی شے کا خالق نہ ہونا جو
نبیوں کی صفت قرار دی گئی ہے وہ بھی عیسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں باطل ہوئی، قرآن
پر ایمان رکھنے والا ان آیات صریحہ کو جھٹلا نہیں سکتا جن میں عیسیٰ علیہ السلام کو
صفت خالق سے موصوف کیا گیا ہے انی اخلقکم من الطین کھیسۃ
الطیر۔ عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں "میں تمہارے لئے مٹی سے ایک پرندہ کی صورت
بناتا ہوں" فعل خلق کی نسبت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی طرف فرمائی ہے اور
اللہ تعالیٰ نے اس نسبت کو عیسیٰ علیہ السلام کی طرف مضاف فرمایا ہے۔ فعل خلق
کا مصدر جب عیسیٰ علیہ السلام سے ثابت ہوا تو عیسیٰ علیہ السلام لا تخلقون شئی
کے مفہوم سے عبارتاً خارج ہوئے اور جب ایک بنی اس کلیہ کی زد سے خارج
ہو تو دوسرے انبیاء علیہم السلام کا دلالتاً خارج ہونا لازم آیا لانصاف بین
احد من دسلہ۔ پس مودودی صاحب کی یہ تجویز کہ من دون اللہ
سے مراد انبیاء اور صالحین ہیں باطل ہوئی مگر یہ باطل نہ ہو تو قرآن مجید کا جھوٹ ہونا
لازم آتا۔ کیونکہ بقول مودودی صاحب یہ انبیاء و صالحین (لا یخلقون شئی)
کا مصداق ہیں۔ یعنی ان کے فعل خلق کا ظہور ممکن نہیں وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے
حالانکہ ابھی آپ نے آیات قرآنی سے معلوم کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام سے (خلقاً طراً)
یعنی پرندوں کا پیدا کرنا ثابت ہے۔ پھر صفت خالق جس سے ظاہر ہوا لا یخلقون
شئی کے حکم میں کس طرح داخل ہو سکتا ہے؟ اور کلام الہی میں "تضاد" اور
"کذب" کوئی مسلمان کس طرح تسلیم کر سکتا ہے جو مودودی صاحب کی تجویز
سے لادم آتا ہے۔

عقیدہ آخرت

اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ اسلام اور کفر کے درمیان فارق کیا چیز ہے؟ تو میں بے تکلف کہوں گا کہ عقیدہ آخرت فارق ہے۔ کیونکہ عقیدہ آخرت پر ایمان نہ لایا جائے تو اللہ پر ایمان لانا، رسولوں پر ایمان لانا، فرشتوں پر ایمان لانا، آسمانی کتابوں پر ایمان لانا، قدر خیر و نثر پر ایمان لانا، بیکار محض ہے۔ عقیدہ آخرت کا انکار دراصل اللہ کا انکار، رسولوں کا انکار، فرشتوں کا انکار، آسمانی کتابوں کا انکار ہے اور اس کا اقرار ان تمام اقراروں کو متضمن اور شامل ہے اس لئے عقیدہ آخرت مومن و کافر کے درمیان بھی خطِ فاصل کی حیثیت رکھتا ہے۔

عقیدے کے بعد عمل کو لیجئے۔ ایک شخص نماز پڑھتا ہے روزے رکھتا ہے زکوٰۃ ادا کرتا ہے۔ غرضیکہ تمام اعمال صالحہ سجا لاتا ہے۔ مگر فرس کیجئے وہ (بعث بعد الموت) یا عقیدہ آخرت کا قائل نہیں تو کیا اس کے تمام اعمال صالحہ بیکار رہ جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ انکار آخرت کے بعد کوئی شخص مومن نہیں رہ سکتا کافر ہو جائیگا اور اگر یہ انکار اس لئے ظاہر نہ کیا اپنے دل میں چھپائے رکھا اور مسلمانوں کے سبب اعمال کسی مصاحبت سے سجا لاتا رہا تو وہ مسلمان نہ ہوگا، منافق ہوگا۔ قرآن گواہ ہے کہ منافقین، دینی فرائض کی سجاوڑی میں مسلمانوں کے دوش بدوش رہتے تھے۔ گوردینی فرائض کی سجاوڑی کے باوجود وہ مسلمان نہیں مانے گئے منافق ہی رہے۔

معلوم ہوا کہ عقیدے میں خرابی ہو تو اعمال کی ظاہری صورتیں خواہ کتنی
 ہی اچھی کیوں نہ ہوں، رائی کے دانے کے برابر بھی ان کا وزن نہ ہوگا۔ یہی وجہ
 ہے کہ اعمال صالحہ کی بجا آوری پر ایمان لانے کو مقدم رکھا گیا ہے۔ قرآن میں
 ہر جگہ پہلے آمنوا ہے پھر عملوا الصالحات۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ فکر و نظر صالحہ نہ ہو تو کردار و عمل بے گناہ نہ ہوگا
 اسلام فکر و نظر کی صحت پر اعمال کی بنیاد رکھتا ہے۔ عقیدہ کی بات ہے؟ فکر و
 نظر کی پختگی کا اصطلاحی نام ہے۔ اگر عقیدے کو باغ نگاہی اور پختگی فکر کی تائید

حاصل نہیں ہے۔ تو پھر وہ عقیدہ نہیں۔ ایک بے جان اسم ہے، ایک
 فرسودہ سا خیال ہے۔ اسی طرح اگر فکر و نظر اللہ کی رستی سے بندھی ہوئی
 نہیں ہے، اور محض عالم محسوسات کی قید و بند میں جکڑی ہوئی ہے تو حاکم
 ہے، پختہ نہیں۔ فاسد ہے، صالح نہیں۔ شراب ہے، شراب کو شر نہیں۔

پس مومن کی فکر و نظر کو فراست مومنہ اور نور الہی سے ہم دوش و
 ہم آغوش ہونا چاہئے اور وہ جو خدا کے نور سے دیکھتا ہے اس کی نظر سے آخرت
 کس طرح اوجھل ہو سکتی ہے؟ دراصل عقیدہ آخرت وہ بنیادی پتھر ہے جس
 پر دین اسلام کی عالیشان عمارت کھڑی ہوئی ہے۔ اگر یہ نہیں تو پھر کوئی
 مواخذہ ہے؟ نہ باز پرس، نہ سزا ہے نہ جزا ہے نہ حساب ہے نہ کتاب ہے
 نہ جنت ہے نہ دوزخ ہے نہ عیش ہے نہ نشہ ہے۔ نہ عذاب قبر ہے۔

نزول قرآن کے وقت بھی وہ فکر و نظر جو محسوسات کی مقید تھی آخرت
 کی زندگی کا تصور قبول کرنے سے عاجز تھی اور حیرت و استعجاب کے ساتھ
 کہہ رہی تھی کہ گلی ہوئی ہڈیوں کو کون زندہ کرے؟ (یحيى العظام وھى رميم)
 اور آج بھی ماویٰ فکر و نظر اسی منزل میں ہے، مادہ پرستی کے فروغ و شیوع

کے اس دور میں ہمیں دوسروں سے زیادہ اپنوں سے شکایت ہے کہ وہ مسلمان ہو کر مادہ پرستوں کے ہمنوا ہو گئے اور شعوری طور پر یا غیر شعوری طور پر ان کی ہاں میں ہاں مل رہے ہیں۔ یوں تو ہر زمانہ میں مادی فکر و نظر کو روحانی اقتدار کو سمجھنے میں اور ان کے نتائج کو تسلیم کرنے سے عار و ہا ہے صرف یہ ہی نہیں بلکہ از آدم تا این دم ان دونوں میں نزاع و پیکار کا سلسلہ جاری ہے جو کبھی ختم نہ ہو گا۔ مگر عہد حاضر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مادی فکر و نظر کا لشکر روحانی اقتدار کے قلعوں میں فاتحانہ داخل ہوتا چلا جا رہا ہے۔ "ماریٹ" کی بنیاد مرصوص مادی افکار کی گولہ باری سے متزلزل ہو رہی ہے اور روحانی اقدار کی عرش بوس بروج مشیدہ پر مادی فکر و نظر کے جھنڈے بلند کئے جا رہے ہیں تاکہ وہ دشمن کی پلٹار سے محفوظ رہ سکیں۔ رومانی دنیا میں یہ احساس مرغوبیت، ماریٹ کی تنظیم حیدر اور اجبار دین کا بھیس بدل کر ظاہر ہو رہا ہے۔ اس صدی میں جس قدر فرقے یا جماعتیں اسلام کی تجارید اور دین کے اجبار کے نام سے وجود میں آئیں ان کے فکر و نظر کا جائزہ لیا جائے تو آسانی سے معلوم ہو جائیگا کہ یہ وہ منفر دین ہیں جو حصار اسلام پر دشمن کے حملہ کی تاب نہ لا کر بھاگ آئے ہیں ان کے اور اپنی شکست خوردہ ذہنیت کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے دنیا جہاں کے مسلمانوں کو دشمن کے آگے سپر انداز ہونے کا مشورہ دیر ہے۔

ماڈرن اسلام آپ ٹو ڈیٹ دین، دراصل مادی فکر و نظر سے اس قسم کی مصاحت ہے۔ جن میں ہمارے مجاہدین نے ماڈرنیت سے اس بات پر سمجھوتہ کر لیا ہے کہ

زمن حذر نہ کتی گر لباس دین دارم
ہفتہ کا فرم وبت در آسیتں دارم

اس لفظ پر تحدید و اجراء دین اس چیز کا نام ہو گیا کہ اسلامی قالب
 میں مادی فکر و نظر کی روح سرایت کر جائے۔ قالب ہی ہے، قلب بدل
 جا لباس وہی رہے، ملبوس بدل جائے۔ مجاز وہی رہے حقیقت بدل جائے
 جسم وہی رہے، روح بدل جائے عقیدہ آخرت کی تردید اور اس کی
 مخالفت میں بڑی بڑی حکومتیں اڑی چرٹی کا زور لگا رہی ہیں۔ ہندوستان
 کروڑوں روپے خرچ کر رہا ہے، ہندو دھرم کا پرچار، شری، اور تصنیف
 و تالیف اور تعلیم کے تمام شعبے، "آڈاگون" یا تناسخ کے عقیدے کی نشرو اشاعت
 میں لگے ہوئے ہیں۔ اس طرح عقیدہ آخرت کے خلاف عمل اور علیٰ حد و حد
 جاری ہے۔ ہندوؤں کے لچر بد مذہب کے ماننے والوں کی غالب اکثریت
 دنیا بھر میں عقیدہ آخرت کے خلاف سرگرم عمل ہے اور آڈاگون یا تناسخ کے
 عقیدے کی علم برداری ہے۔ اس کی تبلیغ و ترویج میں بے شمار دولت صرف
 کر رہی ہے۔

مذہبی دنیا سے نکل کر لادینی دنیا میں آکر دیکھئے۔ یہاں مذہب کا نام
 توہم پرستی ہے، اور بعد مرنے کے زندہ ہونا، قبر میں سوال و جواب۔ حشر میں
 حساب کتاب۔ عذاب، ثواب یہ سب باتیں یورپ، امریکہ اور ساری دنیا
 کے مادی فکر و نظر رکھنے والوں کے نزدیک نہ صرف عقل کے خلاف دور از وقت
 لچر از فہم ہیں۔ بلکہ توہم پرستی اور مضحکہ خیز تاریک خیالی ہے۔ غرضیکہ دنیا
 کی منظم اور طاقتور حکومتیں لاد مذہبیت اور لادینیت کی علم بردار اور عقیدہ
 آخرت کو تاریک خیالی اور توہم پرستی سے زیادہ اور کچھ سمجھنے کے لئے تیار نہیں
 ہیں۔ بے خبر اور کم نظر ہوتے تو ان اعتراضات سے ضرور مرعوب ہوتے اور حجر
 اسود کو چومنا یا اس پر سجدہ کرنا چھوڑ دیتے، دیارت قہور سے باز آجاتے اور سمجھ لیتے

کہ واقعی جو لوگ مر گئے قبر میں ان کی ہڈیاں گل گئیں خاک ہو گئیں۔ ان کی قبروں پر جا کر یہ کہنا کہ اے قبر والو تم پر سلامتی ہو۔ (سلام علیکم یا اهل القبور السلام علیکم) تو ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے کہتا ہے۔ دوسرا مسلمان سلام کہنے والے کو جواب دینے پر مامور ہے جس طرح سلام کا جواب نہ دینا گناہ ہے بالکل اسی طرح یہ بھی درست ہے کہ مٹی کے ڈھیر سے یا قبر سے سلام کہا جائے اور قبر والے بھی مٹی کے ڈھیر ہوں تو ان سے بھی السلام علیکم کہنا جائز نہ ہو گا۔ کیونکہ مٹی کے ڈھیر میں سننے کی صلاحیت ہے نہ سن کہ جواب دینے کی استعداد ہے ایسی صورت میں اہل قبور پر سلام بھیجنا فعل عبث ہے اور فعل عبث کی نسبت شارع علیہ السلام کی طرف لازم آئے گی خدا اس سے محفوظ رکھے، مگر مادہ پرستوں سے مرعوب و متاثر ہو کر مسلمانوں کے ایک گروہ کے پھر مان لیا کہ زیارت قبور، قبر پرستی ہے۔ وہ یہ بھی مان گئے کہ قبر میں گلی ہڈیوں کے سوائے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ انہوں نے یہ بھی حکم لگایا کہ روحانی فیوض و برکات بھی کوئی چیز نہیں اہل قبور سے کوئی فیض کسی کو نہیں پہنچ سکتا۔ انہوں نے کہا کہ کتاب فیض کی بیت سے جانا بھی شرک اور عقیدہ بھی شرک، حالانکہ یہ فتویٰ مادہ پرستانہ ذہنیت کا منظر ہے اور خود شارع علیہ السلام کے ان احکامات کا نسخ ہے جو زیارت قبور اور آداب زیارت سے متعلق ہیں۔ ان میں ایک حکم وہ بھی ہے جو ہم نے بتایا وہ یہ کہ اہل قبور سے کہا جائے۔ (سلام علیکم یا اهل القبور)

اس حکم سے نو ثابت ہوتا ہے کہ اہل قبور صحیح سلامت، صاحب سماعت اہل ادراک ہیں۔ دعا سلامتی کو سنتے ہیں اور دعا کے ساتھ نذر کو بھی سنتے ہیں، ورنہ صرف نذر کے ساتھ یا اہل القبور۔ تجویز نہ کیا جاتا۔

پھر کس قدر تعجب اور حیرت کی بات ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنی امت کو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ وہ مسلمان کی موت اور زندگی میں زیارت قبر کے وقت کوئی فرق نہ کریں۔ بلکہ جس طرح زندگی میں بروقت ملاقات اسلام علیکم کہا جاتا تھا اسی طرح بعد وفات بھی روحانی ملاقات یعنی زیارت قبور کے وقت اسلام علیکم کہیں اور حرفِ نذا کے ساتھ اہل قبور سے خطاب کریں یا اهل القبور۔ اے قبور! اور مگر ہمارے مسلمان بھائی، اپنے پیارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس روشن تعلیم کے خلاف اہل قبور کو حرفِ نذار کے ساتھ بکارنا شرک بتائیں بلکہ ان کے نزدیک "اسلام علیک یا رسول اللہ کہنا بھی نذار غیر اللہ اور شرک ہے۔ یا بنی سلام علیک کہنا بھی شرک ہے۔" اور یہ شرک جائز بھی ہے۔ اگر گنبدِ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت ہی شرک کہہ دیا جائے تو نذر اللہ والے وہاں وہاں کے جائیں۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ گنبدِ حضرت ابراہیم علیہ السلام کیا جاتا ہے یا نذار کی جاتی ہے تو قربِ مکانی کی وجہ سے آپ سن لیتے ہیں۔ اور دور دراز مقام سے بعد مکانی کی وجہ سے آپ نہیں سن سکتے اس لئے وہاں سے خطاب اور نذار جائز نہ ہوگی۔ ان لوگوں کو کون سمجھائے کہ یہ قرب و بعد، غیب و حضوری کی نسبتیں خود ہمارے اپنے شعور کی کیفیات ہیں۔ ورنہ روح کیلئے قرب و بعد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ارواحِ مومنین کا عالم برزخ میں ہونا مسلم ہونے کے باوجود شارعِ علیہ السلام کا زیارت قبور کی ترغیب دینا اور بروقت زیارتِ السلام علیکم یا اهل القبور تعلیم فرمانا کیا اس حقیقت کو اظہر من الشمس کو ثابت نہیں کر رہا ہے کہ عہدِ در راہِ عشق مرحلہ قرب و بعد نیست۔ شبِ معراج حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف مقامات پر دیکھا کہیں آپ کی اقتدار میں نماز پڑھ رہے ہیں۔

کہیں اپنی قبر میں نظر آتے ہیں، کہیں آسمان پر ملاقات ہوتی ہے، باتیں ہوتی ہیں خود معراج کا واقعہ زمان و مکان کی حدود و قیود اور قرب و بعد کی اعتبار کی نسبتوں کے خلاف بلند بانگ اعلان بغاوت ہے، مگر افسوس ہے کہ صاحب معراج کی امت میں ایسے افراد بھی ہیں جو روحانی منزل کے اس مقام میں ہیں یہاں روح جسم بن جاتی ہے۔ اسی لئے وہ اس مقام کو جانتے پہچانتے بھی نہیں جہاں جسم روح بن جاتا ہے۔۔۔۔۔ جبیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ:-

اجسادنا ارواحنا اجادنا۔۔۔۔۔ یہاں جسم و روح کا تفرقہ مٹ گیا یہ منزل مادہ پرستی کی راہ سے آیا اور اس مادہ پرستی نے فرقہ ظاہری کو جنم دیا۔ جس نے اسلام کی تمام روحانی اقدار کو فنا کر دینے کا نام اسلام رکھ لیا۔ روحانی زندگی کا طرح طرح سے انکار کر دینا ان کے نزدیک ضروریات دینی میں سے ہے، وہ تمام باتیں جو کسی نہ کسی حیثیت سے روحانی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں ان کے نزدیک غیر مندرجہ اور غیر مستحسن ہیں۔ زیارت قبور، فاتحہ درود، ایصال ثواب، میلاد شریف، بزرگان دین کے اعزاز۔۔۔۔۔ کیا ہیں؟ اسلاف سے روحانی زندگی کا اعتراف ہے۔ بزرگان دین کی حیات طیبہ اور ان کی اخروی زندگی کا اذعان ان امور میں مضمر ہے۔۔۔۔۔ عبرت اور تذکرہ آخرت کیلئے یہ بہترین مواقع ہیں۔ مساکین اور فقراء کو ان مواقع پر کھانا کھلانا۔۔۔۔۔ بندگان خدا کو نفع رسائی ہے، مگر یہ تمام امور ان کے نزدیک ناجائز اور شرک بدعت ہیں۔۔۔۔۔ دراصل اس قسم کی روشنی میں مادہ پرستانہ فکر و نظر کے خط و غال بد ہی طور پر روشن نظر آتے ہیں اور یہاں مادیت لباس دین میں جلوہ گر نظر آتی ہے، مسلمان مشرک ہو ہی نہیں سکتا، اسلامی نقطہ نظر سے غیر اللہ کی عبادت کو نبی اللہ (ص) کے ساتھ ہے، یہ اللہ کی رحمت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت اور اسلام کی حقانیت ہے کہ ہر وہ شخص جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (ص) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قائل ہے، بڑے بڑے مولوی کی طرح یہ خرابی سے بچتا ہے کہ خدا

حدیث نبوی

بہت سی حدیثیں ایسی ہیں جو صوفیائے کرام اور اولیاء اللہ کے نزدیک
 تو صحیح ہیں مگر محدثین کے طریق پر وہ ثابت نہیں ہیں اس لئے وہ ان کو بطور
 حجت تسلیم نہیں کرتے۔ حدیث کی متداول کتابوں میں یہ احادیث نہیں ملتیں۔ اس
 کی کئی وجوہ ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ دعویٰ کسی محدث نے نہیں کیا کہ ان کتابوں میں
 تمام احادیث جمع کر دی گئی ہیں ان سے باہر کوئی حدیث نہیں ہے۔ نہ الیاء دعویٰ
 کیا جاسکتا ہے کیونکہ بے شمار حدیثیں ان کتابوں سے باہر ہیں۔ دوسری وجہ
 یہ ہے کہ بہت سی احادیث جو مشائخ اور صوفیاء اور اولیاء اللہ اہل کشف کے
 یہاں ثابت ہیں وہ بطریق محدثین ثابت نہیں ہیں کیونکہ ان کے یہاں اسما الرجال
 کا سلسلہ ہے اور ان کے یہاں اسما الشیوخ کا سلسلہ ہے جو بمنزلہ سلسلہ حدیث
 ہی ہے مگر محدثین کے یہاں متعارف نہیں ہے۔ اہل طریقت کے یہاں وہ سلسلہ
 متعارف اور مستند ہے اور مشائخ سلسلہ اسی طرح ثقافت میں جس طرح راویان
 حدیث ثقافت ہیں۔ پس جو احادیث سلسلہ طریقت میں راجح و شائع ہیں انکی
 صحت میں وہی لوگ شہرہ کر سکتے ہیں جو طریق ولایت اور سلسلہ اولیاء اللہ کے منکر
 ہیں۔ حالانکہ اجتماع امت اور برائین کتاب و سنت سے یہ چیزیں ثابت ہیں اور
 اولیاء اللہ کی صداقت پر دور میں عالم پر آشکار ہوتی تھی ہے ان سے کرامتوں کا
 ظہور ان کے طریق ولایت پر اور ان کے سلسلہ طریقت کی صحت پر حجت ہوتا ہے

”منکر ولایت“ کوئی مسلمان نہیں ہو سکتا اور اس لئے اولیاء اللہ کا منکر بھی کوئی مسلمان نہیں ہو سکتا نہ اولیاء اللہ کے طریق کا منکر ہو سکتا ہے کیونکہ صراطِ مستقیم اسی طریق کا نام ہے جو اولیاء اللہ کا طریق ہے ان کے علاوہ دوسرا طریق اعداء اللہ کا ہے جو مفسدین اور ضالین ہیں پس علم و ادب کا تقاضا اور ایمان کا مطالعہ یہی ہے کہ اولیاء اللہ کے طریق کو اختیار کیا جائے اور اعداء اللہ کے طریق مفسدین اور ضالین کے لئے مخصوص چھوڑ دیا جائے۔ اھ۔ نا لصراطِ المستقیم میں ہم شعوری و غیر شعوری طور پر اولیاء اللہ کے راستہ پر چلنے کی دعائیں مانگتے ہیں ”وہی“ مفہوم کلی کا اسم ہے، جو بنی، صدیق، شہید اور صالحین سب کو شامل ہے، کوئی بنی اس وقت تک بنی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ ولی نہ ہو۔ اس لئے تمام انبیاء علیہم السلام اولاً اولیاء اللہ ہیں چونکہ بنی اللہ کا نام نہیں ہے اس لئے نبوت ختم ہو گئی اور چونکہ ولی اللہ کا نام ہے اس لئے ولایت باقی ہے اور باقی رہی کیونکہ خدا کی کوئی صفت کبھی متعلیٰ نہیں۔ پس ولایت صفتِ حق اور اولیاء اللہ صفتِ ولایت کے منظم ہیں اس لئے اللہ کی قدرت، بنی کا معجزہ اور ولی کی کرامت ایک ہی حقیقت کے تین رخ ہیں۔ مساہل ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

مقام ولایت قرب الہی کی اس نسبت کا نام ہے جس میں بندہ مرضیاتِ حق میں اپنی لفانی خواہشوں سے الگ ہو کر حق کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے۔ اصطلاح میں اس کیفیت کو ”فنا اور بقا“ سے تعبیر کیا جاتا ہے فنا سے مراد نفس جزئی کے تقاضوں کا فنا ہو جانا اور بقا سے مراد نفسِ کلی کے داعیات کا بیدار ہو جانا ہے، اس مقام میں جبکہ بندہ اپنی جزئی خودی سے دور ہو جاتا ہے۔ کلی خودی سے جو خدا کی صفت ہے باقی رہتا ہے اس کی فکر و نظر میں کلیت آجاتی ہے اس کے علم و عمل میں ہمہ گیری پیدا ہو جاتی ہے۔ شیخِ نفس لوٹ جاتا ہے

خود عزہنی اور نفس پرستی سے نجات مل جاتی ہے۔ اس کے انکار و اشتغال ،
اقوال و اعمال سے اس کی نسبت اٹھ جاتی ہے۔ خدا کی نسبت قائم ہو جاتی ہے
اس حقیقت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

كنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرا الذی

یبصر بہ و کیدۃ الیٰ الیٰ یبطل بہ و رجلا الیٰ الیٰ

پس اہل کشف اولیاء اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست حدیثیں لی

ہیں اور احادیث متراولہ کی صحت و سقم کے بارے میں استمزاج کیا ہے اور حسب

ارشاد عمل کیا ہے۔ پس جو حدیثیں اولیاء اللہ نے قبول فرمائی خواہ وہ بطریق

محدثین ثابت نہ ہوں پھر بھی اس سے یہ لازم نہیں۔ تاکہ وہ حدیث ہی نہیں ہیں یا

اہل کشف کے نزدیک بھی ثابت نہیں ہیں۔ یا کشف الہی راویوں کے اقوال کا محتاج

ہے بلکہ اس کے برعکس راوی سے سہو و نسیان اور خطا کا ہر وقت امکان ہے

اور کشف الہی اس قسم کے عوارض سے پاک ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض احادیث جو

بطریق محدثین ثابت ہیں اہل کشف نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے استمزاج

کیا تو آپ نے اس کی صحت کو تسلیم نہیں فرمایا اور بعض احادیث میں راوی

ضعیف ہیں ان کے متعلق حضور نے فرمایا کہ ان میں باوجود ضعف کے وہ راوی

سچا ہے۔

شُرک اور بدعت

اللہ تعالیٰ سب دین السموات و الارض ہے ابداع اسکی صفت ہے۔ ابداع ایسی نئی چیز پیدا کرنے کو کہتے ہیں جس کی مثال پہلے موجود نہ ہو۔ ان معنوں میں بدعت "اس چیز کو پیدا کرنے کا نام ہے جس کی مثال سابق نہ پائی جاتی ہو۔"

زبان شریعت میں بدعت کے یہ معنی ہیں کہ دین میں کوئی ایسی چیز پیدا کی جائے جس کی مثال تکمیل دین کے دور میں نہ پائی جاتی ہو۔ ایسی چیزیں محدثات اعدی بھی کہلاتی ہیں، اور بدعت کی عتق یقیناً گمراہی ہے۔ کیونکہ دین کا مسل ہو چکا ہے، راہ ہدایت متعین ہو چکی ہے اس لئے اب جو کوئی اس راہ ہدایت کو چھوڑ کر اپنی رائے یا نئی پگڈنڈی نکالتا ہے، اس کا نام صراط مستقیم سے انحراف کے سوا کچھ اور کچھ بھی نہیں ہوگا۔ یہی بدعت ہے۔ اسی کا نام گمراہی ہے۔ اسی کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

پس امور دینی میں جو محدثات ہیں وہ ایک طرف اجمال دین کے قائل ہیں تو دوسری طرف صراط مستقیم سے انحراف و اوجاج کو مستلزم ہیں، اسلئے ان محدثات امور کو نہ تو دین میں داخل کیا جائے گا نہ ان پر عمل کرنے کی اجازت دی جائے گی۔ نہ ان پر عمل پیرا ہونے والوں کو گمراہی سے محفوظ اور جہنم سے مصون سمجھا جائے گا۔ یہی معنی ہیں اس حدیث مبارکہ کے جس میں فرمایا گیا ہے

کل بدعت ضلالت و کل ضلالتہ فی النار۔

ضلالت ہدایت کی ضد ہے اور جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں، راہ ہدایت متعین ہو چکی ہے، اس راہ ہدایت کو چھڑ کر نئی راہ نکالنا اسی کا نام اصطلاح شرع میں بدعت ہے اور یہ کھلی گمراہی ہے اور جہنمی فعل ہے۔ دین میں کوئی نئی چیز پیدا کرنا بدعت ہے اور اس قسم کی ہر بدعت ضلالت ہے جو منافی ہدایت ہے اس لئے اس کا انجام کار جہنم ہے۔

اب اگر کوئی بدعت کے یہ معنی جو ہم نے بتائے ہیں نہیں ماننا اور مطلقاً ہر بدعت کو ضلالت کہتا ہے، وہ کتاب و سنت کے حقائق سے لاعلم ہے۔ اور اللہ کی صفت ابداع کا منکر ہے اس کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اللہ کا اسم "بدیع" ازل سے ابد تک الٰہی الٰہی نئی نئی چیزیں تازہ تازہ نو بنوعالم ظہور کو عطا فرماتا رہے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے اسم بدیع سے متجلی نہ فرمائے تو عالم ظہور میں کسی نئی چیز کا وجود ممکن ہو جاتا۔ مگر یہ کسی طرح ممکن ہے وہ معطلہ جا ملتا ہے اور وہ جہنمی ہے اس میں سب متفق ہیں اس لئے کوئی مسلمان نہ تو اللہ تعالیٰ کی صفت ابداع کا منکر ہو سکتا ہے۔ اس کی صفت کو معطل تسلیم کر سکتا ہے، نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ کی صفت ابداع سے ہر آن نئی نئی چیزیں عالم ظہور میں آتی رہیں گی اور یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ وہ لوگ جو ہر بدعت کو گمراہی کہتے ہیں اور خود کو ما جہان بدعت کہلاتے ہیں پہلے اللہ کے اسم بدیع کو تو قرآن سے محو کر دیں۔ پھر یہ کہیں کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

اسما سے الٰہیہ کے حقائق ازل سے ابد تک کار گزار
شُرک فی البدعت اور فعال ہیں نہ تو ان میں تعطل کا گزرا ہے نہ ان کی فعالیت میں غیر اللہ کے فعل کو دخل ہے۔ یاد رکھئے کہ فاعل حقیقی صرف اللہ

یہی ہے اللہ کے سوا کے سب منفعل ہیں کوئی فاعل نہیں۔ سب متاثر ہیں
کوئی مؤثر نہیں۔ مؤثر اللہ ہی ہے۔ قرآن مجید میں طرح طرح سے اس حقیقت کو
بے نقاب کیا گیا ہے اسباب خارجہ اور اکتساب الساببہ سے جو امور ظہور پذیر
ہوتے ہیں ان امور کی نسبت خدا نے اپنی طرف فرمائی ہے۔ اسباب خارجہ
اور اکتساب الساببہ سے ان امور کو منسوب نہیں کیا گیا۔

کون نہیں جانتا کہ کھیتی باڑی، زراعت اور درخت لگانے کا کام کسان یا
زارع کی اکتسابی صلاحیتوں کا مرہون منت ہوتا ہے۔ مگر قرآن مجید میں خدا
فرماتا ہے اَنْتُمْ تَزْرَعُونَ اَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ۔ یعنی وہ درخت لگانے
وہ لے تم ہو یا زارع ہم ہیں۔

بارش کے اسباب خارجی علم و حکمت کی آنکھ سے پوشیدہ نہیں ہیں۔
مان سون اٹھتا ہے، دریاؤں سے ابخراں مرفع ہوتے ہیں، بادل بھگڑ سواؤں
کے کندھوں پر چلتے ہیں اور دنیا جہاں میں بستے ہیں، مگر قرآن مجید بارش کے تمام
مادی اسباب کو اور خود بارش کو صرف خدا کی مرضی سے تعبیر کرتا ہے۔ خدا ہی
بادلوں کو ہانکتا ہے، چلاتا ہے جہاں چاہتا ہے بیستاتا ہے اور بارش سے جو ہرالی
پیدا ہوتی ہے اس کی سرسبزی اور شادابی کو مردہ زمین کے حق میں عطا کے ذریعہ
کالغ اہم قرار دیتا ہے۔

کیف یحییٰ الارض بعد موتھا

یعنی خدا نے مردہ زمین کو کیسا زندہ کیا؟

دریاں کشتی چلتی ہے، کشتی بنانے والا انسان ہے۔ کشتی چلانے والا

ناخبر انسان ہے۔ مگر خدا کے پاک الٰہی مادی اسباب کی طرف ہمیں منوجہ

نہیں کرتا کہ کشتی کو چلانے کی نسبت اپنی طرف فرماتا ہے وہی ناؤ کھینے والا ہے وہی

پاراگائے دالائے درمیانی وسائل و وساطت ناقابل اعتنا ہیں۔

قرآن مجید میں ہزار ہا مثالیں موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کارخانہ عالم کا پورا انتظام خدا کے غالب و توانا کے ہاتھ میں ہے اور وہی تہا بلا شکر کمت غیر کے فاعل و منتصرف ہے۔ وہی حمل و قوت کا واحد مرکز ہے اس کے باسواں ہاں لفظ حمل یا بالقوی کوئی طاقت کوئی قوت نہیں ہے۔

غور سے دیکھا جائے تو ما سوا کے خدا کا کوئی وجود بھی نہیں ہے موجودات **ما سوا** عالم کو ہم موجودات صرف ان معنوں میں تو کہتے ہیں کہ وہ خدا کے

موجود کرنے سے موجود ہیں۔ خدا نے ان کو پیدا کیا، ایجاد کیا، وجود عطا کیا اور خدا ہی ان کو نابید کر لے والا، فنا کرنے والا۔ معدوم کرنے والا ہے۔

جب صورت حال یہ ہے تو موجودات عالم کا وجود حقیقی نہ ہوا کیونکہ وجود حقیقی کی تعریف تو یہ ہے کہ وہ اپنی ذات سے خود موجود ہو کسی نے اس کو ایجاد نہ کیا ہو۔ وجود کی یہ تعریف خودات میں سے کسی پر بھی صادق نہیں آتی پھر وہ حقیقی کے معنوں میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ ازلی ابلی ہیں یہ مدعی بھی مخلوقات

کے وجود میں نہیں پائے جاتے، حدوث زوال مخلوقات کا مقدر ہیں اس لئے

الذلت اور ابدیت اس کا وصف ہو ہی نہیں سکتا، ان کا وصف تو یہ ہے کہ وہ کبھی ہیں کبھی نہیں ہیں ابھی تھے ابھی کچھ تھے ابھی کچھ ہیں اس

لحاظ سے ان کا عدم وجود برابر ہے۔ دونوں جہات ان کی مساوی ہیں

ایک طرف وہ وجود کو قبول کرتی ہیں تو دوسری طرف عدم کو بھی قبول کرتی

ہیں اور یہ سب جانتے ہیں کہ وجود کبھی عدم کو قبول ہی نہیں کرتا نہ عدم نہ

کبھی وجود کو قبول کرتا ہے، اگر ایسا ہو تو پھر انقلاب حقائق محال نہ ہے

ممکن ہو جائے اور یہ کبھی نہیں ہو سکتا، اسی طرح وجود حقیقی کے معنوں میں

احاطت اور کلیت بھی شامل ہے یہ صفت بھی وجود باری تعالیٰ کے لئے خاص ہے۔ مخلوقات میں سے کسی کا وجود بھی محیط کل نہیں ہے۔ موجودات عالم منفرداً بھی اور مجتمعاً بھی محیط نہیں محاط ہیں۔ گھیرے ہوئے نہیں ہیں بلکہ گھری ہوئی ہیں زمان و مکان کی قید و بند میں گھری ہوئی ہیں۔ کیفیت و کم رنگ و شکل، جہت و فصل کی حدود و قیود میں گھری ہوئی ہیں اس لئے ان میں احاطت اور کلیت کی صفت بھی نہیں ہے۔ پس ان معنوں میں وہ صفت وجود سے موصوف بھی نہیں ہیں۔ غرضیکہ "وجہ" کے جو اوصاف ہیں وہ موجودات میں مستحق نہیں ہوتے۔ بلکہ ان کے موجود میں مستحق ہوتے ہیں۔ اس لئے اصلی وجود ان کے موجود کا ہے۔ موجودات کا کوئی وجود اصلی نہیں ان کی اصل انکا موجود ہے۔ موجود حقیقی ہی موجود حقیقی ہے۔ موجودات پر اس کے وجود کا فیضان ہے۔ یہ فیضان وجود ان کو معرض وجود میں لایا ہے اور موجود بنا کر دکھلا رہا ہے جس طرح سورج کی ان گنت شعاعیں اور ان کے ظلال و عکس موجود نظر آتے ہیں، مگر غور سے دیکھا جائے تو شعاعوں کا وجود حقیقی ہے نہ دھوپ کا وجود اصلی ہے نہ ظلالی عکس کا وجود اصلی ہے اصلی وجود صرف سورج کا ہے سورج موجود ہے تو دھوپ سارے ظلال و عکس کو نہیں اور شعاعیں سب موجود دکھاتی رہتی ہیں۔ سورج نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

یہی حال موجودات کے وجود کا ہے یہ موجودات وجود حقیقی کے سہارے سے قائم ہیں بلکہ بیچ بچھے تو ہم جنہیں موجودات کہتے ہیں اور ما سوا اللہ سمجھتے ہیں۔ یہ سب کچھ اللہ پاک ہی کے وجود کا مختلف صورتوں میں ظہور ہے۔ اس کا غیر دونوں جہاں میں کوئی نہیں ہے۔ کیونکہ جو کچھ بھی دونوں جہاں میں پایا جاتا ہے وہ خدائے واحد کے قبضہ قدرت میں مغلوب و مقہور ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ وہ

اسی کی مخلوق ہے اور مخلوق کے متعلق تمہیں ابھی طرح جان لینا چاہئے کہ وہ صفت
 خلاق کا ظہور ہے اور صفت خلاق کا یہ ظہور جو مخلوقات سے ہو رہا ہے اس سے
 غیر اللہ کے وجود پر دلیل قائم کرنا عقل کے اوندھے پن پر دلیل ہے عقل صحیح
 مخلوقات کے وجود سے خالق کے وجود پر استدلال کرتی ہے اور وہ جس
 مخلوقات میں غور کرتی ہے مخلوقات کی صفات کا پردہ چاک ہو جاتا ہے
 اور اس پردے کے پیچھے صفات الہیہ مسکراتی ہوئی نظر آنے لگتی ہیں کیونکہ
 مخلوقات کا وجود ہی اپنا نہیں تو پھر کونسی چیز اس کی ہوگی؟ جس لئے مخلوقات
 کو وجود دیا ہے اسی نے مخلوقات کو صفات بھی عطا کی ہیں، اس لئے مخلوقات
 کے پاس وجود سے لے کر نمود تک اور ذات سے لے کر صفات تک کچھ بھی ان کا
 ذاتی نہیں۔ اللہ ہی کی ہیں اولاد اللہ ہی ہے جس کی صفات مخلوقات کے آئینہ
 خانے میں اپنا منہ آب دیکھ رہی ہیں۔

اللہ پاک کا غیر عالم وجود میں کون ہو سکتا ہے؟ کیونکہ عالم وجود
 میں بلا شرکت غیرے وہی کار فرما ہے جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں ہم
 اس کو ذرا تفصیل سے بتانا چاہتے ہیں۔ وجود کا غیر کیا ہے؟ کہئے عدم وجود کا غیر
 ہے یا وجود ہی وجود کا غیر ہے؟ ظاہر ہے کہ وجود تو وجود کا غیر نہیں ہے ہاں عدم کو
 البتہ ہم وجود کا غیر کہہ سکتے ہیں، اگر یہ بات صحیح ہے تو وجود کا غیر موجود نہیں، معدوم
 ہے اور جب وجود کا غیر صفت وجود سے موصوف نہیں ہے تو مسلمہ طور پر وہ
 معدوم ہے معلوم ہوا کہ وجود صفت حق ہے اور جہاں خدا موجود ہے وہاں کوئی
 اس کا غیر موجود نہیں ہے، خدا کہاں موجود نہیں ہے وہ محیط کل ہے ہر جگہ موجود
 ہے تو پھر کہیں بھی اس کا غیر موجود نہیں ہے۔

وہی اول ہے وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے اور کل چیزیں

اپنے تعینات و تشخصات کے ساتھ اس کے علم میں ویسی ہی موجود ہیں جیسی کہ وہ پیدا ہونے سے پہلے اس کے علم میں موجود تھیں اس لئے تمام چیزیں معلوم ہوتی ہیں اور حق کی علمی صورتوں کا دوسرا نام موجودات ہے وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ جو چیزیں خدا کے علم میں تھیں وہی عالم ظہور میں پیدا ہوئیں "شئی عَرَفِي میں شَاءَ لِيَشَاءَ سے ہے اس کے معنی ہیں چاہتا۔ مطلب یہ ہوا کہ خدا نے چاہا وہی شے پیدا ہو گئی۔ اسی حقیقت کو قرآن نے ان لفظوں میں واضح کیا،

الْمَا آهْرَةَ إِذَا أَسْرَادَ شَيْئَانِ يَقُولُ لَذِكْنُ فَيَكُونُ هُ

اس آیت مبارکہ میں تدبیر کرو اور دیکھو کہ ہر چیز کے وجود کو اس کے وجود علمی کو کس طرح تقدیم حاصل ہے؟

میرا مطلب یہ ہے کہ جو چیز موجود ہے وہی امر کن کی مخاطب بھی ہے اور جو چیز موجود نہیں ہے وہ خطاب کن کو سن بھی نہیں سکتی۔ اب تم یہ کہو گے کہ اس صورت میں کہ چیز پہلے سے موجود ہے اس سے خطاب کن تحصیل حاصل ہے جو چیز موجود ہے اس سے یہ کہتا کہ موجود ہو جا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ میں تمہیں پھر توجہ دلانا ہوں بقول لَذِکْنُ کی تفسیر پر غور کرو۔ وہ شے کی طرف راجع ہے یا نہیں؟

مسلمہ طور پر لَذِکْنُ کی تفسیر شے کی طرف رجوع کرتی ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ خدا اس چیز سے کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ کیا بلاتا ہیں اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ شے جس سے کہا جاتا ہے کہ "ہو جا" پہلے سے موجود ہے۔ خطاب کن سنتی ہے رساعت خطاب کے بعد منزلی اطاعت میں قدم رکھتی ہے اور ظاہر ہو جاتی ہے۔ اس ظہور کو ہم نے وجود کوئی سے تعبیر کیا ہے اور اس وجود کو جس نے خطاب کن کی سماعت اطاعت

کا ثبوت حاصل کیا ہم وجود علمی کہتے ہیں وہ وجود علمی جو کبھی علم حق سے میلناک
ہو اسے نہ ہوگا اور اس کو وجود کوئی بظاہر ہے کہ تقدیم حاصل ہے۔

حسب کائنات کی تمام چیزیں علم حق میں وجود علمی رکھتی ہیں۔ اور وجود کوئی
صرف وجود علمی کی صورت سے بازگشت ہے جس کو امرکن سے تعبیر کیا جاتا ہے
تو ہمیں اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ اشیاء کے عالم معلومات الہیہ کے سوال کے کچھ
بھی نہیں ہیں۔ اب ان چیزوں میں جو غیریت باہم پائی جاتی ہے وہ نہ حقیقی
ہوتی۔ محض اعتباری ہوتی۔ موطن سب کا ایک ہی ہے وہ علم الہی ہے اس
حقیقت کو سمجھنے میں کوئی اشکال نہیں ہے کہ علم میں مختلف اور متضاد معلومات
جمع ہو سکتی ہیں۔ مثلاً آگ اور پانی دو متضاد چیزیں ہیں اور یکساں
صفتوں کا یہ مجتہعات جمع نہیں ہو سکتیں، مگر مرتبہ علم میں یہ دونوں
چیزیں اچھی طرح جمع ہیں جس علم سے ہم آگ کو جانتے ہیں اسی علم سے ہم
کو جانتے ہیں۔ پس معلومات مختلفہ مرتبہ علم میں جمع ہو جاتی ہیں اور عالم
وہی ہے جس کو علم حاصل ہو اور علم وہی ہے جو معلومات پر مشتمل ہو۔
چونکہ خدا کا علم کامل ہے اور کئی ہے اس لئے وہ تمام معلومات
کو جامع ہے اس لئے موجودات بھی علم الہی میں معلومات کی حیثیت سے
ازل سے ابد تک موجود ہیں اور ان میں جو حدوث اور حال رونما ہوتا ہے
اس سے علم الہی میں انقلاب نہیں آتا بلکہ علم الہی کے مطابق حدوث و زوال
تغیر و تبدل رونما ہوتا ہے۔

اس تہیید کے بعد میں نفس مہنون کی طرف رجوع کرتا ہوں اور یہ
واضح کرنا چاہتا ہوں کہ خدا اپنی ذات و صفات میں یکساں و یکساں ہے اس

کی ذات و صفات میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ وہی فاعل حقیقی ہے
 وہی موثر حقیقی ہے۔ وہی موجود حقیقی ہے "حقیقی" اس لئے لگایا گیا ہے
 کہ "مجازی" سے اس کو ممتاز کیا جاسکے اگرچہ مجازی نسبتیں ہم جن چیزوں سے
 لگاتے ہیں وہ بھی حقیقتاً خدا ہی کی طرف رجوع کرتی ہیں اس لئے اس امتیاز
 سے اثبات غیریت نہیں بلکہ ارتفاح غیریت ہی مفہود ہے پھر بھی افہام
 و تفہیم کے لئے امتیاز کا قائم رکھنا ضروری ہے۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ خدا کے
 سوائے کوئی موجود ہی نہیں تو فاعل کون ہو اور موثر کون ہو گا موجود کون
 ہو گا۔

مشرک صحیح معنوں میں مشرک وہ ہے جو خدا کے مقابلے میں خود کو
 فاعل موثر اور موجود جانتا ہے۔

اس نقطہ نظر سے تو جتنے آدمی اتنے ہی خدا بن جاتے ہیں، عالم کثرت
 میں ہر انسان فاعل ہے ہر انسان موثر، ہر انسان موجود تو بتالیس وحدت
 کہاں اور کس طرح ثابت ہوگی؟
 علماء رسوم جو مسلمانوں کو مشرک قرار دینے میں بیباک ہے، خود اپنے
 شرک پر مطلع نہیں یہ کس قدر حیرت کا مقام ہے ان کا عجیب حال ہے کہ وہ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم غیب کی نفی شرک کے ڈر سے کرتے
 ہیں۔ کیونکہ ان کے زعم میں عالم الغیب خدا ہے اب جو کوئی خدا کی اس
 صفت میں کسی دوسرے کو شریک کرتا ہے تو وہ مشرک ہو جاتا ہے۔ ہم اصل
 مسئلہ پر کچھ کہے بغیر ان سے پوچھتے ہیں کہ اگر یہ کلیتہً جو تم نے پیش کیا ہے صحیح
 ہے تو اس کلیتہً کی بنا پر دوسری صفات الہیہ میں بھی کسی کو شریک کرنے والا شرک
 ہو گیا نہیں؟ اگر ہو گا اور یقیناً ہو گا تو پھر خدا عالم الغیب ہی نہیں عالم ہی ہے

علم اس کی صفت خاص ہے۔ پس ہر وہ شخص جو خود کو عالم سمجھتا ہے، عالم کہا کر خوش ہوتا ہے۔ مشرک ہو گا یا نہیں۔ یقیناً ہو گا۔ کیونکہ یہ خدا کی صفت علم میں شرک ہے۔ صفت علم ہی پر کیا منحصر ہے۔ الہی خدا کا نام ہے۔ حیات اللہ کی صفت ہے۔ زندہ اللہ ہے۔ اب جو کوئی خود کو صفت حیات سے موصوف سمجھتا ہے وہ اللہ کی صفت حیات میں شرک کرتا ہے۔ اللہ پاک سمیع و بصیر ہے۔ اب جو کوئی خود کو علم و بصیر سمجھتا ہے وہ اللہ کی صفت سماعت و بصارت میں شرک نہیں کر رہا ہے تو کیا کر رہا ہے۔ ارادہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اب جو کوئی خود کو یا دوسروں کو صفت ارادہ سے موصوف خیال کرتا ہے اسکے شرک ہونے میں کیا شک ہے؟

کلام اللہ کی صفت ہے۔ اب جو کوئی کلام کو اپنی صفت اعتقاد کرتا ہے وہ مشرک نہیں تو کیا ہے؟

اس طرح ایک ایک کر کے تمام صفات الہیہ کو لے لیجئے۔ وہ صفات جو اللہ پاک سے منسوب ہیں، بندوں سے بھی منسوب کی جاتی ہیں یہ شرک فی الصفات نہیں تو کیا ہے۔ اگر یہ شرک نہیں ہے تو پھر اس نظر پر کی تردید ہوتی ہے جیسا کہ کہا گیا تھا کہ عالم الغیب خدا کی صفت ہے اور اس صفت سے بنی علیہ السلام کو موصوف قرار دیا جائے گا تو شرک ہو گا۔ اسی طرح المسد یح اللہ پاک کی صفت خاص ہے، ایجاد و ابداع میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ اب جو کوئی صفت ابداع کو غیر اللہ سے منسوب کرتا ہے وہ مشرک ہے۔

اور جو شخص ہر بدعت کو مطلقاً ضالہ کہتا ہے، وہ اللہ کے اسم باریع کے معنوں سے واقف نہیں ہے اور یہ گمراہی کی انتہا ہے کہ وہ اپنے تہلیل پر مطلع بھی نہیں ہے اور اس کو یہ معلوم بھی نہیں کہ اللہ پاک

سَدِيعِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے اگر ہر بدعت کو گمراہی مانا جائے گا تو لازم آئے گا کہ اللہ کے اسمِ سَدِيعِ کی تجلیات کو ضلالت اور گمراہی تسلیم کیا جائے پناہ بخدا۔

پھر یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ عدم علم کی حالت میں وہ فتویٰ دیتے ہیں کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور اس فتوے کا عنوان اس حدیث مبارک کو بناتے ہیں جس میں اس بدعت کو جو تقیضِ یدایت ہے ضلالت فرمایا گیا ہے اور جس کا اطلاق محدثاتِ امور کی حدود تک محدود ہے۔ اور محدثاتِ امور میں امور سے مراد صرف امور وہی ہیں جو متعین ہیں اور نہ وہ امور ذہنی جو متعین نہیں ہیں ان میں کسی امر کا تعین یا بہت سے امور کا تعین سنت الہامی یا بدعتِ حسنہ ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا نماز نثر اذیع یا جماعت جاری کرنا بدعت خیال کیا گیا تو آپ نے کیا فرمایا۔

لعبت البدعت ہذا ہاں یہ اچھی بدعت ہے
وہ جو ہر بدعت کو مطلقاً گمراہی بتاتے ہیں اور سند میں کل بدعتِ ضلالہ پیش کرتے ہیں صند اور تعصب سے الگ ہو کر سوچیں کہ حدیث کے معنی جو انھوں نے سمجھے ہیں کیا ہیں کیا ان کی کھلی تڑوید حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول و عمل سے نہیں ہو گئی۔

لعبت البدعت ہذا کے صریح ارشاد سے تمہارا یہ غلط ادعا کہ ہر بدعت گمراہی ہے باطل نہیں ہو گیا؟ کیا اس ارشاد گمراہی سے بدعتِ حسنہ کا وجود ثابت نہیں ہو گیا؟ اور کیا بدعتِ سیئہ کا امتیاز نہیں ہو گیا (ردالمآ)

کیا نماز تراویح میں رکعات کے تعین سے اور ان کی باجماعت ادائیگی سے بدعت حسنہ کا اجراء، اس کا شیوع اور اس پر عہد عمر سے آج تک امت کا اجماعی تعامل ثابت نہیں ہے؟

خود صحابہ نے اس پر عمل کیا، تابعین عمل پیرا ہوئے، تبع تابعین کا عمل رہا اور امت کا عمل متواتر یہی ہے۔

پھر یہ کس قدر ایمان سود جرات اور ناخدا ان زمانہ بیباکی ہے کہ ہر بدعت کو گمراہی کہہ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے لے کر آج تک کے تمام مسلمانوں کو گمراہ قرار دیا جائے، سناٹ سے لے کر خافت تک پوری امت کو گمراہ اور گمراہی سمجھنے والے خود گمراہ ہیں اور جنت کا راستہ بھول گئے ہیں۔

یہ بر خود غلطی اور جہل مرکب نہیں تو پھر کیا ہے کہ حدیث نبوی **خارجیت** کے معنوں کو سمجھنے کا حق حضرت عمر فاروق سے زیادہ ابن

تمیمہ عبد الوہاب نجدی اور ان کے اہمال کے لئے تسلیم کیا جائے، حضرت

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اقتداء سے نکل کر اپنے نفس کی اقتداء بدترین

خارجیت ہے۔ وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے کتاب و سنت اور وحی کے مطابق مساب

وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہیں خبر دی ہے کہ عمر رضی اللہ

راہ پر شیطان نہیں چل سکتا۔ بحمد اللہ تمام امت آپ کی راہ پر چل رہی ہے۔ اور

رحمت اللہ علیہ عتق ہذا کو اچھی بدعت سمجھ کر اختیار کر چکی ہے حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کے انشاد کی روشنی میں ہم اس راہ کو راہِ یقین کرتے ہیں، وہ لوگ جو اس

راہ پر نہیں چلتے اور نماز تراویح کو بدعت عمری کہتے ہیں وہ اس وعید پر غور کریں

جس میں فرمایا گیا ہے کہ شیطان عمر کے راستہ پر نہیں چل سکتا آخر یہ کونسا دین ہے

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو طریق عمر کو سراہیں اور آپ طریق عمر کو گمراہی بتائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو حضرت عمر کی رائے کو وحی کے موافق بتائیں
 آپ انہیں خاطر سے سمجھیں اور ان کی رائے پر جرح کریں حضور صلی اللہ
 پر وسلم تو حضرت عمر کو خدا سے بات کرنے والا (محدث) فرمائیں۔ اور آپ
 پر الیہ باب بخاری ابن تیمیہ کی بات صدق دل سے مائیں اور خدا سے
 بات کرنے والے کو خطاوار قرار دیدیں۔ ان کے قول و فعل کو رد کر دیں۔
 اصل یہی خوارج کا مذہب ہے اور اسی کو خارجیت کہتے ہیں۔

مسئلہ قربانی

مرکزی تحقیقات اسلامی کراچی کے ماہنامہ "فکر و نظر" بابت ماہ مئی ۱۹۶۲ء میں رفیع اللہ صاحب کے نام سے "مسئلہ قربانی" کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ یہ مضمون ۳۸ سے ۴۲ تک پھیلا ہوا ہے۔ رفیع اللہ صاحب نے جو کچھ انکشافات اس مضمون میں فرمائے ہیں، ان کا ماہی حاصل مضمون کی آخری سطور سے واضح ہو جاتا ہے جہاں فاضل مقالہ نگار نے فرمایا ہے۔

مضمون کو ختم کرنے سے پہلے اس حقیقت کو دہرا دینا نامناسب نہ ہوگا کہ بے شک صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدین کا مسلک برحق ہے لیکن حضرت بلال کا مسلک بہت ہی ترقی پسندانہ ہے کہ قربانی کے لئے صرف مرغ کافی ہے، اور اگر قربانی کے بجائے اس کی قیمت سے کسی حاجت مندی کی ضرورت پوری کر دی جائے تو یہ اس سے بھی زیادہ پسندیدہ عمل ہے۔

اگر یہ صحیح ہے کہ صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدین کا مسلک برحق ہے تو حضرت بلال کا صحیح مسلک وہی ہونا چاہئے۔ جو صحابہ کرام کا مسلک ہے ورنہ ان کا مسلک برحق نہ ہوگا۔ کیونکہ ہم حق کو صحابہ کرام کے مسلک میں منحصر قرار دے چکے ہیں، اس لئے کوئی مسلک جو اس کے خلاف یا معارض ہوگا وہ حق کے معارض ہوگا۔ اس صورت میں حضرت بلال کا مسلک اگر وہ جمہور صحابہ کے خلاف ہے تو وہ حق نہ ہوگا۔ خواہ اس کو آپ ترقی پسندانہ کہیں۔ اور یہ صورت حال

جو حضرت بلال کے تعلق پیدا ہوئی، وہ مضمون نگار یا مدبر محکمہ نے پیدا کی ہے
 ورنہ حضرت بلال کا مسدک جمہور صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے خلاف
 کوئی الگ تھلگ مسلک اختیار کرنا کسی اعتبار سے بھی صحیح نہیں ہے۔

یہ الفاظ جو حضرت بلال سے منسوب
 قرآنی کے لئے صرف مرع کافی ہے
 کہے گئے ہیں، حضرت بلال پر ہر
 ہے اور ان کے قول کی تحریف ہے آپ کا قول جو اسی مضمون میں نقل کیا گیا ہے
 وہ بچسبہ ملاحظہ کیجئے۔

عن سوید بن غفلة قال قال لى بلال ما كنت ابالي لوصحيت
 بيدك ولان احذ الشن الا ضحية وانصدق بى على مسكين
 متشرا هو احب ابنى ان اضحى۔

اس کا ترجمہ فاضل مضمون نگار نے اس طرح کیا ہے نہ
 سوید بن غفلة سے حضرت بلال نے فرمایا کہ انہیں اس امر کی
 پروا نہیں ہے کہ وہ قرآنی کے لئے مرع ذبح کریں، بلکہ قرآنی
 کی قیمت لے کر کسی حاجت مند پر خرچ کر دینا، ان کے نزدیک قرآنی
 سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

اصل عبارت میں دیکھئے اور ترجمہ بار بار ملاحظہ کیجئے۔ اس میں یہ
 کہاں ہے کہ "قرآنی کے لئے صرف مرع کافی ہے" بلکہ اس کے برعکس اصل
 عبارت اور ترجمہ کا مطلب یہ ہے کہ قرآنی کے لئے مرع ذبح کرنے کو حضرت
 بلال پسند نہیں فرماتے، بلکہ اس کی قیمت مسکین پر خرچ کر دینا پسند کرتے ہیں۔
 اگر اس کا نام تحقیقات و اکتشاف ہے کہ اصل عبارت کو اور مروڑ کر خلط
 معنی پہنا دیے جائیں، اور غلط معنوں سے خلاف حقیقت مفہوم کا ادعا کیا جائے

تو پھر تحریف کس چیز کا نام ہوگا۔ فاضل مضمون نگار خود ہی انصاف کریں اور قرآن
اندازہ لگائیں کہ حضرت بلال نے یہ کہاں فرمایا ہے کہ "قربانی کے لئے صرف دروغ
کافی ہے۔"

فاضل مضمون نگار کا حضرت بلال کے مساک کو جمہور صحابہ سے الگ تھمک
(محض اس قول کی بنا پر جس کی نسبت ان کی طرف اتہام سے زیادہ نہیں) قرار دینا
بنا و فاسد علی الفاسد اور کیا ہے؟ اور پھر اس بنا پر انکو مسلمان
کمپوٹ یا ترقی پسند قرار دینا کتنی بڑی جرأت اور بے باکی ہے؟
در اصل مضمون نگار صاحب کے ذہن میں قربانی کے وسیع معنوں
کا تصور موجود نہیں ہے اس لئے قربانی کے وہ عام معنوں سے ممتاز نہیں
کر سکتے، اس عدم امتیاز کی وجہ سے مطلق کو مقید اور مقید کو مطلق پر حمل
کرتے ہوئے انھیں کوئی تامل نہیں ہوتا۔

قربانی اور صدقات کے احکام میں کوئی عام و خاص مطلق و مقید کی پہچان
نہ ہو۔ تو پھر اس قسم کے غلط بحث میں بڑھانا ناگزیر ہوتا ہے۔ جس میں فاضل
مضمون نگار مبتلا ہوئے۔ اس اجمال کی تفصیل یوں سمجھئے کہ صدقے کا لفظ
بہایت وسیع المعانی ہے ہر قسم کی بانی و مالی قربانی صدقے کے معنوں میں
شامل ہے۔ زکوٰۃ بھی صدقہ ہے۔ مذکورہ بھی صدقہ ہے۔ منگرنے کو گریٹے پہنانا بھی
صدقہ ہے۔ خیرات بھی صدقہ ہے۔ بھوکوں کو کھانا کھانا بھی صدقہ ہے۔ راستے
سے کانٹے دور کو دینا بھی صدقہ ہے۔ قول: "عروف بھی صدقہ ہے۔ اب اگر
کوئی یہ کہتا ہے کہ قول: "عروف سے صدقہ کی اعضاء پوری ہو سکتی ہیں تو کھانا کھانا
گریٹے پہنانا۔ زکوٰۃ ادا کرنا خیرات کرنا کیا ضروری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ذال سے
صدقہ ادا ہو جائے تو عمل سے صدقے کی کیا ضرورت ہے؟ اور مال سے صدقہ

اذا ہو سکتا ہے تو جان تصدق کرنے کی کیا ضرورت ہے؟
 پہلی دونوں صورتوں میں پہلی صورت کے مقابلے میں مسرفانہ ہیں اور تیسری صورت
 پہلی اور دوسری صورت کی موجودگی میں اسراف مال اور اٹلان جان کا سبب
 ہے۔ ترقی پسندانہ، نقطہ نظر ان تینوں صورتوں میں صحت کے عمومی معنوں کو
 خصوصی معنوں سے ممتاز نہیں کر سکتا اور اس عدم امتیاز کی وجہ سے وہ حالات
 کی نوعیت اور مراتب سے بے خبر رہ جاتا ہے۔

یہی حال اس قربانی کا ہے۔ وہ قربانی جو واجب سے اس کو دوسری
 قسم کی قربانیوں سے ممتاز نہ کیا جائے، تو محض اشتراک لفظی کی وجہ سے غلط
 نہیں ہوگی اور غلط فہمی سے، غلط نتائج اخذ کئے جائیں گے۔

جس قربانی کو واجب کہا گیا ہے، وہ عید الاضحیٰ کی قربانی ہے اس کیلئے
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث صحابہ کا تعامل اور اجماع امت ایک
 مسلمان کو مطمئن کرنے کے لئے بالکل کافی ہیں۔

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ
 میں دس سال قیام پذیر رہے اور قربانی کرتے رہے (ترمذی)

اس حدیث مبارکہ سے فاضل صمنون بگوار کے اس قول کی تردید ہوگئی کہ
 قربانی سوائے حرم مکہ مکرمہ کے اور کہیں نہیں ہو سکتی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ نے قربانی کی حقیقت
 دریافت کی تو آپ نے فرمایا۔ قَالَ سَمَّيْتُمْ أَبْيَكُمُ

قربانی کی حقیقت

ابراہیمؑ (علیہ السلام) کہ یہ تمہارے باپ ابراہیمؑ علیہ السلام کا طریقہ ہے۔
 سنت ابراہیمی کا مطلب واضح ہے۔ سیدنا اسمعیل علیہ السلام کی بجائے

وہی کی قربانی خدا کی طرف سے مقبول ہوئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

مروی ہے کہ آپ نے دو دنے ایک بار قربان کر کے اور فرمایا۔

اللَّهُمَّ مِنْكَ رَدٌّ عَنْ مُحَمَّدٍ وَأُمَّتِهِ (احمد ابوداؤد ابن ماجہ)

ظاہر ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے ذبح کیا اور ایک امت کی طرف سے ذبح کیا۔ امت کی طرف سے آپ کا ذبحہ فرمانا آپ کی اس تمنا کا منظر ہے کہ آپ امت سے قربانی کے متوقع ہیں اس سے یہ خیال یا اطمینان ثابت ہوتا ہے کہ قربانی صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص تھی۔ قربانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی محبوب تھی کہ آپ نے حضرت علیؑ کو وصیت فرمائی کہ وہ آپ کی طرف سے قربانی کرتے رہیں چنانچہ حدیث میں آتا ہے۔

عَنْ حَنْشِيٍّ قَالَ رَأَيْتُ عَلِيًّا تَضِيحُ بِكَبْشَيْنِ فَقُلْتُ لِمَ
مَا هَذَا فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْصَانِي أَنْ
أَضْحِيَ عَنْهُ. (رواه ابوداؤد)

یعنی حنش کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؑ کو دیکھا کہ آپ دو دنبوں کی قربانی کیا کرتے تھے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ آپ بچائے ایک دنبے کے دو دنے قربانی کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں آپ کی طرف سے بھی قربانی کیا کروں۔ سو میں آپ کی طرف سے بھی قربانی کرتا ہوں۔

حضرت عبداللہ ابن عمر کی حدیث میں جس کو ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے بغیر مستطیع کی قربانی کا اس طرح ذکر ہے۔

قَالَ لَهُ دَجَلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ أَجِدْ إِلَّا شَيْعَةً

نَحْنُ فَأَصْحَابِي بِهَا قَالَ كَلَّا وَلَكِنَّ حُذْرًا مِنْ شَعْرِكَ وَأَطْفَارِكَ وَتَمَسُّ
 بِأَرْبَعِكَ وَتَخْلُقُ عَائِنَتَكَ فَذَلِكَ تَمَامُ أَصْحَابِيكَ عِنْدَ اللَّهِ -
 (ترجمہ) ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر میں سوا
 بحمد مادہ کے اور کچھ نہ پاؤں تو کیا اسی کو قربان کر دوں۔ فرمایا نہیں۔ لیکن تو اپنے
 ل اور ناخن لے لے اور اپنی لہیں کتر والے اور مو سے زبیر زان صاف کر لے اللہ
 کے نزدیک یہی تیری پوری قربانی ہے۔

اب اگر کوئی ذناب لایک تمام اصحابتک میں جو اخصیۃ مستعمل
 ہو ہے اس سے یہ استدلال کرے کہ حجامت ہنوالے سے قربانی کامل
 ہو جاتی ہے اس لئے جا لوز ذبح کرنے کی کیا ضرورت ہے، تو ظاہر ہے کہ
 یہ طریق استدلال کس قدر غلط ہوگا۔ مضمون حدیث مبارکہ سے تو صرف
 یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بغیر مستطیع افراد کے لئے لہارت و نہالت لہجامت
 ہنوا نا، ناخن اور بال کٹوانا یہ امور کبھی قربانی کے برابر ہیں، مگر قربانی کے
 اسٹ ہر ایک لفظی سے اس کے مراتب و مدارج خلط ملط نہ ہد جائیں۔

اسی طرح حضرت بلال کا مرغ قربان نہ کرنا، بلکہ اس کی قیمت خیرات کر دینا
 زیادہ پسند کرنا، ایک بغیر مستطیع فرد کی قربانی ہے۔ اور اس کو پوری قربانی کا
 درجہ دیا جاسکتا ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا کوئی عمل احکام رسول کا
 ناسخ تو نہیں ہو سکتا؟ نہ تو حضرت بلال کو اتباع رسول سے کوئی منحرف قرار
 دے سکتا ہے۔ نہ خود حضرت بلال (لعوذ باللہ) کبھی سنت رسول کی خلاف
 ورزی کا خیال ہی لاسکتے ہیں۔ ان وجوہات کی بنا پر ہم نے یہ جو کہا ہے کہ آپ

کا مرغ قربان کرنا یا مرغ کی قیمت خیرات کر دینا غیر مستطیع کی قربانی ہے۔ یہی قرار پائے گا اور اگر مرغ کی بھی استطاعت نہ ہو تو طہارت و نظافت کا بھی پوری قربانی میں شمار ہو سکتا ہے۔

قربانی کا مادہ "قرب" ہے، قربان وہ چیز ہے جس کے ذریعے قرب الہی حاصل کیا جائے، مگر عرف نسبی کے مفہوم میں ہو گیا ہے جیسے جنتی یا تینہ بقریات تانکد النار (آل عمران) اور اذ اقر باقر بان المائدہ میں ذبیحہ مراد ہے تقرب الہی کے لئے احیم و جان و مال کو تصدق کرنا قربانی کہلاتا ہے جہد المقل کے ماتحت ایک غریب آدمی روٹی کا ٹکڑا خدا کی راہ میں دیکر تقرب حاصل کر سکتا ہے یہ بھی قربانی ہے، مگر وہ لوگ جو اونٹ، بکری، بھینٹ، بکری، دنبہ قربانی کر سکتے ہوں، وہ مرغوں کی قربانی کرنے لگیں، اور مرغوں کو بھی قربان نہ کریں بلکہ ان کی قیمت غریبوں کو دینے لگیں اور اس طریقے کو حضرت بلال کا مسلک باور کرائیں تو پھر سنتہ ابراہیم کے کیا معنی رہ جاتے ہیں؟ حضرت بلال کے قول کو ان واقعات کی روشنی میں دیکھنا چاہئے:-

- کیا حضرت ابراہیم نے کبھی مرغ قربان کیا تھا؟
 - کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرغ قربان کیا تھا؟
 - کیا صحابہ کبار نے کبھی مرغوں کی قربانیاں کی تھیں؟
 - کیا آنکھ مجتہدین اور امت مسلمہ نے مرغوں کی قربانیاں کیں؟ —
- نہیں — اور یقیناً نہیں، تو اس تحقیق و تجرید کی تہ میں ان سب کی مخالفت کے جذبے کے سوائے اور کیا چیز ہے، جس کو حضرت بلال کے قول کا لباس پہنایا جا رہا ہے۔

قربانی تاریخ النبی کے ساتھ ساتھ ہی جاری ہوئی۔ تمام انبیاء علیہم السلام
قربانیاں کرتے رہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کی قربانیوں کا ذکر قرآن
مجید میں آتا ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ أَقْرَبَا نَارًا فَتَقَبَّلَ مِنْ
أَحَدِهِمَا وَكَمْ يَتَّقِلُ مِنَ الْأَجْرَاتِ لَأَقْتُلَنَّكَ ط قَالَ إِنَّهَا لِيَتَّقِلُ
اللَّهُ مِنَ الْمُنْقِبِينَ ط

ترجمہ) اور ان پر آدم کے دو بیٹوں کی خبر حق کے ساتھ پڑھ دو۔ جب
انہوں نے کوئی قربانی پیش کی۔ سو وہ ان دونوں میں سے ایک سے قبول کی اور
دوسرے سے قبول نہ کی گئی۔ اس لئے کہا میں تجھے ضرور قتل کر دوں گا۔ اس نے کہا
اللہ صرف متقیوں سے قبول کرتا ہے۔ (المائدہ۔ رکوع ۵)

فرزندان آدم علیہ السلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء
مسلین کی سنتِ مستمرہ قربانی رہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سنت
اولین کو اپنے قول و عمل سے زندہ و برقرار رکھا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو
اللہ تعالیٰ نے حکم دیا

فَصَلِّ لِحُرْبِكَ وَ الْخُرْبِطِ

(یعنی) آپ اپنے رب کی منازادائیگی اور قربانی کیجئے۔

اس دور میں جبکہ تحقیقات و تجدید کے نام پر اسلام کو نئے سانچوں میں
ڈھالنے کی جدوجہد جاتی ہے۔ مسئلہ قربانی بھی زیرِ غور و بحث ہے کہیں لوگ
مولتیپل کی کمی ہو جانے کا احتمال ظاہر کر رہے ہیں۔ کہیں گوشت کے ضائع جانے
کا عذر یہ بیان کیا جا رہا ہے کہیں مولتیپل کے نکتہ ہونیکا انڈیا اور افسوس

ہو رہا ہے اور اسی وجہ سے قربانی کا بدل تلاش کیا جا رہا ہے کبھی کہا جاتا ہے
 کہ جانور ذبح کرنے کی بجائے اس کی قیمت کیوں نہ خرچوں میں بانٹ دیا جائے
 کبھی کہا جاتا ہے کہ گائے بکری، اونٹ، دنبے کی بجائے ایک مرغ ہی کیوں نہ
 ذبح کر دیا جائے۔ اور اس مسئلہ کو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ترقی پسند
 مسلک بتایا جاتا ہے۔۔۔ حالانکہ اس ادعا سے حضرت بلال کا مسلک
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مسلک سے معارضت و مخالف ظاہر ہوتا ہے، اور کوئی
 مسلمان ایک لمحہ کے لئے بھی یہ ماننے کو تیار نہیں ہوگا کہ حضرت بلال رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ جیسے فدائی رسول کا کوئی قول و عمل مخالف سنت رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم ہو سکتا ہے۔

اسلام کے نادانوں و سٹارڈانوں کا دشمن

اسلام جہاں شلم کے بدوابع متعین کرتا ہے، وہاں اس حقیقت کو بھی
مبہین کرتا ہے کہ کسی امر کا علم اور بات ہے، اور اس پر ایمان ہونا اور بات ہے
منافقین کو یہ علم تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں، مگر یہ ان کا
ایمان نہیں تھا اس لئے ان کا یہ گواہی دینا کہ آپ خدا کے رسول ہیں، ایک سچی
گواہی ہوتے ہوئے ہرگز بھی خدا کے نزدیک چھوٹی گواہی قرار پاتی اور اللہ تعالیٰ
لئے اعلان فرمایا

ان المنافقین یقیناً جھوٹے ہیں)

ان المنافقین یقیناً جھوٹے ہیں) ان منافقوں کا ذہن
پس یہی اسلام کے نادان دشمن ہیں، خوارج نے اپنا اذام کتاب اللہ کو بنایا، ان
کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قرآن کو چھوڑ کر تہکم اور نالی کو قبول کیا
تھا۔ حضرت علی نے ان کو لاکھ سمجھایا کہ کتاب اللہ آخروں کو نہیں بولے گی، کوئی
وہ کوئی آدمی ہی کتاب اللہ کا مطلب بیان کرے گا۔ مگر خوارج کی سمجھ میں یہ بات
نہ آئی، وہ یہ سمجھتے تھے کہ قرآن کا مطلب صرف وہی ہے جو انہوں نے سمجھ رکھا
ہے، اس کے علاوہ اور کسی نے جو کچھ سمجھ کر کھلتا ہے وہ غلط ہے۔ اسی فہم کا یہ
نتیجہ تھا کہ انہوں نے حین بن کر ان اصحاب رسول کو شہید کر ڈالا جو علم قرآن
میں ممتاز تھے، تا آنکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان کی تلوار سے نہ بچ سکے،
خوارج کے نزدیک حضرت علی اور امیر معاویہ یہ دونوں ہی کافر تھے اور وہ تمام

مسلمان جو ان دونوں یا دونوں میں سے کسی ایک سے متعلق تھے، کافر تھے
 و احب القتل تھے، خوارج نے اپنے جھنڈے پر قرآن پاک کی یہ آیت لکھی تھی۔

ان الحکم اکایده

حب حضرت علی کو یہ خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا:۔

«کلمة الحق یرید بہ الباطل»

یعنی قرآن کی آیت حق ہے، مگر خوارج نے جو معنی سمجھے ہیں، وہ باطل ہیں۔ خوارج
 کو اس لئے خوارج کہا گیا کہ وہ مسلمانوں کی جماعت سے نکل گئے تھے۔ یہ پہلا فرقہ
 تھا جس نے مسلمانوں سے کٹ کر اپنی ایک الگ جماعت بنائی تھی۔ خوارج کی
 عدلت جماعت سے علیحدگی ہے، ورنہ ارکان اسلام ادا کر لے سیں خوارج نہایت
 متشدد تھے۔ بالذیل دہبان و بالنهار فراسات، ان کی تعریف تھی اور
 یہی اسلام کے نادان دوست تھے خوارج ختم ہو گئے۔ مگر ان کے فریبی اور
 سیاسی افکار نئے نئے روپ میں اب بھی ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ ہمارے زمانہ
 میں مودودیت اور پرویزیت نے مسلمانوں کی جماعت سے الگ تھلگ ہو کر
 "خارجیت" کا اجارہ کیا ہے۔ مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہونے کا صرف
 یہی مطلب نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ نماز یا جماعت ادا نہیں کرتے
 بلکہ ہماری مراد یہ ہے کہ عقائد و افکار کے لحاظ سے یہ دونوں امت مسلمہ سے
 کٹ کر دور بجلی گئے۔

مودودی صاحب کی نظر میں صرف وہ افراد حقیقی مسلمان ہیں جو ان کی
 اسلامی جماعت سے وابستہ ہیں، باقی دنیا بھر کے مسلمان صرف نام کے مسلمان
 ہیں۔ اسی طرح پرویز صاحب کے نزدیک بھی مروجہ اسلام حقیقی اسلام نہیں
 ہے، نہ موجودہ مسلمان حقیقی مسلمان ہیں، حقیقی اسلام کی طرف صرف ان کی

چشم واپروہ کے اشارے نشاندہی کرتے ہیں
 عی ان کس است ایل بشارت کہ اشارت داند
 ان کی قلمی عہد و جہد کا ما حاصل دو لفظوں میں صرف یہ ہے :-

مروجہ اسلام حقیقی اسلام نہیں ہے۔ اور موجودہ مسلمان حقیقی مسلمان
 نہیں ہیں صرف رسمی مسلمان ہیں۔ یہ ان کے علمی اور قلمی کارناموں کا منفی
 پہلو ہوا۔ مثبت پہلو یہ ہے کہ مودودی صاحب کے نزدیک حقیقی اسلام
 وہ ہے جس کی طرف وہ نشان دہی کرتے ہیں اور حقیقی مسلمان وہ ہیں جو ان کی
 جماعت سے وابستہ ہیں۔ یہی حال پرویز صاحب کا ہے۔ طلوع اسلام کی
 تیسری سالانہ کنونینشن منعقدہ لاہور اپریل ۱۹۵۹ء سے خطاب کرتے
 ہوئے پرویز صاحب نے قرآنی حقائق کو اپنی فکر کے سانچے میں ڈھال کر اس
 طرح پیش کیا ہے کہ پوری امت مسلمہ کے لئے اس میں درس عبرت ہے
 فرماتے ہیں :-

” اور یہ حقیقت ہے کہ ہمارا مروجہ مذہب حقیقی اسلام
 نہیں تو اس مذہب کے علمبرداروں کے متعلق یہ سوچ لینا کہ وہ
 ہیں اسلامی آئین مرتب کر کے دیدیں گے کتنی بڑی خود فریبی ہے“
 کتنی بڑی بیباکی اور جبارت ہے، اس سے بھت نہیں۔ سوال صرف یہ
 ہے کہ ایک طرف کم از کم پاکستان کے آئین کو مروجہ مذہب اسلام کے
 پرویز صاحبی مسلمان ہیں جن کو پرویز صاحب حقیقی مسلمان ہی نہیں سمجھتے نہ ان کے
 اسلام کو حقیقی تسلیم کرتے ہیں۔ دوسری طرف حقیقی اسلام اور حقیقی مسلمانوں
 میں اب لے دے کے صرف پرویز صاحب اور ان کے گھسے چنڈیم خیال
 دوست رہ جاتے ہیں۔

کیا مسلمان حقیقی اسلام سے موسوف ہونے کے بعد اتنا شائق انقلاب اور بیدار دیکھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے سوائے کسی اور کو مسلمان ہی نہ سمجھے۔ اگر پرویز صاحب کے دل و دماغ پر حقیقی اسلام کی ہلکی سی پرچھائیں بھی کبھی کہیں سے پڑی ہوتی تو کائنات کا ذرہ ذرہ انہیں حقیقی اسلام کی آغوش میں کر دیتا بدلتا ہوا نظر آتا تعجب ہے کہ اہل قرآن ہو کر انہیں قرآن میں اللہ کا یہ اعلان نظر آیا۔

وَكُنَّا اسْتَكْمَدْنَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ

آسمانوں اور زمین میں جتنی مخلوقات ہیں وہ سب کی سب حقیقی معنوں میں مسلمان ہی مسلمان ہیں۔

مگر حقیقی اسلام کا جند اعرف پرویز صاحب کے ہاتھ میں ہے۔ باقی پوری امت اور مذہب کے سارے علمبردار حقیقی اسلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتے اس لئے اسلامی آئین کی تدوین صرف پرویز صاحب فرمائیں گے اور صرف یہی توقع ہے جو امت کے لئے خود فریبی نہیں ہو سکتی۔ پھر فرماتے ہیں:-

اسلامی آئین کی تدوین کے لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی سچھی طرح اور اپنے زمانہ کے تقاضوں سے باخبر ہو۔ جہاں تک ہمارے علماء حضرات کا تعلق ہے وہ بد فہمی سے ان دونوں سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ اسلامی آئین کی تدوین کے لئے ان حضرات کی طرف رجوع کرنا بنیادی طور پر غلط ہے۔ اقبال کے الفاظ میں:-

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے اس کو کیا جانیس یہ بجائے دو رکعت امام حقیقی اسلام کی صبح جو پرویز کے چاک گریبان سے طلوع ہو نیوالی ہے

اس میں الصلوٰۃ خیر من النوم کی دقتاً نویسی رسمی آلاپ کے بجائے
 نسیم صبح گا ہی "فصل بہار" کی نثر نم ریز یوں میں زندہ دلائل چمن اور جوانان ہیکہ
 کو یہ خردہ ستائی ہے کہ اذان رسمی کو اذان حقیقی سے میل دو۔

ہات الصبح حبوا یا ایہا السکارى

در حلقہ صبحی دانی چہ خوش نماید عکس عذرا بساتی در جام سے قتادہ

اس حقیقی اسلام میں قوموں کی امامت کا علم ان لوگوں کے ہاتھ میں ہوگا

جو دو رکعت پڑھنے پر طہا نئے سے آزاد ہوں گے اور جو یہ بھی نہ جانتے ہوں گے

کہ دو رکعت کس طرح پڑھائی جاتی ہیں۔ کما لوری امت میل کہ ثابت کر سکتی ہے

کہ مرہوجہ اذان کہیں قرآن میں آئی ہے۔ کہیں بھی نہیں یہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ

کی تجویز تھی۔ بالخصوص الصلوٰۃ خیر من النوم، تو بدعت عمری کہلاتی ہے

پھر کون سے جو اس کو قرآنی کہہ سکتا ہے؟ چلیے اذان سے چھٹی ملی۔ صبح کے دو رکعت

کے امام سے چھٹی ملی۔ زمانہ کے تقاضوں سے باخیر ہونے کے معنی آپ سمجھ گئے اور قرآن

کے غیر متبدل اصولوں کو آپ کے پہچان لیا۔

حقیقی اسلام کے بتور آپ نے دیکھے؟ اس کا پہلا ہدف نماز

جماعت اور امام ہے۔ وہ نماز جیسے بنیادی اور غیر متبدل رکن اسلام پر

پہنچتی کتاب ہے اور اس ہام فریضہ دینی کا استخفاف کرتے ہوئے بھی قرآن

غیر متبدل اصولوں کے جاننے کا مدعی ہے ۵

میں تفاوتِ زہ از کجاست تا کجا

۱۹۵۱ء میں مختلف فرقوں کے اکیس علماء

تمام مسلمانانِ مشرک اور کافر کراچی میں اکٹھے ہوئے تھے اور انہوں

نے متفقہ طور پر ایک آئین کا مطالبہ کیا تھا اس کے مطابق ۱۹۵۲ء کا آئین عرب

بھی ہو گیا تھا جس کے اسلامی ہونے پر تمام علماء کا اتفاق تھا۔

پرویز صاحب فرماتے ہیں :-

پہلا قابلِ غور نقطہ یہ ہے کہ کیا فرقے اور اسلام یکجا جمع

ہو سکتے ہیں، کیا ایسے معاشرہ کو اسلامی کہا جاسکتا ہے

جس میں مسلمان کے فرقے موجود ہوں، قرآن کا جواب یہ ہے

کہ ایسا نہیں ہو سکتا، جس طرح شرک اور حید ایک دوسرے

کی ضد ہیں، اسی طرح اسلام اور فرقے باہم دیگر نقیض ہیں۔

پرویز صاحب نے وہ تمام آیتیں جو پروردگار کی کے حق میں نازل ہوئی

تھیں، مسلمانوں پر حلال کر دی ہیں تاکہ وہ کافر اور مشرک قرار دیئے جاسکیں

حالانکہ انہیں علماء جو مسلمانانِ پاکستان کے نمائندوں کی حیثیت سے جن

اصولوں پر متفق ہوئے ہیں وہ اصولِ دین ہیں اور جن امور میں باہم مختلف

ہیں وہ مجازات اور جزایات ہیں ان کی اوجہیت فروری ہے، "اصولی نہیں

اس قسم کے اختلافات کو مٹانا بجا ہے خود اختلاف ہے اور فطرتِ انسانی

کے منافی ہے کہ تمام انسان ایک ہی طرح سے مسائل سوچیں، سمجھیں اور درائیں۔

اس قسم کے اختلافات نہ مانع اتحاد ہیں نہ مانع توحید ہیں، نہ ان کا نام فرقہ بندی

ہے نہ زیادہ سے زیادہ ان کو مختلف مکاتبِ خیال کہا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ سب

اصولِ دین میں متحد ہیں۔ اس کا بدیہی ثبوت وہ قرار داد ہے جو مستحضرہ طور پر

علماء نے پیش کی ہے۔ تعجب ہے کہ ایک طرف پرویز صاحب، ایک عالمگیر

برادری کا تصور آیاتِ قرآنی سے پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ :-

تمام نوعِ انسان ایک عالمگیر برادری کے افراد اور ایک خاندان

کے نفوس ہیں کفان الناس ائمة واحدة

غیر متبادل ہے۔ یہ انسان کی تنگ بچی اور ہڑس پرستی ہے جس سے اس نے اس عالمگیر برادری کی قوموں اور وطنوں کی حیار دیواری تقسیم کر کے وحدۃ النسانیہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ہیں۔ دوسری طرف وہ خود اس تنگ بچی میں مبتلا ہیں کہ مسلمانوں کے مسئلہ و اپنی اصولوں میں بھی ان کو وحدت نظر آتی ہے۔ ان کے فروعی اختلافات ان کی نظریں کفر و شرک جیسے ناقابل معافی جرائم ہیں۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ خالص بے دین، لامذہب، غیر مسلم، کافر و مشرک انسانوں کے لئے وحدت خالق یا وحدت مخلوق کے پر و گرام میں کوئی جگہ نکال سکیں گے، وحدت خالق تو سب جانتے ہیں پھر وحدت مخلوق کیا چیز ہے؟ مخلوق میں تو کثرت ہے۔

پرویز صاحب کو کون سمجھائے کہ قرآن کو صاحب قرآن سے الگ کر کے سمجھنے کی ہر کوشش بے نتیجہ کثیراً کا مصداق اور یہی وہ کوشش ہے جس کو کہا گیا ہے ضلّ سعیبہم فی الحیوۃ الدنیا۔ حیات دنیوی میں جدوجہد انسانی کی بے راہ روی اور گم کردہ راہی کا یہی تقاضا ہے کہ وہ اس گمراہی کو نیکو کاری سمجھتے ہیں۔ برائی کو بھلائی جانتے ہیں۔ وہم یجسبون انہم یجسبون صنعا۔

مسخ قرآن کے نمونے آہ قرآن کس طرح مسخ کیا جا رہا ہے پرویز صاحب

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی رب ادرنی کیف تمسح الموتی
۲۶۲ اے اللہ جیسے دکھا کہ تو مرے سے کہ کس طرح لاندہ کرتا ہے؟

یہ واقعہ قرآن میں تفصیل سے موجود ہے پرویز صاحب نے اس آیت قرآنی کو اس طرح مسخ کیا ہے۔

”ہمیں دکھا کہ تو دلوں کے دیہاتوں کو کس طرح از سر نو آباد کیا
 کرتا اور مردہ قوموں کو کس طرح زندہ اقوام کی صف میں کھڑے
 ہونے کے قابل بنایا کرتا ہے“

اس دور الحادیت میں جبکہ آخرت کی زندگی کا انکار ہے، مردوں کا زندہ
 ہونا بھی افسانہ طرازی سمجھا جاتا ہے۔ دیکھئے ”یحی الموتی“ کا ترجمہ۔ مردہ قوموں
 مردہ دلوں کو از سر نو زندہ کرنا۔ کتنا لڑکھا لڑالا ترجمہ ہے۔ احادیث سے کوسوں
 دور۔ روایتوں سے صاف معتررا۔ علمائے کرام سے بالکل متضاد، تمام مفسرین
 کے بالکل خلاف، لغت سے بالکل بے تعلق، صرف و نحو سے آزاد، اصول
 ترجمہ سے مطلقاً منحرف، ترجمہ ہے یا تفسیر ہے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے شعر

موزوں ہو رہے ہیں اور جو الفاظ وحی میں رہ گئے تھے وہ پرویز صاحب
 بحیثیت تلمیذ الرحمن اپنی طرف سے قرآن میں بڑھا کر اس کی کوپورا کر رہے ہیں

مسخ قرآن کا دوسرا نمونہ۔ ترجمہ :- میں اپنی کتاب زندہ کے ذریعے ہر
 اُجیب دَعْوَةَ السَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۱۸۶

اس شخص کے سوال کا جواب دیتا ہوں جو مجھے پکارتا ہے، وہاں سے جواب لینے
 کے لئے، افسانہ کی پکار میں سچی طلب، آرزو میں شدت اور ذہن میں سچائی کی
 صلاحیت شرط ہے۔ جب مانگنے والا اس بیج سے مانگتا ہے تو اس کی کتاب
 خود آگے بڑھ کر اس کا استقبال کرتی ہے (ہذا خطاب پرویز)

قرآن کی آیت کا سیاہا سادا ترجمہ یہ ہے کہ :-

”دعا کرنے والا جب مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا کو
 قبول کرتا ہوں“

آپ نے دیکھا پرویز صاحب نے اس آیت میں کیسے کیسے امانے لگے

ہیں؟ پھر ظلم یہ ہے کہ وہ اضافے اس انداز سے کئے گئے ہیں کہ اردو داں طبقہ
 یہ سمجھنے پر مجبور ہو جائے کہ یہ فقرے پر ویز صاحب کے نہیں بلکہ قرآنی آیت
 کا ترجمہ ہیں۔ ملاحظہ کیجئے اللہ تعالیٰ کی زبان سے خود پر ویز صاحب نے یہ
 فرمایا ہے کہ میں اپنی کتاب راہزہ کے ذریعے رہبر شخص کے سوال کا جواب
 دیتا ہوں (حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ کہیں نہیں فرمایا، چہرہ پر ویز صاحب
 نے آیت کے ترجمے یا تشریح کے نام سے کہا ہے کہ:-

الف :- خدا کا اپنی کتاب کے ذریعہ دعا کا جواب دینا۔

ب :- خدا سے جواب لینے کی شرائط ثلاثہ۔

ج :- خدا سے مانگنے کا یہ نہج خاص کہ کتاب اللہ سے دعا طلب کی جائے

اور کتاب اللہ اس دعا پر سوال کا جواب دے۔

د :- خدا کو عموماً وقت جواب میں ثابت کرنا، کتاب اللہ میں امور مستفسرہ

کا جواب مل جانا اور بات ہے اور خدا کا بندوں کی دعا قبول کرنا اور بات ہے

ہے ان میں فرق نہ کرنا قرآن سے بے بصیرتی اور جہلِ عظیم ہے آیت رہبر سحبت

کا مفاد درہا اور اجابت، کے سوائے جو کچھ بتایا گیا ہے وہ سب وہم و فاسد

اور متنازع کا سد ہے۔۔۔ اس کو قرآن سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

زیر نظر خطاب میں جا بجا پر ویز صاحب نے اپنی آئین سازی

آئینہ سازی کی صلاحیتوں کی طرف اشارے کئے ہیں اور قرآن کے واعد

نمائندہ کی حیثیت سے اپنی اس تجویز کو دہرایا ہے کہ پاکستان میں کوئی ایسا

قانون نافذ نہیں کیا جائے گا جو کتاب اللہ کے خلاف ہو۔ گناہ ہماری حیرت

کی کوئی انتہا نہ رہی جب ہم نے پر ویز صاحب کے بیانیہ عبارت مندرجہ

ذیل پڑھی۔

جہاں تک حکومت کی ہیئت (FORM OF GOVERNMENT) کا تعلق ہے، قرآن اس کا تعین نہیں کرتا لیکن اس کے لئے ایک غیر متبدل اصول بیان کرتا ہے یعنی
 آخِرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ ۗ ۝۱۱۱ امور مملکت امت کے باہمی مشورے
 سے طے پائیں گے ۱۱

حالانکہ قرآن کا دعویٰ ہے لَا رَطْبٍ وَلَا يَاسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مَّبِينٍ
 ۱۲ تَبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۝

یعنی قرآن میں ہر چیز کا بیان موجود ہے اور خشک و تر پر اس کے بیانات عیناً
 ہیں۔ جس قرآن کی رو سے حکومت الہیہ کا قیام ضروری قرار دیا جاتا ہے تعجب ہے کہ
 حکومت کی ہیئت متعین کرنے سے خاموش ہو۔ پرویز صاحب کو قرآن میں کی تسلیم
 کرنے کے بجائے اپنے علم میں کی تسلیم کرنا زیادہ بیا تھا یا کم از کم انہیں اپنے ان الفاظ
 کا پاس لازم تھا جو صلا پر وہ کہہ چکے ہیں۔ وہ میں اپنی کتاب زندہ کے ذریعہ ہر
 شخص کے سوال کا جواب دیتا ہوں جو مجھے پکارتا ہے۔

۱۱ نور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پر عمل کر کے دکھایا۔ مسلمانوں کی تہذیب
 فرمائی اور ان کو قرآن پر عمل کرنا سکھایا۔ حضرت عمر فاروق جو آخرش بنو ہند کے
 تہذیب یافتہ ہیں بجا طور پر فرما سکتے ہیں حسبنا کتاب اللہ کیونکہ کتاب اللہ کے
 معنی مطالب، حقائق اور معارف انہوں نے براہ راست حضور سے سیکھے تھے۔
 اس تعلیم و تہذیب کے بعد کتاب اللہ ان کے لئے یقیناً کافی تھی۔ لیکن آج ۱۸۷۸ء
 برس کے بعد اگر کوئی شخص یہی چلے دہراتا ہے کہ حسبنا کتاب اللہ تو اس کے بظاہر
 غلط ہونے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔ یہ دعویٰ دو حال سے خالی نہیں یا تو اس
 خود کو بنی جیسا سمجھتا ہے اور ایسی سمجھ رکھتا ہے کہ جو بنی کی سمجھ میں آیا تھا وہی اس

بھی سمجھ لیا اس صورت میں بنی اور غیر بنی کے علم قرآن اور فہم قرآن میں
 کچھ فرق نہیں رہا یا پھر وہ خود کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا
 ہمسر و ہم پلہ سمجھتا ہے۔ پہلی صورت میں اسے یہ معلوم نہیں ہے
 کہ بنی کا معلم خود خدرا ہے اور دوسری صورت میں حضرت عمر
 کا معلم خدا کا رسول ہے۔ مدعی کا معلم کوئی مولوی ہو گا۔ یا
 لعنت کی کتابیں۔

چونسبت خاک را با عالم پاک

خوارج نے حضرت علی علیہ السلام اور بڑے بڑے جاہل نقد
 صحابہ کو جو علم قرآن و فہم قرآن میں اپنی نظیر آپ تھے تلوار کے
 گھاٹ کیوں اتارا؟ صرف اس وجہ سے کہ ان کے نزدیک صحابہ
 کو موت کی نیند سلا کر ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا تھا۔ مگر انکی روایا
 ان کے احوال رہتی دینا تک دنیا میں رہیں گے اور امت کے لئے
 نمونہ پابا بیت بن جائیں گے۔

آج خوارج کی فکری اور اعتقادی ذہانت ہمارے زمانہ
 میں صحابہ کبار کے ان روشن کارناموں کو دیکھتی ہے تو وہ اپنے
 پیش رو خوارج کی ناکامی اور نامرادی پر آٹھ آٹھ آنسو روئی
 ہے اور بھونکوں سے اس جبرائیل کو جھاننا چاہتی ہے جو شہج
 نبوت سے مستنبر ہے اس زمانہ میں صحابہ کرام سولے نوان
 کے ساتھ یہ منکرین حدیث کیا وہی برتاؤ نہ کرتے جو خوارج نے
 کیا تھا۔

آج وہ جو کچھ کر سکتے ہیں زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے

آج وہ جو کچھ کر سکتے ہیں زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ ان کے جسموں کو مجروح کرنے کے بجائے ان کے اقوال ان کی روایات کو مجروح کریں اس میں وہ کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ آپ کو اس منزل میں حسینا کتاب اللہ کے معنی اس لغت میں ملیں گے جس لغت میں ان الحکم الا للہ کے معنی خواہج نے دریافت کئے۔

اس مکتب کے سب سے بڑے داعی پرویز صاحب ہیں وہ انکارِ حشر میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں اور قرآن کو قرآن سے سمجھنے کے بڑے مدعی ہیں۔ وہ اقبال مرحوم سے استفادہ میں غار نہیں سمجھتے۔ انگریزی قواعد اور اس کے اصطلاحات سے متمنع ہونے میں نہیں فرماتے، یورپ کے لٹریچر اور حکماء و فلاسفر جدیدہ و قدیم کے سرمایہ سے مستعار لینے میں انہیں عار نہیں۔ مگر ان کے ذوقِ تجرید پر جو چیز گراں گذرتی ہے وہ صرف احادیث نبوی سے تمسک ہے۔

اپریل ۱۹۵۹ء کے سلاٹہ کنونینشن میں پرویز صاحب نے فرمایا۔

وہ غیر متبدل اصول اور اقدار کیا ہیں جو اسلامی
 غیر متبدل اصول مملکت اور اس کے آئین کی بنیاد بنتے ہیں؟ زندگی
 سکھائی یا میکائی تصور MATERIALISTIC CONCEPT
 کا ذکر کرتے ہوئے پرویز صاحب نے کہا۔

زندگی کا دوسرا تصور یہ ہے کہ انسان صرف اس جسم سے عبارت
 انسانی ذات نہیں جسم کے علاوہ ایک اور شے بھی ہے جسے خودی (Self)
 ذات (PERSONALITY) کہا جاتا ہے انسانی ذات نہ مادی ارتقاء کی
 پیداوار ہے نہ طبیعیاتی قوانین کے تابع یہ فرد کو خدا کی طرف سے ملتی ہے

لیکن غیر نشوونما یافتہ (UNDEVELOPED) مضمون (POTENT) یا امکانی
 (REALISEABLE POSSIBILITY) کی شکل میں زندگی کا مقصود انسانی
 ذات کی نشوونما ہے اگر اس کی مناسب نشوونما ہو جائے تو جسم کی موت کے ساتھ
 وراثت نہیں ہو جاتی بلکہ یہ بدستور زندگی رہتی ہے اور مزید ارتقائی منازل طے کرنے
 کے لئے آگے بڑھتی ہے جس طرح جسم کی پرورش کے لئے طبیعتی قوانین ہیں اسی
 طرح انسانی ذات کی نشوونما کے لئے بھی قوانین مقرر ہیں، یہ وہی قوانین ہیں جنہیں
 قرآن کے غیر متبدل اصول کہا جاتا ہے اگر انسان ان اصول کے مطابق زندگی بسر
 کرے تو اس کی ذات کی نشوونما ہوتی چلی جاتی ہے اگر وہ ان سے انحراف برتے
 تو اس کی ذات میں ضعف و انتشار پیدا ہو جاتا ہے (۱) کچھ آگے چل کر کہلے۔
 لہذا سب سے پہلی قدر خود انسانی ذات ہے اس قدر کو مرکزی حیثیت حاصل
 ہے باقی اقدار اس کے گرد گردش کرتی ہیں یہی وہ بنیاد ہے جس پر دین کی عمارت
 استوار ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص اس خدا کو دانتا ہے جس نے کارگاہ کائنات
 کو پیدا کیا اور جس کے قوانین کے مطابق یہ عظیم الشان سلسلہ اس حسن و خوبی سے
 چل رہا ہے لیکن وہ انسانی ذات پر یقین نہیں رکھتا تو قرآن کی رو سے اس کا
 خدا کا ہونا کچھ معنی نہیں رکھتا انسان کا اپنی ذات پر ایمان خدا پر ایمان کی
 بنیاد شرط ہے (۱۴)

زندگی، خودی (انسانی ذات) کا نظریہ بیان کرنے میں ہم پر دیر صاحب
 فلاسفہ روحانیین کے حرف بحرف ترجمان نظر آتے ہیں اور زندگی کا مقصود
 انسانی ذات کا نشوونما قرار دیتے وقت وہ اہل تصوف کے لباس میں ملبوس
 دکھائی دیتے ہیں۔
 انسان کی ذات کو سب سے پہلے قدر اور اس قدر کو مرکز کی حیثیت عطا

کرنے کے بعد جہاں انھوں نے یہ کہا ہے کہ انسان کا اپنی ذات پر ایمان
 خدا پر ایمان کی بنیادی شرط ہے ان کا یہ کلام "منکر اور شری منکر خورشید شہ"
 اقبال کے کلام سے ماخوذ ہے۔ اس کو نوارد کہا جائے گا یا شرق یا استفادہ۔
 بہر حال یہ گواں قدر خیالات جو خودی، ارتقاء سے ذات کے متعلق پروردگار
 نے ظاہر فرمائے ہیں۔ روحانیت صوفیہ اور حکما کی متاع عزیز ہیں پروردگار
 صاحب ان کے متعلق یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ یہ۔

متاع من زہانخانہ اول بودہ است

البتہ یہ دیکھنے والے پروردگار صاحب کی زبان سے ان کی بات سن کر یہ
 ضرور کہیں گے۔

"حرف مرداں را بند ز داز مگر و فن"

"حرف دزدی" کا الزام پروردگار صاحب پر نہ آتا اگر وہ مسئلہ خودی کو ثانیاً

شان اہمیت اور مرکزی حیثیت دینے کے لئے نہ فرماتے کہ یہ۔

اولاً۔ لیکن انسان ان (قرآن کے بغیر تبدیل اصول یا اقدار) کے مطابق

انفرادی طور پر زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ صرف معاشرے کے اندر رہتے

ہوئے اجتماعی طور پر ممکن ہے۔ سطر ۱۱-۱۲

ثانیاً۔ ہر فرد کا اپنے طور پر نیک بننے کی کوشش کرنا، قرآن اسے غیر خداوندی

طریقہ زندگی قرار دیکر اجتماعی زندگی کو صحیح روش بتاتا ہے۔ اسی کو اسلامی

مملکت کہتے ہیں سطر ۱۲-۱۳

ثانیاً۔ یہ کہنا کہ لوگ اسلامی طریق کے مطابق زندگی بسر کرنے لگ جائیں تو مملکت

خود بخود اسلامی بن جائے گی۔ گاڑی کو ٹھوڑے کے آگے رکھنے کے

منزادہ ہے پہلے مملکت اسلامی بنتی ہے اس کے بعد لوگ اسلامی زندگی بسر

کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ یہ نہیں کہ پہلے لوگ صحیح معنوں میں مسلمان بن جاتے

ہیں اور پھر مملکت خود بخود اسلامی ہو جاتی ہے (۲۵)

رابعاً۔ یہ باتیت یعنی تصوف کے خلوت کدوں کی زندگی اسی لئے غیر قرآنی ہے کہ اس میں ہر فرد اپنی روحانی ترقی کی فکر میں مگن رہتا ہے اور پورے معاشرے کو اس میں شامل نہیں دے سکتا (۱۵ سطر ۱۶-۱۷)

خامساً۔ اللہ والوں نے روحانی ترقی کے لئے اپنے آپ کو خانقاہوں کی چہار دیواری میں محبوس کر کے باقی انسانیت سے اپنا رشتہ منقطع کر لیا۔ ارباب شریعت نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اگر ہر فرد اپنی اپنی جگہ نیک بن جائے تو اسلام کا مقصد پورا ہو جاتا ہے (۲۰ سطر ۷-۸)

پانچوں اقوال جو ہم نے ان کے طویل بیان میں سے اخذ کر کے نقل کئے ہیں صرف ایک اسی بات کا بار بار اعادہ ہے کہ کسی فرد کی یہ کوشش کہ وہ نیک بنے۔ غیر قرآنی ہے۔ پھر خاراؤندی سے رہبانیت سے حالانکہ ان پانچوں اقوال سے پہلے خود ہی علمِ حق کی مرکزی حیثیت اس انداز میں بیان کی جا چکی ہے کہ کائنات اور خالق کائنات دین و ایمان اور قرآن کی غیر منقطع اقدار کا دار و مدار اللہ ہی خود ہی ہے جو ہر انسان کو خدا کی عظمت سے ملتا ہے اور وہ انسان نفسوں میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ زندگی کا مقصد انسانی ذات یا خودی نشوونما اور اتقا ہے۔ جب ہر انسان خدا اور خودی کا مالک ہے اور خودی وہ مرکزی قدر ہے جو تمام اقدار کا مرجع ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ جتنے انسان اتنی ہی اتنی ذاتیں ذاتیں اتنی ہی ان کی خودیاں پھر چونکہ ہر انسان کی خودی مرکزی حیثیت رکھتی ہے اس لحاظ سے ہر انسان بجائے خود مرکز ہے اس لئے جتنے انسان اتنے ہی مراکز۔

عدل و مساوات اجازت نہیں دیتے کہ کسی انسان کی خودی کو اپنی
خودی سے کم تر درجہ دیا جائے۔ پھر ادنیٰ اعلیٰ حاکم محکوم کے امتیازات کہاں
سے آئیں گے۔ نیک و بد صالح و طالح مومن و کافر، سعید و شقی کے مراتب کس
طرح متعین ہونگے ظاہر ہے کہ ادنیٰ و اعلیٰ حاکم و محکوم کے امتیازات جہد و عمل
سے اور جہد و عمل استعداد و صلاحیت سے پیدا ہوتے ہیں اور نیک و بد کے
مراتب نفس کی حالت کے اختلاف سے متعین ہوتے ہیں اور نفس کا یہ حال
ہے جو قرآن بتاتا ہے **فَتَدَا فُلُحْمًا مَّتَّزَكَّهًا**۔ جس نے اپنے نفس کا تزکیہ
کر لیا وہ یقیناً فلاح یافتہ ہے۔ مگر تزکیہ نفس کے نام سے بھی جن لوگوں کو
وحشت ہوتی ہے ان کی خودی کا مقام از روئے قرآن جو متعین ہوتا ہے وہ یہ
ہے **وَفَسَدَخَابٍ مِّنْ دَسَّهَا**۔ اب انسانی خودی میں فرق مراتب پیدا
ہوا۔ ایک خودی صلاح و صلاح کی مظہر ہوئی دوسری خودی شر و فساد کی
آئینہ بردار ہوتی ہے۔ — ایک کو مومن سے نسبت ہوئی دوسری خودی کو
کافر سے نسبت ہوئی۔ اس لئے وہ اجتماعیت جو کفر و اسلام فساد و فلاح کو کھلے
ملا لپچا ہستی ہے قرآن کا مطمح نظر نہیں۔ قرآن اس اجتماعیت کا قائل ہے جہاں
سب اللہ کی رسی سے بندھے ہوں جس میں ہر فرد کی خودی اللہ کے رنگ
میں رنگی ہوتی ہے اور یہ گہا سے رنگ اللہ کے رشتہ میں بندھے
ایک حسین گلہ ستم بن جاتے ہیں اس گلہ ستم میں سینا ناسی اور دھتورہ
کے پھول نہیں کھپ سکتے یوں تو کہنے میں وہ بھی پھول ہی کہلاتے ہیں
بالکل اسی طرح وہ افراد جنکی خودی صالح نہیں کہنے میں انسان ہوں دیکھنے
میں انسان ہوں واقع میں انسان نہیں حیوان ہیں۔ "کالانعام بل اذلیل"
بلکہ حیوانوں سے بھی گئے گز سے اسلئے وہ اسلامی اجتماعیت میں ضم

نہیں ہو سکتے۔

اس قسم کی اجتماعیت جس میں ہندو، عیسائی، سکھ، پارسی، بودھ
سب شریک ہوں۔ سیاسی اغراض کے ماتحت دنیاوی اغراض و مقاصد
کے ماتحت صورت پذیر ہو سکتی ہے مذہبی عقائد کی بنا پر نہیں۔ اس میں
کوئی شبہ نہیں کہ اسلام اپنے نظام حکومت میں اتنی جامعیت اور
وسعت رکھتا ہے کہ غیر مسلم اقوام کے جان و مال عزت و آبرو و مذہب
و ملت محفوظ رکھنے کی ضمانت اس میں موجود ہے۔ مگر جہاں تک مذہبی
افکار و رجحانات کا تعلق ہے وہ ان کو کسی قیمت پر کہیں رہن رکھ کر کسی نہایت
پر کبھی رہنا مندر نہیں ہو سکتا۔

اس لئے پرویز صاحب کا یہ انکشاف کہ:-

لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ كَمَا بَدَأْنَاهُ مِنْ نَارٍ وَجَعَلْنَاهُمْ
الْأَكْرَمِينَ اور قرآنی نقطہ نظر سے امیر عرب کا لے گئے کی بیز نہ کا فردوس کی
تفریق ہے نہ وطن و نسل کا امتیاز ہے نہ بودماندگی خصوصیت۔
" آدمیت احترام آدمی امت۔ قرآن کا بیبازی اصول ہے۔ جو کبھی اس
کی حفاظت کرے گا۔ اسکا ہی کہلے گا۔
قرآن پر تہمت ہے۔ قرآنی ہیں اکرام و تکریم کے درجات تقویٰ سے متعین
ہوتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اِنْفَاكُم نِيَاك و بَدَا دَرَجَةَ مَسَاوِي تَسْلِيْم كَرْنِي سَ قُرْآن كُو
انگل ہے۔

ام حسب الذین اجترخوا البات نجعلهم مسا الذین
امنوا و عملوا الصالحات سوا و محیا و هم و هم ایتھم شاء ما یجکون
قرآن انسانی درجات و اشکات کا قائل ہے۔

وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضِكُمْ دَرَجَاتٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَىٰ

کو رفیع الدرجات بتاتا ہے۔

نور و ظلمت کا درجہ مساوی نہیں ہو سکتا۔ لایستوی الظلمت
والنور۔ دھوپ سایہ یکساں نہیں ہو سکتے ولا اطل والحور، اندھے
اور آنکھوں والے برابر نہیں۔ لایستوی اکاعی والبصیر۔ نور و
نار کفر و ایمان مساوی نہیں ہو سکتے۔ لایستوی اصحاب النار
واصحاب الجنة۔

درخت بیج سے پیدا ہوتا ہے بیج درخت

مرغی سے انڈے

سے؟ انڈا مرغی سے پیدا ہوتا ہے یا مرغی

پانڈے سے مرغی

انڈے سے پیدا ہوتی ہے؟ آپ ان سوالوں

کے جواب میں جو کچھ کہہ سکتے ہیں بالکل وہی پروردگار صاحب کی اس بات کا جواب
ہوگا جو انھوں نے اسلامی مملکت اور مسلمانوں کے متعلق کہی ہے وہ کہتے ہیں

یہ کہتا کہ لوگ اسلامی طریق کے مطابق زندگی بسر کرنے لگیں تو

مملکت خود بخود اسلامی بن جائیگی گاڑی کو گھوڑے سے آگے رکھنے کے مترادف ہے

پہلے مملکت اسلامی بنتی ہے اس کے بعد لوگ اسلامی زندگی بسر کرنے قابل ہوتے ہیں

وہی انڈے مرغی والا سوال ہے مسلمانوں سے اسلامی مملکت ہے یا اسلامی مملکت سے

مسلمان ہیں اس مسئلہ کا حل تاریخ اسلام میں تلاش کیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام

اور مسلمان پہلے ہی حکومت بعد میں ہے۔

حضرت انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہمارے

سامنے ہے۔ صحابہ کبار کی زندگی ہمارے سامنے ہے۔ مگر

معظم میں مسلمانوں کی مطلوبانہ زندگی ہمیشہ طیبہ کی بھرت

مذہب و احد کی معرکہ آرا اپناں پہلے۔ فتح مکہ بعد میں ہے۔ اس لئے پرویز صاحب کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ پہلے مملکت اسلامی بنتی ہے۔ پھر فرد کا اپنے طور پر نیک بننے کی کوشش کرنا۔ قرآن سے غیر خداوندی طریق زندگی قرار دیکر اجتماعی زندگی کو صحیح روش بتاتا ہے اسی کو اسلامی مملکت کہتے ہیں۔

مادرن اسلام

سائنس کی حیرت ناک ترقیاں لوگوں کے دل و دماغ پر اتنی چھاؤنی
 ہیں کہ مذہب کی وقعت ایک فرسودہ نظام سے زیادہ نہیں رہی ہے
 وہ ممالک جو سائنس کے لحاظ سے ترقی یافتہ سمجھے جاتے ہیں مذہبی قیود
 سے مطلقاً آزاد ہیں وہاں عملاً نہ کوئی دین ہے نہ کوئی مذہب، مگر ان
 ممالک کی دیکھا دیکھی لامذہبی رجحانات پوری دنیا میں پھیلتے جا رہے
 ہیں۔ اہل مذہب آج اپنے اپنے مذہب کے ساتھ بہت کم مخلص اور ہر کے
 نام و فادار رہ گئے ہیں اور جو تھوڑے بہت مخلص یا وقادار لوگ ہیں انکا بھی
 یہ حال ہے کہ ان سے مذہبی عقائد سنبھالے نہیں سنبھلتے سائنس کی ترقی اور عادت
 کے عروج کو دیکھ کر یہ لوگ چاہتے ہیں کہ مذہب کو بھی سائنس تک بنا لیا جائے
 ان کے نزدیک سائنس تو مذہب کی ماتحتی قبول نہیں کرتی۔ اس لئے اس
 کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ مذہب کو سائنس کے تحت کر لیا جائے۔ اس
 احساس کثری میں جہاں دنیا کے دوسرے مذاہب بری طرح گزرتا رہیں، وہاں
 وہاں مذہب اسلام کے ماننے والوں میں بھی ایک ایسا طبقہ پایا جاتا ہے جس نے
 اسلام کو خالص مادی سطح پر لا کر رکھ کر دیا ہے۔ اس طبقہ کے نزدیک دین مرچکا
 ہے اس لئے وہ اس کو زندہ کرنے کی فکر میں ہیں۔ ان کے خیال میں دین
 اسلام پرانا ہو گیا ہے اس لئے تجدید کی ضرورت سے تجدید و احیاء

دین کے کارناموں پر آپ ایک سرسری نظر ڈالیں گے تو پہلی نظر میں معلوم ہوگا
کہ مادیت کو کس خوب صورتی سے دین کا جامہ پہنایا جا رہا ہے اور پھر کس
فخر و ناز سے اس کو دینی خدمت بتایا جا رہا ہے۔ آپ کو یہ دیکھ کر تعجب ہوگا
کہ اسلام پر جو اعتراضات روس کے لادینی دل و دماغ اٹھا سکتے ہیں بالکل
یہی اعتراضات ہمارے "اہل تجرید" کی زبان و قلم سے نکل رہے ہیں، مثال
کے طور پر کچھ باتیں سن لیجئے۔

روسی مفکرین کہتے ہیں کہ مسلمان تو ہم پرست ہیں۔ وہ یہ فلسفی عقیدہ
رکھتے ہیں کہ انسان مرکز زندہ ہوگا، انسان سے قبر میں سوال و جواب ہوں گے
عذاب و ثواب ہوگا۔ روسی مفکرین کے جواب میں زیادہ سے زیادہ ہم جو کچھ کہہ
سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ حیات بعد الممات (موت کے بعد زندگی) کے نظریہ پر
جو اعتراضات نزول قرآن کے وقت عہد جاہلیت کے بدوعربوں نے کیا تھا وہ
یہی تھا کہ گلی ہوئی ہڈیوں کو کوئی زندہ کرے گا؟ روسی مفکرین نے یہ ثابت کر دیا
کہ حیات بعد الممات کے انکار میں آج کا توفی یافتہ لادینی دل و دماغ آج سے ساڑھے
تیرہ سو برس پیچھے کی منزل میں ہی محبوس ہے۔

ہم کفر و اسلام میں کوئی مفاہمت کی راہ تو نہیں نکال سکتے کیونکہ بنیادی
طور پر کفر و اسلام ایک دوسرے کی ضد ہیں مگر ہمارے تجرید پسند حضرات
اپنی روشن خیالی اور بیدار مغزی کی داد حاصل کرنے کے لئے حیات بعد الممات جیسے
دینی عقیدہ سے بھرا دست بردار نظر آتے ہیں۔ عام مسلمانوں کا کیا ذکر ہے؟ یہ لوگ
حیات شہید کے بھی قائل نہیں رہے جن کی حیات کا قرآن اعلان کر چکا ہے، اسی
طرح حیات انبیاء کے بھی وہ قائل نہیں رہے جو بڑی امت کا مسلمہ اور اجرائی
عقیدہ ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کا عقیدہ، آپ کی عصمت

کا عقیدہ۔ ان کے نزدیک غلو آمیز اور طلسمی عقیدہ ہے۔ اس کے بعد اندازہ کیجئے کہ اسلام اور مادیت دونوں حیات بعد الممات کے مسئلے کے انکار میں یکساں متفق ہیں یا نہیں؟

روسی مفکرین مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے ہیں کہ مسلمان اپنے مردوں کو زندہ سمجھتے ہیں۔ انھیں کھانے پینے کی چیزیں بھیجتے ہیں ان کی قبروں پر جا کر انھیں سلام کرتے ہیں، فاتحہ پڑھتے ہیں، جبکہ مطلب یہ ہے کہ مرنے کے بعد کوئی طلسمی دائرہ پہنچے۔

کون نہیں جانتا کہ بالکل ہی خیالات مسائنٹک اسلام، والوں کے ہیں۔ قبروں کی زیارت کرنا، ایصالِ ثواب، فاتحہ، درود، میلاد شریف عرس گو یہ لوگ ناجائز، بدست شرکت اور بدجالے کہا کہتے۔ ہتے ہیں جس سے ان کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ وہ تمام کام جن سے حیاتِ اخروی کی یاد دہانی ہوتی ہے بند کر دیئے جائیں۔

یہ نادان نہیں جانتے کہ اسلام کی عالی شان عمارت کا سنگ بنیاد حیات بعد الممات ہی کا تصور ہے۔ اگر یہ تصور اس عنوان کی زندگی میں نہ پڑ جائے تو پھر حیرت اور حیرت و دوزخ گناہ و ثواب کے نظریات بالکل لغو ہو کر رہ جائیں گے۔ روسی لادینیوں کے علاوہ ہندو مذہب، بودھ مذہب کے ماننے والوں کی کثیر تعداد حیات بعد الممات کے عقیدہ کی تردید میں ایڑی چوٹی کا زور لگائیں۔ پھر یہ کس قدر عاقبت نااندیشی ہوگی کہ حیات کے اس تصور کو قبول کیا جائے جو بالکل مادی تصور ہے اور حیات کا وہ اسلامی تصور قبول کرتے ہوئے شرمائے جس میں زندگی ازل سے ابد تک غیر منقطع مسلسل اور جاری و ساری ثابت ہے۔

قرآنی نظریہ حیات جو سچہ آج پیدا ہوتا ہے۔ مادی اعتبار سے اس نے میدان زندگی میں پہلا قدم آج ہی رکھا ہے مگر قرآن گواہی دیتا ہے کہ اس بچہ نے ہم سب کی طرح ازل میں بغیر کانون کے آکسٹن بوسٹکم کی آواز سنی اور بغیر زبان کے جواب میں سلی کہا حالانکہ وہ عالم وجود میں آگیا ہے اور اس صورت میں آیا ہے کہ کان علم و شعور سے عاری ہے سوال سنانے اور جواب دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا مگر اس کے باوجود ازل میں اس کے لئے یہ صفات ہیں اور بغیر جسم و حیوانات کے ثابت ہیں اسی طرح مرنے کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ انسان قبر میں منگرنے سے سوال و جواب میں مشغول ہے۔ حشر تک موقف احتساب میں جا رہا ہے حساب کتاب کے بعد جنت و دوزخ میں رازہ و پائندہ اس طرح وہ زندگی جو اصل سے شروع ہوئی ہے ابتدا تک چلی جاتی ہے۔ نہ انسان راستہ میں کہیں گم ہو جاتا ہے، نہ کم ہو جاتا ہے نہ زیادہ ہو جاتا ہے نہ بدل جاتا ہے تغیر و تبدل صورت انسانی پر واقع ہونے میں حقیقت انسانی نہ تغیر قبول کرتی ہے نہ کبھی فنا۔

خبر میں آیا ہے کہ جنت والوں کے پاس خدا کا فرشتہ آئیگا پہلے حاضر ہونے کی اجازت حاصل کر لیا اور ان کے پاس پہنچ کر ایک مکتوب حوالہ کرے گا یہ مکتوب خالق کائنات کی طرف سے اہل جنت کے نام ہوگا جس میں سلام کے بعد لکھا ہوگا کہ خدائے تعالیٰ و قیوم کی طرف سے جو کبھی نہ سرگیا خط ہے بنام ان لوگوں کے جو حقیقتاً رازہ اور قیوم ہو چکے ہیں اور کبھی نہ مرے گئے۔ اما بعد پس معلوم ہو کہ میں جس چیز کو کہتا ہوں کہ وہ ہو جائے وہ ہو جاتی ہے یعنی کون کہتا ہوں فی کون پس وہ ہو جاتی ہے اور اب تم کو بھی میں یہی بتا دیتا ہوں کہ جس شے کو کون کہو گے وہ ہو جائے گی۔

معاندینِ حدیث و قرآن

قرآن پاک اللہ کی کتاب ہے۔ اللہ نے اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس لئے ہمارا ایمان ہے کہ حدودِ زمانہ اور انقلاباتِ روزگار کی دستبرد سے کتاب اللہ ہمیشہ محفوظ رہے گی۔ اسی طرح ہمیں اعتمادِ کلی ہے کہ کفر و طاعت کی تمام قوتیں متحد ہو کر ابڑی چوٹی کا نور لگاؤں گی تو بھی کتاب اللہ کے ایک حرف کو صفحہ ہستی سے مٹانے میں کامیاب نہ ہوں گی۔

مگر اس ایمان و اذعان کے باوجود ہمارا ایمانی فریضہ ہے کہ ہم کتاب اللہ کی حفاظت کے لئے تن من و دھن سے جو خدمت بھی کر سکتے ہوں، اس میں کوئی کسر نہ اٹھار کھیں۔ کتاب اللہ کی حفاظت کا مفہوم نہایت وسیع ہے، کلمات و عبارات سے لے کر مفہام و معانی اور مفہام و معانی سے لے کر ان کے حقائق و غوامض تک کی حفاظت، کتاب اللہ کی حفاظت کے معنوں میں شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حفاظتِ قرآنی کی ذمہ داری بحیثیتِ مجموعی امت کے لئے سنبھال رکھی ہے۔ وہ افرادِ امت بھی ہیں جو حقیقتِ قرآن کے پورے پورے حافظ ہیں۔ اور وہ افراد بھی ہیں جو معانی قرآن کے پورے پورے حافظ ہیں اور ایسے افراد بھی ہیں جو حقائقِ قرآن کے پورے حافظ ہیں اور وہ بھی ہیں جو ان تمام امور کو جامع ہیں۔ اس لئے

کہ حقائق معانی سے اور معانی الفاظ و عبارات سے جِد انہیں ہیں مگر وہ افراد جو الفاظ و عبارات کے حافظ ہیں ضروری نہیں کہ معانی اور حقائق کے بھی حافظ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے حافظ قرآنی ایک آیت کے معنی بیان کرنے سے بھی قاصر ہیں اور بہت سے معنی جاننے والوں کو یہم دیکھتے ہیں کہ وہ ان معنیوں کی حقیقت پر نہ خود مطلع ہیں اور نہ دوسروں کو ہی مطلع کر سکتے ہیں۔

بہر کیف جہاں تک حفاظتِ قرآن کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ثابث پورا ہوا ہے اور پوری امتِ مسلمہ اپنی انفرادی اور اجتماعی کوششوں سے حفاظتِ قرآنی کی ذمہ داری کے کام میں لگی ہوئی ہے۔ جس طرح پوری امت اپنے افعال و اعمال کے لحاظ سے قرآنی حصار میں ہے یہم دیکھتے ہیں کہ قرآن بھی امتِ مسلمہ کے حصار میں ہے قرآن الکی حفاظت کر رہا ہے اور قرآن کی حفاظت کر رہے ہیں۔ دنیا زبرد زبرد ہو جائے مگر قرآن میں زبرد زبرد کا تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ بہر صورت قرآن مجید خود حصار ہے اور ایسا حصار ہے کہ جس میں آگے پیچھے دائیں بائیں نہیں سے بھی باطل داخل نہیں ہو سکتا۔ اس کتاب کی عصمت ہی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت سے وابستہ ہے، آپ کی عصمت، امت کا اجتماعی عقیدہ ہے اگر کوئی شخص اس عقیدہ کو تسلیم نہیں کرتا تو پھر دوسرے لفظوں میں وہ کتاب کی عصمت کا بھی قائل نہیں ہے کیونکہ جب نبی ہی معصوم نہیں ہے تو اس کی زبان سے نکلی ہوئی عبارت لبِ خطا سے پاک ہو سکتی ہے! کتاب اللہ پر ایمان لانے سے پہلے ضروری ہے کہ نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا جائے۔ جب آپ کو نبی معصوم تسلیم کر لیا گیا تو پھر آپ نے

جو کچھ فرمایا ہے وہ سب کا سب قابل تسلیم ہو گا۔

معلوم ہوا کہ مدارِ ایمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے اسلئے وہ تمام فرقی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کی عظمت قائم کرنے کو دین سمجھتے ہیں، ہمارے نزدیک بے دین ہیں۔ حضور کی جناب میں بے ادبی اور گستاخی کے بعد نہ دین باقی رہتا ہے، نہ ایمان باقی رہتا ہے۔ پھر چاہے کوئی خود کو اہل حدیث ہے یا اہل قرآن وہ کبھی اہل حدیث نہیں ہو سکتا ہے۔ نہ اہل قرآن ہو سکتا ہے کیونکہ قرآن و احادیث کی عظمت و عصمت تو حضور کی عصمت و عظمت سے پیدا ہوتی ہے۔ پہلے آپ ہیں، اس کے بعد قرآن اور احادیث ہیں۔

قرآن مجید نے غیر مبہم الفاظ میں اعلان کر دیا ہے کہ:-

لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ

رغم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آوازوں کو بلند نہ کرو

آپ کی جناب میں بلند آواز سے بات کرنا بھی ایسی بے ادبی ہے کہ اعمال ضبط ہو جاتے ہیں۔ یہ ادب کی انتہا اور انکسار و عجز کا کمال ہے جو بندوں کو خدا کی طرف سے بارگاہِ حبیب میں حاضری کے وقت ملحوظ رکھنے کے لئے تعلیم کیا گیا ہے۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ ادب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری تک محدود تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بعض صحابہ کرام کو جو آواز بلند مزار پر انوار کے قریب سرگرم گفتگو تھے رفع صوت سے اسی آیت کے مطابق منع فرمایا۔

جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں آپ کی آواز بہارک

پر آواز بلند کرنا بے ادبی تھا۔ آج بھی یہ ادب نثرط ایمان ہے، اگر کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث مبارک کو سن کر یہ آواز بلند کرتا ہے کہ میں اس حدیث کو نہیں مانتا تو یقیناً یہ بھی بنی کی آواز پر اپنی آواز کو بلند کرنا ہے کیونکہ صوتِ نبوی کا دوسرا نام ہی حدیثِ نبوی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی کو

انکارِ حدیث ہم احادیثِ نبوی کہتے ہیں۔ یہ احادیث مبارکہ ہم تک جن ذرائع سے پہنچی ہیں۔ ان ذرائع میں راویوں کے نام آتے ہیں۔ ان راویوں کے متعلق آئمہ فن نے تحقیق و تفتیش کی ہے اور ایک مستقل فن اسماء الرجال اس سلسلہ میں وجود پذیر ہوا ہے۔ دنیا میں شاید ہی کوئی تاریخ اتنی چھان بین کے ساتھ مرون ہوئی ہو جتنی چھان بین سے احادیث کی تدوین ہوئی ہے۔ بہر حال احادیث کی صحت و ضعف معلوم کرنے کے جو امکانی ذرائع ہو سکتے ہیں وہ تدوین احادیث کے سلسلہ میں نظر انداز نہیں کئے گئے نہ صرف روایات بلکہ روایت کے لحاظ سے بھی جو احادیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی ہوں، ان کو تسلیم کرنا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی مطاع اور واجب الاتباع تسلیم نہ کرنا ہے۔ اس انکار کے بعد قرآن کا اقرار محض لایعنی سی چیز سے کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ قرآن کو ماننے والا احادیث کو نہ مانے

پھر قرآن کا یہ دعویٰ ہی کیوں ہے کہ اس کا دائرہ ہدایت ہدایت و ضلالت مطلق ہے، عام ہے، بلکہ اس کے برعکس اس کا دائرہ ہدایت صرف متقین کے لئے خاص ہے۔ ہُدٰی للمتقین۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ قرآن سے ہدایت حاصل کرتے ہیں اور

بہت سے لوگ قرآن سے گمراہ ہوتے ہیں

يُفِضُ بِهِ كَثِيرًا مَّا سَاءَ مَا يَحْكُمُ بِهُ كَثِيرًا مَّا

کہ قرآن سے گمراہ ہونے والے صرف وہی لوگ ہیں جو فاسق ہیں

وَمَا يَصِلُ إِلَيْهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ

فسق کے بہت سے مدارج ہیں مگر فسق کا اعلیٰ ترین درجہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی جناب میں لے ادبی اور گستاخی ہے یہ ایک ایسا ذریعہ ہے کہ جس

دل میں سرایت کر جائے اس دل پر گمراہی کے دروازے کھل جاتے ہیں اور

دین و ایمان ہدایت اور سعادت سے ایسا دل قطعاً محروم ہو جاتا ہے۔

تعجب ہے کہ وہ لوگ خود کو اہل قرآن کہتے ہیں جو نبی کی آواز پر اپنی

آواز بلند کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم رفع صوت منع کرتا ہے اور یہ

بارگاہ رسالت میں کھلی لے ادبی ہے اور فسق ہے اور فاسقین کہلے

قرآن ہدایت نہیں ضلالت ہے۔

ارشاد نبوی کا سننا اور ماننا (سماعت و اطاعت) پر مسلمان

پر فرض ہے جو اس کا منکر ہے وہ بھی اگر مسلمان ہے تو پھر مسلم و کافر میں فارق

کوئی امر نہیں ہے۔

قرآن کے ساتھ ہی مخالفین قرآن بھی وجود میں آئے تھے۔ مخالفین

قرآن بھی ہر دور میں وجود و جہد کرتے چلے آئے ہیں کہ اس کا درجہ گھٹایا جائے

کلام الہی کو کلام بشری ثابت کیا جائے۔ اس صفت کے لئے انہیں حضور

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو معرض بحث میں لانا پڑا۔ آپ کی بشری

حیثیت پر زیادہ سے زیادہ زور لگانا پڑا تاکہ بشری کمزوریوں کا تصور جو

امت کے دماغ میں موجود ہے اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معصوم

تصور متاثر ہو۔ اور اس تاثر کے نتیجہ میں ما فوق البشر کارناموں کا یقین بھی
 متزلزل ہو جائے۔ ان کارناموں میں سے ایک کا نامہ وحی بھی ہے۔
 بشری کمزوریوں کے تصور کے ساتھ اس تصور کو قائم کرنا کہ بشر
 خدا کا نائب اور بنی ہو سکتا ہے اور یہ کہ کسی بشر پر وحی بھی آتی ہے؟
 اور وہ خدا سے ہمکلام ہوتا ہے؟ عقل کے نزدیک کتنا دشوار ہے!
 آخر وہ سب لوگ پاگل اور دیوانے تو نہیں تھے جنہوں نے ہر زمانے
 میں ہر بنی سے بشریت، جنسیت اور مثلیت کا دعویٰ کیا؟ ان کا یہ دعویٰ
 عقل کے نزدیک غلط تو نہیں تھا کہ آپ (بنی) بھی ہم ایسے ایک بشر ہیں؟
 جب یہ دعویٰ صحیح تھا تو کیا ان کا یہ سمجھنا غلط تھا کہ خدا کو رسول بھیجا تھا تو
 کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجا۔ ہم ایسا بشر کس طرح رسول ہو سکتا ہے؟
 اس تعجب میں وہ اپنے نفس کی حالت کے ترجمان تھے اور اپنے نفس میں
 چونکہ کوئی تجربہ وحی الہی یا خدا سے ہمکلامی کا نہیں رکھتے تھے اس لئے
 حارج میں وحی کا اقرار دشوار تھا۔ اور یہ بھی دشوار تھا کہ اپنے نفس کی
 حالت کے سوائے کسی دوسری حالت کا قیاس کسی دوسرے نفس کے لئے
 کر سکیں اس لئے وہ انکار رسالت پر عقلاً مجبور تھے۔

مقصود یہ ہے کہ مخالفین قرآن ہمیشہ سے صاحب قرآن کے مخالف
 رہے ہیں اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کی اہمیت
 کم نہیں ہو سکتی نہ اس کی رفعت شان میں کوئی فرق آسکتا ہے۔
 یہ کوشش کہاں تک کامیاب ہوئی اس کا جواب تفصیل طلب
 ہے۔ مگر اجمالاً یہ بتانا کافی ہوگا کہ خود امت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی ذات گرامی موضوع بحث بن گئی مسلمانوں میں کچھ فرقے پیدا ہو گئے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشری خصوصیات نہ جانتے کہاں کہاں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالتے ہیں اور بڑے فخر و مباهات سے مسلمانوں کے سامنے پیش کرتے ہیں اور اس کو بہت بڑا دینی کارنامہ سمجھتے ہیں۔

ان کی تحریر و تقریر کا سارا زور بشریت کے اثبات میں صرف ہوتا ہے حالانکہ یہ معمول کافروں کا کارہا ہے کہ وہ نبیوں کو بشر کہتے ہیں اور اس بشریت سے ان کی مراد ہمیشہ نبیوں کی اہانت ہوتی تھی۔ قرآن نے ہر دور کے کافروں کا یہی مقولہ بیان کیا ہے کہ وہ نبیوں کو اپنے ایسا بشر کہتے تھے۔

یہی حال کفار عرب کا تھا انہوں نے بھی حضور کو بشریت کا طعن دیا اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ نے فرمایا، انا بشر مثلكم یوحنا الی۔

میں تم جیسا بشر ہوں مگر میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غرور کو بشر فرمانا اور بات ہے اور کافروں کا آپ کو بشر فرمانا اور بات ہے آپ کا یہ فرمانا کہ میں بشر ہوں بشر کی رفعت شان اور علوی مرتبت کی دلیل ہے۔

اور کفار کا یہ کہنا کہ آپ بشر ہیں بشریت کے ادنیٰ تصور اور حقیر معنوں کا حامل ہے جو ان کے باطن کی جنائت اور نفس کی دنائت کی دلیل ہے اسی لئے قرآن کریم نے نبی کو بشر کہنے والوں کے مقولہ کو کافروں کا مقولہ کہا ہے۔

وقال الذین الکفروا بشر مثلنا ینذنا

یعنی کافروں نے کہا، کیا ہم بشر ہیں اور اسے دکھائیگا

اس وضاحت کے بعد یہ سمجھ میں آئی کہ اس بات ہے کہ مسلمانوں کے وہ فرقے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کو اپنا موضوع تحریر و تقریر بنا لے ہوئے ہیں وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر ان لوگوں کی ترجمانی کر رہے ہیں جنہوں نے نبی کو اس لئے بنی ماننے سے انکار کر دیا کہ آپ بھی ان جیسے بشر ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی معصوم عن الخطا

نبوت اور بشریت

نبوت ہے اس کے ثوائے عملی اس درجہ کمال پر فائز ہوتے ہیں جہاں اس کے فکر و نظر قول و عمل کو خطا سے پاک یقین کیا جاتا ہے یہ عظمت خدا کی دین ہے جو نبیوں کے ساتھ مخصوص ہے اس اختصاص میں کوئی بشر نہیں ہے۔ مگر اس کے برخلاف مقولہ مشہور ہے "الا لسان مرکب من الخطاء والشیان بشر کی فطرت میں خطا و نسیان نمایاں شرط و حال کی حیثیت رکھتے ہیں اس ہم کسی ایسے بشر کا تصور بھی نہیں کر سکتے جو گناہوں سے معصوم اور خطاوں سے پاک ہو جب کہ کسی بشر کا تصور ہمارے دماغ میں آئے گا، تو ازم بشریت اور خصوصیت بشری کے ساتھ ہی آئیگا اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ گناہ اور خطا، تو ازم بشری اور خصوصیات میں سے ہیں۔ مگر ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور کرتے ہیں تو ازم بشری صرف آپ ہی کو الیہا فرد واحد تصور کرتے ہیں جو ہر گناہ سے معصوم اور ہر خطا سے پاک ہیں۔ یہی خصوصیت ہر دور میں ہر نبی کی رہی ہے اس نقطہ پر نبی کا تصور بشر کے تصور کے ساتھ جنسیت اور مشابہت کے باوجود یکجا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بشر کا تصور عیوب و نقائص، گناہ و خطا کے تمام تصورات سے خالی نہیں ہو سکتا اور نبی کا تصور عیوب و نقائص گناہ و خطا کے تمام تصورات سے پاک ہے، کیونکہ وہ معصوم ہے۔ پس

بنی کی بشریت کا تصور جتنا قوی ذہن نشین ہوگا، اسی نسبت سے بنی کی عصمت کا عقیدہ دھندلا ہوتا چلا جائے گا۔ چنانچہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ بنی کی بشریت پر زور دینے والوں کی زبان و قلم سے نکل کر آئے دن ایسے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں جنہیں عقیدہ عصمت کے خلاف زہر افشانی ہوتی ہے۔ گذشتہ دنوں ہم نے میا پنامہ "تجلی" دیوبند کے اس مضمون کی طرف مسلمانوں کو توجہ دلائی تھی جس میں عقیدہ عصمت کو بری طرح مجروح کیا گیا تھا جب بنی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخصوص تصور کرنے میں ان لوگوں کو تردد ہے تو ان کو احادیث نبوی کی حجیت تسلیم کرنے میں تردد کیوں نہ ہوگا۔

حقیقتاً بنی صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کے انکار کی بنیاد پر ہی انکارِ حدیث کی عمارت کھڑی ہوئی ہے۔

پھر جو شخص منکرِ حدیث ہے اور حدیث کو دین میں حجت نہیں سمجھتا۔ آخر وہ کس دلیل سے قرآن کو خدا کا کلام سمجھتا ہے؟ کیونکہ قرآن کے کلام اللہ ہونے پر واحد دلیل یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کلام اللہ فرمایا ہے اور حضور کے ارشاد گرامی کا نام ہی حدیث ہے۔

گرچہ قرآن از لب پیغمبر است مگر مگر پیر از خدا آں کا فر است

قرآن کو صاحب قرآن سے الگ کر کے سمجھنے کی کوشش نزول قرآن سے لے کر آج تک کبھی کسی مسلم نے نہیں کی۔ مگر اس زمانہ میں جب کہ دین کے نام پر نئے نئے فتنے برپا ہو رہے ہیں، ایک سب سے زیادہ خطرناک فتنہ انکارِ حدیث کے نام سے مشہور ہوا ہے۔ یہ منکرینِ حدیث جو درحقیقت منکرینِ قرآن ہیں۔ تعجب ہے کہ خود کو اہل قرآن کہتے ہیں۔ اس فرقے کے سربراہ مسٹر پرویز آیات قرآنی کی اپنی اپنی سے الٹی الٹی تفسیر کرتے

ہیں اس تفسیر کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بہر حال حدیث و فقہ کے دفتر پارٹی پر خط نسخ کھینچتی ہے اور ایک ایسے دین اسلام کا تصور پیش کرتی ہے جس میں مسٹر پرویز صرف شارح کی حیثیت سے نہیں بلکہ شارح کی حیثیت بھی رکھتے ہیں۔ امت کا تزکیہ اور امت کو کتاب و حکمت کی تعلیم دینا بنی کا کام ہے۔ کوئی امتی بالاصالت اس منصب پر فائز نہیں ہو سکتا۔ صرف وراثتاً اور نیا بننا یہ کام انجام دے سکتا ہے مگر مسٹر پرویز نے اگرچہ نبوت کا بظاہر دعویٰ نہیں کیا ہے مگر درحقیقت نبوت کا عہدہ سنبھال لیا ہے۔ اب وہ اپنی بات کو قرآن کی بات اور اپنی آواز کو قرآن کی آواز بتا رہے ہیں۔ آیات قرآنی سے خدا کی کیا مراد ہے؟ یہ خدا کے رسول سے نہ پوچھئے مسٹر پرویز سے پوچھئے۔ خدا کے رسول کی بات نہ مانئے، مسٹر پرویز کی بات نہ مانئے، قول رسول حجت نہیں۔ قول پرویز حجت ہے۔ قرآن کے معانی و مطالب بیان کرنے کا حق جو مسٹر پرویز کو حاصل ہے وہ حق اس ذات کو بھی حاصل نہیں ہے جس پر قرآن نازل ہوا۔ پھر محدثین، مفسرین، متفقہین اور متکلمین تو عزیز کس شمار میں ہیں۔ غالباً مسٹر پرویز اپنے متعلق یہ کبھی تسلیم نہیں کریں گے کہ وہ مسلمانوں کو غلط راستے پر ڈال رہے ہیں اسی طرح غالباً وہ اس امر کو ماننے سے بھی انکار کریں گے کہ قرآن کے معانی و مطالب بیان کرنے میں جمہور امت سے بالکل الگ تھلگ ہو کر ایک نئی راہ پر چل پڑے ہیں۔

جب صورت حال یہ ہے تو اس مرحلہ پر قدرتی طور پر یہ سوالات

پیدا ہوتے ہیں کہ:-

۱۱) قرآن کی نئی تفسیر اور اسلام کی نئی تعبیر جو وہ پیش کر رہے ہیں اس کی سچائی کا یقین انھیں کہاں سے حاصل ہوا؟

۱۲) وہ راہ جو انھوں نے اختیار کی ہے اور جس کی طرف وہ مسلمانوں کی رہنمائی کر رہے ہیں اس کو راہ راست یقین کرنے کے وجوہ ان کے پاس کیا ہیں؟
 ۱۳) تعلیم کتاب و حکمت کا منصب جو شائع علیہ السلام کا اصلی حق ہے خود شائع علیہ السلام کے علی الرغم انھیں کہاں سے حاصل ہوا؟
 ان سوالات کے جوابات میں جو کچھ بھی کہا جائیگا وہ دو حال سے خالی نہ ہوگا۔

پہلی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ پرویز صاحب اپنی پیش کردہ اسلام کی نئی تعبیر اور قرآن کی نئی تفسیر کو قیاسی اور ظنی بتائیں یا اپنا علمی کارنامہ کہیں بہر حال اس صورت میں ان کے یہ کارنامے مفید ظن ہو سکتے ہیں مفید یقین قطعاً نہیں ہو سکتے۔ وان الظن لا یغنی عن الحق شیئاً۔ اس صورت میں ان کی ہر تشریح، ہر تفسیر، ہر تفسیر لوجیہ، ہر تعبیر اور یقین اثر نہ جائے جو اب سے کوسوں دور ہوگی، اس پر یقین کرنا اور یقین دلانا بنائے فاسد علی القیاس ہوگا۔

ان قباحتوں سے بچنے کی ایک دوسری صورت ہو سکتی ہے! وہ یہ کہ پرویز صاحب اپنے ان کارناموں کو ظنی اور قیاسی تسلیم نہ کریں بلکہ اپنے اس علم کا نتیجہ قرار دیں جو کسی شک اور شبہ کو قبول ہی نہ کرتا ہو ظاہر ہے کہ ایسا علم جو غیر محتمل ہو ہر شک و شبہ سے پاک ہو یقینی اور قطعی ہوگا اور حاصل بھی انھیں ذرائع سے ہوگا جو ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک اور بذات خود قطعی اور یقینی ہوں کسی انسان کے پاس تو ایسے ذرائع موجود ہوتے ہیں

سکے اللہ نبیوں کو یہ ذرائع حاصل ہوتے ہیں کہ ان پر آسمان سے وحی آئے، فرشتے اگر انہیں علم عطا کریں یا خدا ان سے ہمکلام ہونے پر جو علم ان کے ذرائع سے آتا ہے صرف وہی قطعی اور یقینی ہو سکتا ہے۔ مسٹر پرویز یہ تو کھل کر نہیں کہتے کہ میں بنی ہوں اور مجھ پر فرشتے آتے ہیں مگر وہ جو کچھ کہتے ہیں اس کے متعلق علی الاعلان یہ ضرور کہتے ہیں کہ ان کی آواز قرآن کی آواز ہے اور ان کی مراد خدا کی مراد ہے۔ کلام الہی کے جو مطالب وہ بیان کرتے ہیں ان میں واللہ اعلم بالصواب کہنے کی بھی گنجائش نہیں، کیونکہ اس صورت میں ان کا علم قطعی اور یقینی نہیں ہوتا۔ اور یہ امکان تسلیم کر لینے کے بعد کہ ان کی بیان کردہ تفسیر کے علاوہ کوئی تفسیر اور ان کی بیان کردہ تعبیر کے علاوہ کوئی تعبیر بھی خدا کے نزدیک صحیح ہو سکتی ہے؟ اپنی تفسیر و تعبیر پر اکتفا کرنے کا ثور انہیں بھی کوئی موقع نہیں رہتا، پس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ اپنے ان کارناموں کو پھیرانہ کارنامے باور کرائیں، منصب نبوت پر قبضہ جمائیں، معاً نبوت کے فرائض انجام دیں خواہ لفظاً نبوت کا دعویٰ نہ کریں۔ حقیقتاً یہ منزل انکار حدیث کی منزل نہیں، انکار ختم نبوت کی منزل ہے اور بالمعنی دعویٰ نبوت ہے۔

دنیا میں چھوٹی سی چھوٹی اور فاسد سے فاسد تحریک بھی پر پیگندے کے زور سے چل سکتی ہے، کامیاب ہو جاتی ہے اور سچی سے سچی تحریک نشر و شبوح کے وسائل کی تنظیم کے بغیر نا کامیابی کا منہ دیکھتی ہے۔ غیر مذہبی تحریکات کو جانے دیجئے اور دوسرے مذاہب سے بھی قطع نظر کیجئے صرف مذہب اسلام کو لیجئے۔ اسلام کے نام پر وقتاً فوقتاً ایسی تحریکات رونما ہوتی رہتی ہیں جن کو اسلام سے کوئی واسطہ ہو سکتا ہے

تو صرف دشمنی کا ہو سکتا ہے۔ مگر پروپیگنڈے سے وہ تحریکات خالص اسلامی مشہور ہو گئیں، عوام کا تو ذکر ہی کیا، خواص بھی ان تحریکات کی تہ تک نہ پہنچ سکے اور صرف ان ظاہری خط و قال پر فریفتہ ہو کر ان کی رُو میں بہہ گئے۔

ختم نبوت

امت کا اجتماعی عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ امت کے خواص و عوام اس عقیدے سے اچھی طرح باخبر ہیں مگر اس کے باوجود ادعاے نبوت کیا گیا۔
 نبوت پر ایمان لانے والے افراد بھی مسلمانوں میں ہی سے مل گئے، ہمارے علمائے اس تحریک کے ٹورڈ میں کفر کے فتوے تو بہت دیئے، مگر تبلیغ دین کا میدان اتنا ہی کو سپرد کر دیا۔ وہ دین کے نام پر نئی نبوت اشاعت ساری دنیا میں کر رہے ہیں۔ اس اشاعت میں نظم سے تہ تیغ بہت حسین ہے، کشش ہے۔ یورپ میں جگہ جگہ ان کے مبلغین بڑی خوبی سے کام کر رہے ہیں۔ خود پاکستان میں ہنہایت خاموشی سے یہ کام ہو رہا ہے مسلمانوں کی اکثریت معاشی تنگی میں مبتلا ہے، اس قسم کے مبلغین سب سے پہلے مسلمانوں کی معاشی حالت کو سمجھنا لسنکی ذمہ داری لیتے ہیں۔ پھر ازدواجی سہولتیں بھی مہیا کرتے ہیں اور مابین خانہ زندگی کی کفالت کا وعدہ کرتے ہیں۔ اندھا کیا جا ہے دو آنکھیں، عزیز مسلمان اس طرح ارتداد کا شکار ہوتے جا رہے ہیں۔ مگر اہل سنت و الجماعت کے کانوں پر جوں تک نہیں آسکتی، وہ کبھی کبھار مجالس مواعظ میں یا اجازات و رسائل میں اپنے عقائد کا اظہار اور دوسروں کے عقائد کا ابطال کر دیں، اسی کو سب سے بڑی دینی

ہم تعجب اور حیرت سے دیکھتے ہیں کہ اچھے اچھے مفسرین نے یہ کہا ہے کہ یہ
 آیت کتاب مجید کی عصمت ثابت کرتی ہے۔ حالانکہ آیت بہار کہ میں اس
 تخصیص کا کوئی قرینہ نہیں ہے کہ آپ کے منطوق سے صرف کتاب مجید مراد لی جائے
 جب تخصیص کا کوئی قرینہ ہے تو یہ شخصیں کرنا کہ منطوق سے اراد عام نہیں ہے
 خاص ہے اور وہ خاص منطوق کتاب مجید ہے جیسا کہ قاضی بیضاوی نے کہا
 ہے اور اس پر وہ اعتراضات ہوتے ہیں اذلیٰ یہ کہ تخصیص مذکورہ کے لئے کوئی
 دلیل لفظوں میں نہیں پائی جاتی۔ دوسرے یہ کہ تخصیص مذکورہ سے لازم
 آتا ہے کہ کلام نبوی سے اعتماد اور لزوم بالکلیۃً اٹھ جائے (الغرض باللہ)
 پس تخصیص مذکورہ سے کلام مجید کی عصمت اس وقت ثابت ہوئی جبکہ
 قرآن مجید کلام نبوی نہ ہو اس کے سوا کسی اور معنی عصمت اس بات پر متوفق
 ہوگی کہ کلام الہی کلام نبوی سے ممتاز ہو۔ اس وقت میں کلام الہی بالوحی ہوگا۔
 اور کلام نبوی بلا وحی ہوگا۔ حالانکہ ہم پر جو سبب نازل نہیں ہونے اور ہمیں
 انہوں نے یہ خبر نہیں دی کہ آپ کا یہ کلام وحی سے ہے اور وہ کلام بغیر وحی کے
 ہے میں کلام معجز اور کلام غیر معجز کے متعلق جو خبر ملی ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ
 وسلم نے دی ہے۔ وحی متلو اور وحی غیر متلو کا حال یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 کے کلام ہی سے معادوم ہوا ہے۔ پھر جب حضور کے کلام سے عصمت جاتی
 رہی تو کلام مجید کی عصمت بھی جاتی رہی چاہے وہما ہی ہی اور اس طرح
 کلام مجید کا شطحی ہونا کھلی باطل ہو گیا، اور کلام مجید کی عصمت بھی باطل ہو گیا
 پس منطوق کی تخصیص کلام مجید کے ساتھ جیسا کہ قاضی بیضاوی
 نے اختیار کیا ہے اولاً کلام نبوی کی عصمت کو بخروج کرتی ہے اور کلام
 نبوی کی عصمت بخروج ہونیکے بعد ثانیاً کلام مجید کی عصمت کو باطل کرتی ہے۔

انکار حدیث کی داغ بیل قاضی بیہادی اور دوسرے مفسرین
 نے جو منطق کی تخصیص کتاب سے کی
 ہے غیر شعوری طور پر عصمت احادیث کو باطل قرار دینے کی کوشش
 کی ہے۔ دوسری صورت میں انکار حدیث کی داغ بیل اسی تصور کے
 ساتھ پڑتی ہے کہ قرآن کو داخل منطق فرض کیا جائے اور حدیث کو
 خارج از منطق اعتبار کیا جائے۔

اب امر سوم کو لیجئے۔ جو خرد کو منکرین حدیث نہیں سمجھتے۔
 مرفیہ مدعا احادیث کے لیے گریبانوں میں منہ ڈالیں اور انصاف
 کریں کہ وہ قائلین حدیث ہو کر عالمین حدیث
 بھی ہیں۔ رفع بدین قاتلہ خلف امام وغیرہ کے متعلق مسلمانوں میں شدید
 اختلافات پائے جاتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ ہر اختلاف کو رفع کرنے میں
 احادیث سے تقویت پہنچائی جا رہی ہے۔ حالانکہ اختلاف کو رفع کرنے میں
 احادیث سے تقویت حاصل کرنا چاہئے تھی۔ کیا اس کا مطلب فریاد یہ
 نہیں ہے کہ ہر فریق مفید مدعا حدیث کو مانتا ہے اور جو مفید مدعا نہیں
 ہے اس کو قبول نہیں کرتا۔ کیا یہ حالت بھی انکار حدیث کی حد تک نہیں
 پہنچتی ہے؟

امردوم کو لیجئے، مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی
 صحابہ خاٹلی کا قریب موجود ہیں جو صحابہ کو خاٹلی اور کاذب کہتے
 ہوئے نہیں سمجھتے۔ راویان حدیث صحابہ کرام ہی تو ہیں جب ان کو خاٹلی اور
 کاذب کہا گیا تو پھر ان کی بیان کی ہوئی روایتوں کا وزن جھوٹ کی پوٹ

سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے؟ (پناہ بخدا) اس مکتب فکر کے لوگ خود کو اہل حدیث کہتے ہیں، ان کے نزدیک صحابہ کبار اور خلفاء راشدین کے اقوال دین میں کوئی مقام نہیں رکھتے۔

بظاہر یہ نظریہ نہایت سیدھا سادہ اور سچا دکھائی دیتا ہے کہ دین میں قرآن و احادیث یعنی کتاب و سنت کے سوائے کسی کے قول و فعل کو حجت نہ مانا جائے۔ مگر اس سے زیادہ سیدھا سادہ اور سچا نظریہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف کتاب اللہ کو تمام دینی اعراض کے لئے کافی سمجھا جائے اور سوائے خدا کے اور کسی کی بات مانی جائے نہ سنی جائے۔ یہی وہ نظریہ ہے جہاں اہل قرآن کا منہ ہائے نظریہ اور کونسا مسلمان ہے جو اس نقطہ نظر کی صحت و اصابت سے انکا سر کی جرات کر سکتا ہے، مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ سیدھی سادی سمجھ میں آنے والی بات جو نہایت معصومانہ لب و لہجہ میں کہی جا رہی ہے لامتناہی پیچیدگیاں اور بے شمار فکر و نظر کی آوارگیاں اپنے معنوں کے پردے میں چھپاتے ہوئے ہے۔ آپ اس حقیقت کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں تو اہل قرآن کے لٹریچر کو دیکھئے فکر و نظر کی گہرائیاں براہ گندہ نقاب نظر آئیں گی، آپ دیکھیں گے کہ قرآن ہی کے نام پر قرآن کی تخریفات اہل قرآن کا نصب العین بن چکا ہے۔ قرآنی آیات کی وہ تفسیر جو بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے، اس کو نہ صرف ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں بلکہ ان کے نزدیک بدترین روایت پرستی ہے۔ اہل قرآن کے بعد ذرا اہل حدیث کے لٹریچر کو دیکھتے چاہئے یہاں بھی یہ حقیقت پس پردہ نہیں عیاں ہے کہ جس طرح اہل قرآن نے قرآن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کرنے کے بعد یہ کہہ دیا کہ بس جناب والا اب

آپ کی ہیں ضرورت نہیں نہ آپ کے سمجھانے کی ضرورت ہے، نہ آپ کے عمل کر کے دکھانے کی ضرورت ہے۔ ہم خود ہی قرآن پڑھ لیں گے۔ سمجھ لیں گے عمل کر لیں گے۔

بالکل اسی طرح اہلحدیث نے بھی صحابہ کرام سے احادیث حاصل کرنے کے بعد معارف لفظوں میں کہہ دیا ہے کہ بس بڑے بھائی ارجعت! اب آپ کی ہیں کوئی ضرورت نہیں نہ آپ کے سمجھانے کی کوئی ضرورت ہے، نہ آپ کے عمل کر کے دکھانے کی ضرورت ہے ہم خود ہی احادیث پڑھ لیں گے خود ہی ان کے معنی سمجھ لیں گے، خود ہی ان پر عمل کر لیں گے۔

کوئی بتائے اہل قرآن اور اہل حدیث کے اس خصوصی طریق فکر میں اولاً
کیا فرق ہے؟

خبر کے کلام کو سمجھنے کے لئے بنی کی احادیث ضروری ہیں تو احادیث بنوی کو سمجھنے کے لئے اقرآن صحابہ کیوں ضروری نہیں ہیں۔
ہاں فرق ہے تو یہ ہے کہ اہل قرآن نے اپنے نظریہ کے مطابق اللہ اور اس کے رسول کو ایک دوسرے کا متقابل اور اس کا حریف بنا کر پیش کیا ہے اور مسلمانوں سے اس متصواب رائے کیا کہ نہ اس کی بات مانا جائے گی یا اس کے رسول کی بات مانی جائے گی۔ ظاہر ہے کہ اس مقابلہ میں زیادہ ووت خدا ہی کو ملیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل قرآن پیش کرتے ہیں وہ بھی اہل قرآن کی اس مرحلہ میں ہاں ہیں ہاں ملے ہیں۔ بالکل یہی انداز اہلحدیث کا ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء اور صحابہ کرام کو ایک دوسرے کا متقابل بتا رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی بات مانی جائے یا آپ کے خلفاء اور صحابہ کرام کی۔ ظاہر ہے کہ اس مفتابہ میں دو ٹھوس صحابہ اور خلفاء کو نہیں منیں گے۔

در اصل یہ طریق فکر ہی باطل ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے درمیان تقابلی تہذیب کو چاہئے کیونکہ ہم اللہ کے کلام کو اللہ کا کلام صرف اس لئے مانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق امین اور بنی معصوم نہ مانا جائے تو پھر قرآن کو خدا کا کلام ماننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

بالکل یہی صورت احادیث کی ہے، احادیث کی حجیت ہی اس زمانہ پر مبنی ہے کہ راویان احادیث یعنی صحابہ کرام سب عدول ہیں، مزاج شناس رسول ہیں اور فہم دین میں وہ قرآن و احادیث کے فحاطین اول ہیں، قرآن ان کے سامنے نازل ہوا ان کے کانوں نے آیات قرآنی کے مطابق صاحب قرآن سے ان کی آنکھوں نے قرآن پر صاحب قرآن کو عمل کرتے دیکھا اور خود ان کے اعضاء و جوارح پر قرآن اور احادیث کے اثرات ظاہری و باطنی مرتب ہوئے۔ بارگاہ رسالت سے انکو نجوم ہدایت کا خطا ملتا ان کی اقتدار میں ہدایت مضمربتائی گئی۔

اصحابی کا نجوم و بیایحتم اقتدایتم اکتلتیم

پھر کوئی مسلمان صحابہ کرام کی اقتدار سے کس طرح بے نیاز ہو سکتا ہے۔ اور کس دل گردے سے یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ صحابہ کرام کے احوال و احوال کا دین میں کوئی مقام نہیں۔ جس طرح صحابہ کرام کی طرف کذب اور خطا کی نسبت کے بعد احادیث کا خطا اور کذب سے پاک ہونا بعید از قیاس ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح صحابہ کے

اقوال و افعال جو احادیث نبوی کے آئینہ پرداز ہیں ان کو حجت نہ ماننے کے
بعد حدیث کو دین میں حجت ماننا ایسا ہی ہے جیسے کوئی حدیث کو نہ ماننے
کے بعد قرآن کے ماننے کا دعویٰ کرے۔

جو اہل حدیث مشہور ہیں ان کے منگ میں تراویح کی نماز اجتماعت
اور ۲۰ رکعات کا تعین بدعت عمری ہے۔
نماز فجر میں الصلوة فیہ من النوم کا جملہ جو شامل اذان کیا گیا،
بھی بدعت عمری ہے۔

نماز حجہ میں منیہ سے پہلے بواذان دی جاتی ہے یہ بدعت عثمانی ہے
مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع یہ بھی بدعت عثمانی ہے۔
جب خلفاء و راشدین کے افعال بھی ان کی نظر میں بدعت ہوں
تو پھر عام مسلمانوں کو وہ اہل بدعت سمجھنے میں کیا کمی رکھیں گے یا رسول
اللہ کہنے والے ان کے نزدیک مشرک اور بدعتی ہیں، فاتحہ درود کے
قابل ان کے نزدیک بدعتی ہیں اور قبر پرست ہیں، اولیاء اللہ سے توسل
کرنے والے ان کے نزدیک بدعتی اور مشرک ہیں۔

دوسرے لفظوں میں ان کے زعم میں مسلمان صرف وہ خود ہی ہیں
باقی مسلمان بدعتی ہیں، مشرک ہیں مسلمان نہیں رہنا بخدا
اسی طرح اہل قرآن، بھی سوائے اہل قرآن کے دوسرے مسلمانوں کو
مسلمان نہیں سمجھتے۔ موجودہ اسلام کی وہ قبل اسلام کا مذہب بتانے
ہیں۔ (رہنما بخدا)

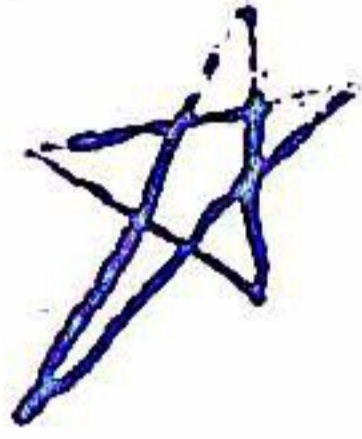
پس جہاں اہل قرآن احادیث کے منکر ہیں وہاں اہل حدیث منکر حدیث تو نہیں ہیں۔ مگر حاملان حدیث، راویان حدیث یعنی صحابہ کرام اور خلفائے راشدین کے ان معنوں میں ضرور منکر ہیں کہ دین میں ان کے اقوال و افعال کی اہمیت نہیں مانتے، حالانکہ تمام احادیث من وجہ اقوال صحابہ ہیں اور یہ صحابہ کرام کا قول ہے کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے۔

یہ بھی انکار حدیث کی ایک صورت ہے۔

امراؤں دین میں حدیث کو حجت تسلیم نہ کرنا۔ اصل قرآن کو حجت تسلیم نہ کرنا ہے۔ کلام الہی سے کلام بنوری کو ممتاز کرنے کے لئے ہمارے پاس کوئی ذریعہ موجود نہیں ہے، اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ مگر یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ انکار حدیث کرنے والوں کو سخت سست بڑا بھلا کہنے سے ہمارا فریضہ دین پورا نہیں ہو جاتا۔ ہمیں اولاً انکار حدیث کے اسباب و عوامل کا پتہ لگانا چاہئے تاہم ان اسباب و عوامل کو دین کی راہ سے دور کرنا چاہئے جو بالواسطہ یا بجاواسطہ انکار حدیث پر منتج ہوتے ہوں یا ان کی طرف منجر ہوں۔

ثانیاً انکار حدیث کی وہ تمام صورتیں جو ہم نے بیان کی ہیں، اگرچہ لفظاً صورتاً انکار حدیث کی تعریف میں نہ آتی ہوں۔ مگر حقیقتاً معنایاً ان سب صورتوں کے نتائج انکار حدیث کے ہم معنی ہیں۔ اس لئے ہم سب پر ان کا تدارک لازم ہے۔ لفظاً اقرار حدیث اور معنایاً انکار حدیث

یا عقیدۃ اقرار حدیث اور عملاً انکار حدیث درحقیقت انکار
 حدیث ہے۔ فرقہ دارانہ عصبیت اور تنگ نظری سے دور
 ہو کر اس کام کے لئے علماء اہل سنت والجماعت کو مستحضر اور منظم
 ہو کر لاکھ عمل مرتب کرنا چاہئے۔ اگر اس میں توافل سے کام لیا گیا
 تو انکار حدیث جیسے نہ معلوم اور کتنے فتنے رونما ہوں گے۔
 جن کا انبراء کفر کے فتورے سے ناممکن ہے۔



شُرَاب اور منکرین حدیث

انکار حدیث کے بعد قرآن کی تفسیر، لُذت کے لحاظ سے بالکل آپ ایسی لکھ سکتے ہیں کہ وہ تفسیر ہاتھوں ہاتھ لی جائے، مگر بازار ہو تمام شراب کی دوکانوں میں، صاحب بہادروں کے دفتر میں بالو لوگوں کے گھروں میں، عاشق مزاجوں میں اور حسن فروشی کی دوکانوں میں اس تفسیر کی قدر و منزلت ہوگی۔ آپ روشن خیال، ترقی پسند اور صاحب اجتہاد کہلائیں گے "ملا، نہیں، عالم دین قرار دیئے جائیں گے آپ کی مقبولیت، شہرت، ہر دلعزیزی پر صرف چند لوگ ہی نکتہ چینی کیسے ان کو آپ فرسودہ خیال، اندھے مفکر، روایت پرست، تاریک خیال، کھینے والے غیر مقلد، اہل حدیث نہیں، بلکہ منکرین حدیث غیر مقلد ہونگے مثال کے طور پر یہ آیت لیجئے۔

يا ايها الذين امنوا لا تقربوا الصلوة وانتم سكارى حتى تعلموا
ما تقولون ط

ترجمہ:- اے ایمان والو جب تم نشہ میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ تم جالو جو کہتے ہو۔

تحقیق لفظی - سکاری جمع سے سکران کی مست، منوالا اس کے

معنی ہیں یہ لفظ سُکر سے ماخوذ ہے۔ سُکر کے معنی نشہ کے ہیں۔ مفرداً امام رابع میں ہے کہ غضب اور عشق کی وجہ سے کبھی نشہ کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ لسان العرب میں ہے کہ نشہ کی تین قسمیں ہیں (۱) جوانی کا نشہ (۲) مال کا نشہ (۳) حکومت کا نشہ۔ لسان العرب میں آیت زیر بحث کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہاں نینار کا نشہ مراد ہے لغت عرب میں سُکرۃ الغم و السوم بولا جاتا ہے۔ یعنی غم اور نینار کی حالت میں از خود رفتاری صحاگ نے سُکاری سے نیند کا متوالا مراد لیا ہے۔

نشہ کی حالت میں نماز ممنوع ہے۔ نشہ کی اقسام لسان العرب تفسیر سے ہم بتا چکے ہیں مطلب یہ ہے کہ جو لوگ جوانی دیوانی کے نشہ میں سرشار ہیں (۱) وہ لوگ جو مال و دولت کے نشہ میں مست ہیں (۲) وہ لوگ جو امارت، وزارت، ریاست، حکومت اور سلطنت کے نشہ میں منوالے ہیں۔ ان کے لئے نماز کے قریب جانا بھی ممنوع ہے۔ غم و غصہ کی کیفیت بھی نشہ کی سی کیفیت ہوتی ہے۔ اس لئے جو لوگ غم و غصہ کے نشہ میں ہوں ان کے لئے بھی یہ حکم ہے کہ وہ نماز کے پاس بھی نہ کھنکھیں عشق بھی ایک تیز و تند نشہ ہے خواہ مجازی ہو یا حقیقی ہو بہر حال ایک مستقل کیفیت و سرشاری کا نام ہے اس لئے عاشقوں پر بھی نماز حرام ہے۔

برائی لکیر کے فقیر، روایات پرست، تاریک خیال، قدامت پسند ملاؤں نے اس آیت کی تفسیر میں نشہ سے صرف خمر مراد لیا ہے اور خمر کو وہ حرام کہتے ہیں، انتم سُکاری والی آیت کو انما الخمر والمیسر والی آیت سے منسوخ قرار دیتے ہیں یہ بھولے بھالے سادہ لوح لوگ بھی نہیں جانتے کہ اس آیت میں خمر و میسر کو رجب من عمل الشيطان

کہا گیا ہے۔ خمر کو حرام نہیں کہا گیا۔ وہ قرآن کو منسوخ کر کے روایتوں سے شراب کی حرمت ثابت کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ ان روایتوں کا زیادہ سے زیادہ درجہ جرآن کے نزدیک ہے وہ ظنی ہے اور خود ان کے نزدیک ظنیان و روایات کا منکر کافر نہیں اور قرآن کی ایک آیت کا منکر بھی کافر ہو جاتا ہے پھر جبکہ قرآن میں حرمت مذکور ہونے پر ایمان نہ لانے والا کافر نہیں ہوا تو کافر ہوا؟ ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن کی کوئی آیت منسوخ نہیں آیت تو بڑی چیز ہے، قرآن کا ایک حرف ایک زیر پر بھی منسوخ نہیں ہو سکتا وہ خدا جو قیامت تک کے لئے ایک آخری قانون دینا کو دے رہا ہے، اس قانون کی دفعات اگر نازل ہونے کے چند روز بعد ہی منسوخ ہو گئی ہوں تو سارے تیرہ سو برس میں تو اس رفتار سے سارا قرآن ہی منسوخ سمجھنا چاہئے (استغفر اللہ) الغرض یہ آیت نشر کی حالت میں نماز سے باز رہنے کا حکم رکھتی ہے جب نازل ہوئی تھی اس وقت بھی یہی حکم تھا آج بھی یہی حکم ہے۔ منسوخ ہونے کی صورت میں لازم آتا ہے کہ آج نشر کی حالت میں نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ آج بھی یہ ممانعت بدستور موجود ہے تو پھر منسوخ ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟ شراب کا حرام ہونا، اس آیت میں خارج از بحث ہے۔ یہ بحث ہی جدا گانہ ہے یہاں توصیف الفاظ میں یہ ہے کہ "نشر کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ"۔

اسلام روشن خیالی اور بیداری شعور کا پیغام دینا ہے۔ وہ ایک نکتہ اندھے کی لاکھی نہیں، بلکہ عصائے موسوی ہے، اگر بغیر سچے سمجھے محض زبان سے کچھ کلمات پڑھ لینے کا نام اسلام ہوتا تو مرکز سے یہ حکم صادر نہ ہوتا۔ حتیٰ تعلموا ما تقولون (یہاں تک کہ جو کچھ تم کہتے ہو وہ

جان لو! شرکی حالت میں آدمی نہیں جانتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؛ اس لئے نماز سے اس کو روکا گیا ہے۔ پھر کتنی بڑی حماقت ہے کہ مسلمان عربی میں نماز پڑھتے ہیں اور نہیں جانتے کہ وہ کہہ کیا رہے ہیں۔ اس کے یہ معنی ہو گئے کہ اردو، بنگلہ، سندھی، پشتو، پنجابی میں ان کو نماز پڑھنا چاہئے۔ تاکہ حتیٰ تعالیٰ ما تقولون کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہو۔ لاجول ولا قوتہ خمر، خمر کی جمع ہے اور خمار وہ ہے جس کے ساتھ عورت اپنے سر کو ڈھانکتی ہے (امام راعب) یعنی اور ڈھنی کیونکہ خمر کے معنی ڈھانکنا ہیں قرآن میں ہے۔ ویضربن نجھرا من علیٰ جیودہن (النور) یعنی اپنی اور ڈھنی اپنے سینوں پر ڈال لیا کریں۔ جیوب جمع ہے جیب کی جیب کے معنی قمیض کا گریبا اور جیب کے معنی قلب اور سینہ بھی ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ اپنے دلوں پر شرم و حیا کی چادر ڈال لیا کریں، اگر دل میں شرم و حیا نہیں تو اور ڈھنیوں سے سینوں کو چھپانا محض بیکار ہے۔

الخمر:۔ خمر کے اصل معنی کسی چیز کا ڈھانک دینا ہے اور خمر شراب کو اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ مفردات امام راعب میں ہے کہ بعض کے نزدیک ہر شے دینے والی چیز کا نام خمر ہے اور بعض کے نزدیک صرف انگور اور کھجور کی شراب کا نام "خمر" ہے۔ خود نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "خمر" ان دو درختوں سے ہے یعنی کھجور اور انگور سے (الخمر من ہاتین المشجیبتین) لغت تاج العروس میں ہے الخمر ما استکمر یعنی خمر وہ ہے جس سے نشہ حاصل ہو حضرت امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ "خمر" صرف انگور سے ہے جمہور کا قول ہے کہ جس سے نشہ ہو وہ خمر ہے کہا جاتا ہے کہ شراب مدینہ میں حرام ہوئی۔ حالانکہ وہاں انگور کی شراب

قطعاً نہیں ہوتی تھی۔ صرف بسرا اور تکر کی ہوتی تھی۔ یعنی تازہ اور خشک کھجروں کی شراب ہوتی تھی اور اسی کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نقل بخاری نے نقل کیا ہے۔ پس خمر کے معنی نشہ دینے والی چیز کے ہیں۔ شراب کے بارہ میں قرآن کا لب و لہجہ بتدیج بدلتا ہوا نظر آتا ہے۔ کہیں سمجھایا گیا ہے کہ اس میں فائدے تو لوگوں کے لئے ضروری ہیں۔ مگر فائدوں سے بڑھ کر اس میں برائی ہے (البقرہ) کہیں یہ حکم دینے پر اکتفا کیا گیا کہ نشہ میں نماز کے قریب نہ جاؤ (النساء) آخر میں اس کو رخص (نا پاک) اور شیطانی کام کہا ہے۔ اس سے پرہیز اور اجتناب کا مشورہ دیا فَاجْتَنِبُوا پھر بھی صاف لفظوں میں حَرَامٌ عَلَيْكُمُ الْحَمْرُ نہیں فرمایا گیا۔ حالانکہ حرمت صاف صریح اور غیر مبہم الفاظ میں آئی ہوئی چاہئے تھی۔

خمر سے پرہیز کرنے کے حکم کی علت دراصل نشہ ہی ہے۔ کیونکہ نشہ میں انسانی عقل پر پردے پر جاتے ہیں اس لئے وہ تمام کیفیتیں جو انسانی عقل پر حجاب ڈالیں، اسلام ان کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ انکارِ حدیث کر دینے کے بعد کیا ضروری ہے کہ صلوٰۃ کے معنی وہی لئے جائیں جو بقول منکرین حدیث فرسودہ خیال معسرین لیتے رہے ہیں خود قرآن میں صلوٰۃ مسجد کے معنی میں مستعمل ہوا ہے كَهْوَمَت صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَارَةٌ (الحج) اَقْبِمِ الصَّوَاةَ کے معنی مسجد پر قائم کرنے کے کیوں نہ لئے جائیں صلوٰۃ کے معنی لغت میں دعوت کے ہیں۔ دعا کو بھی صلوٰۃ کہتے ہیں، درود شریف کو بھی صلوٰۃ کہتے ہیں جو معنی چاہے مراد لیجئے۔ لغتِ ربیعی تائید کرنے کو موجود ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ آپ منکر حدیث ہوں احادیث کو ماننے کے بعد قرآن کی ترقی پسندانہ تفسیر ممکن نہیں موجودہ زمانہ کے تقاضوں کے مطابق اسلام کی تعبیر ممکن نہیں ہے۔

نیاز فاتحہ سویم، سویم، سویم، سویم

نیاز فاتحہ کے لئے اب تک اہل سنت و جماعت اور وہابی و دیوبندی گروہوں میں جو نظریات باعث نزاع بنے ہوئے تھے حسن اتفاق سے وہ تمام جھگڑے ٹٹنے اب نمٹ گئے ہیں اور ایسے تمام طبقات جو آج تک نیاز، فاتحہ ایصالِ ثواب کے مروجہ طریقے، فاتحہ، سویم وغیرہ کو ناجائز، شرک، بدعت اور کفر تک سے تعبیر کیا کرتے تھے، ان گروہوں اور گروہوں کے مسلمہ امام نے عملی طور پر نیاز، فاتحہ، سویم اور اسی قسم کے دیگر بدعت کو جائز قرار دیا۔

مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی پاکستان میں صف اول کے دیوبندی عالم بزرگوں میں سے ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ ایسے تمام حضرات جو علمائے اسلام کی پیروی کو اتباع رسول گردانتے ہیں۔ اور ان کے اعمال کو اعمالِ قرآنی سے تعبیر کرتے ہیں، حضرت مولانا کے موصوف کی "سنت" کو اپنا کر نیاز، فاتحہ کے روایتی نزاع کو اب ختم سمجھیں گے۔

حضرت مولانا نے کراچی میں اسماعیلی فرقہ کے امام ہر ہولی نہیں آغا کی غائبانہ نماز جنازہ ۱۹۵۷ء میں بمقام کراچی پریس کونسل اور پھر یہی نہیں بلکہ ان کی فاتحہ سویم کی بھی بنفس نقیب تکمیل فرمائی۔ ویسے یہ بات آج بھی نہیں ہوتی ہے۔ ہر سال قائد اعظم محمد علی جناح کی سالانہ برسی پر

حضرت مولانا ابی تائون پاکستان مس فاطمہ جناح کے گھر پر قائد اعظم مرحوم کی فاتحہ اور نیاز میں شریک ہوتے رہے ہیں۔ لیکن یہ بات صروت اہل کراچی کے حاضرین کے ہی علم میں تھیں۔ ہم نے اس سلسلے میں آج علی الخصوص منبر المسلمین کو تیار و فاتحہ کے انکار کی گراہی سے بچانے کے لئے اس لئے لکھا ہے کہ کراچی کے موقر ترین انگریزی روزنامہ ڈان نے تصاویر و اطلاعات کی اشاعت سے یہ بھانڈا بھی پھوڑ دیا ہے کہ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی بھی آغاخان مرحوم کی نماز جنازہ میں شریک ہوئے اور مراسم فاتحہ سویم ادا فرما کر داخل حسنات ہوئے چلے۔ یہ منبت کا جھگڑا تو ختم ہوا۔ مسلمانوں کو اب "جو نیت امام کی وہی نیت ہماری" کا مقولہ ملحوظ رکھ کر اس پردہ جہل کو چاک کر دینا چاہئے جو آج تک نہ معلوم کن منکرین فاتحہ و اعراس کی تبلیغ و تعلیم کی وجہ سے عام ہو گیا تھا۔

مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کا قائد اعظم مرحوم کے عرس میں بڑے لواحق اور خشوع اور خضوع سے حاضر رہنا، آغاخان کی غائبانہ نماز جنازہ پر بٹھا کر ان کی روح کو خوش کرنا۔ سویم پر بٹھانا ثابت ہو چکا ہے اور ہمیں امید ہے کہ اس سلسلے میں اختلاف باطلہ کو ختم کر دینے کا اعلان بھی عنقریب حضرت کی طرف سے "ڈان" وغیرہ میں شائع ہو جائے گا۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع مظاہر اور دوسرے تمام علماء نے اپنے اجماع سکون سے حضرت موصوف کے طرز عمل کی تائید فرمادی ہے۔ اب اس مسئلہ کے متفق علیہ ہونے میں کیا کسر باقی رہ گئی ہے۔

علمائے احناف کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ بالافتاء
ایک اہم سوال ناجائز ہے۔ اور یہ بھی واقعہ ہے کہ علمائے دیوبند
 خود کو فقہ حنفی کا متبع ظاہر کرتے ہیں لیکن عقیدہ اور عمل کا تضاد اس واقعہ سے

اچھی طرح نمایاں ہو جاتا ہے کہ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی نے آنحضرت
 کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی اور ان کے سویم کے فاتحہ کے مراسم بنفس نفیس انجام
 دیے جو دیوبندی مسلک کے علماء کے نزدیک کم از کم داخل بدعت ہیں۔
 جہاں تک غائبانہ نماز جنازہ کا تعلق ہے، علماء احناف اس حدیث
 سے بے خبر نہیں ہیں کہ خود سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت نجاشی
 رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ بظاہر غائبانہ ادا فرمائی تھی۔ لیکن علماء احناف اسکو
 سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت قرار دیتے ہیں اس لئے کہ یہ
 نماز مسلمانوں کے لئے اگرچہ بظاہر غائبانہ تھی لیکن حقیقتاً نہ تھی۔ حضرت نجاشی
 کا جنازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کے سامنے تھا اس لئے اس نماز
 کی حیثیت ایسی تھی کہ جنازہ امام کے سامنے حاضر ہو اور مقتدیوں سے مستور
 ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ خصوصیت کسی دوسرے انسان کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ خود
 اس حدیث میں اس خصوصیت کا اشارہ موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ
 وسلم ہی نے حضرت نجاشی کے انتقال کی خبر صحابہ کو دی تھی جبکہ خطِ بری
 وسائلِ خبر میں سے کوئی وسیلہ موجود نہیں تھا۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ط

مکتبہ تاج کی دیگر مطبوعات

حضرت بابا ذہین شاکہ تاجی کی دیگر تصانیف زیر کتابت ہیں۔ جن کی

تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ جمال آیات :- (فارسی کا دیوان) آرٹ پیپر سپر ڈورنگ کی طباعت سے مزین

ہوگا۔ جدید ٹائپ پرنٹنگ، کپڑے کی مصیبت جلد بندی قیمت :- دس روپے

۲۔ آیات جمال :- (دیوان اردو غزلیات) آفسٹ کتابت و طباعت اور نہایت

قیمتی آفسٹ پیپر، نہایت قیمتی جلد بندی کے ساتھ جلد ہی تیار ہو جائیگا۔ تقریباً

۵۰ صفحات قیمت :- پندرہ روپے

۳۔ لمعات جمال :- حمد و نعت اور مناقب کے ساتھ اسرارِ حروف پر ایک

ایسا گلستانِ شاعری جس کی مثال اردو زبان میں نایاب ہے، آرٹ پیپر سپر جدید

ٹائپ پرنٹنگ اور کپڑے کی مصیبت جلد بندی کے ساتھ ۱۹۶۸ء کے رُبع اول میں

شائع ہو جائے گی۔ قیمت :- دس روپے

۴۔ اجمال جمال :- اپنی نوعیت اور آہنگ کی بگائے روزگار رباعیات کا مجموعہ

دیدہ زیب طباعت و جلد بندی، دبیز کاغذ۔ ۱۹۶۸ء کے شروع میں پیشِ خدمت

ہوگا۔ قیمت :- دو روپے

۵۔ جمال ستران :- (اردو نظموں کا مجموعہ) جس کی کتابت و طباعت آفسٹ پر ہوگی

قیمتی آفسٹ کاغذ استعمال کیا جائیگا کپڑے کی معیاری جلد بندی اور وٹائی گرو

غلاف کے ساتھ ۱۹۶۸ء میں منصفہ شہر پر آجائیگا۔ تقریباً ۵۰ صفحات قیمت

صرف - دس روپے

مکتبہ ہائما تاج - تاج منزل - ملنے کا پتہ - بہار کالونی کراچی